منتخب التواریخ

جلد اول

مؤلف

ملّا عبدالقادر بدایونی

مترجم

ڈاکٹر علیم اشرف خاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔ 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی۔ 066 110

منتخب التواریخ

جلد اول

مؤلف

ملّا عبدالقادر بدایونی

مترجم

ڈاکٹر علیم اشرف خاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔ 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی۔ 066 110

پہلی اشاعت	:	2008
تعداد	:	550
قیمت	:	-/335روپے (سیٹ: -/890روپے)
سلسلہ مطبوعات	:	1296

Muntakhabut Tawareekh, Vol.I

ISBN : 81-7587-232-2
81-7587-234-9(set)

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر.کے. پورم، نئی دہلی۔110066
فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducoun@ndf.vsnl.net.in، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: گیتا آفسیٹ پرنٹرس، سی۔90، اوکھلا انڈسٹیریل ایریا، فیز۔I، نئی دہلی۔110 020

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔

وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کیں ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر علی جاوید
ڈائریکٹر

فہرست

عرض مترجم

مجھے بے حد خوشی ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی کا شاہکار منتخب التواریخ کا اردو ترجمہ مکمل ہوا۔ مترجم کو یہ بھی احساس ہے کہ ترجمہ ایک نہایت دشوار اور پیچیدہ کام ہے جس میں روح مطلب کا مفقود ہونا عام بات ہے۔ بہرحال یہ ترجمہ ہے نہ کہ اصل تالیف، مزید برآں یہ کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں ہے جو سہو، اشتباہات اور کمیوں سے مبرا ہو۔

مؤلف منتخب التواریخ کا نام عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی ہے جو شاعر تھے اور قادری تخلص کرتے تھے نیز فن تاریخ گوئی میں بھی ان کا منفرد مقام ہے۔ خاص طور سے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی عہد وسطیٰ کے معروف مورخ ابوالفضل کے معاصر ہیں۔ جن میں ایک کو دربار اکبری میں نہایت معتبر رتبہ ملا ہوا تھا اور دوسرا اپنی تمام کوششوں کے باوجود اس درجۂ اعتبار اور قربت کو حاصل نہ کر سکا تھا۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی ولادت 947ہجری/ 41-1540 عیسوی میں ہوئی جس کے لیے شاہد منتخب التواریخ میں یوں آیا ہے:

’’مجھے خدا نے 60سال کی عمر میں لڑکا عطا کیا جس کا نام محی الدین رکھا، جس کی

ولادت پیاور میں ہوئی۔"

اسی طرح دوسری جگہ جلد اول میں عبدالقادر بدایونی رقم طراز ہیں:

''اس منتخب کا جامع 961 ہجری/ 54-1553 عیسوی میں 12 سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ تحصیل علم کے لیے سنبھل گیا تھا۔'' حالانکہ ان کی ولادت اور 12 سال کی عمر کے اعتبار سے سنین میں اختلاف موجود ہے۔

قرآن کی تعلیم سے متعلق یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ انھوں نے میر سید محمد مکی سے قرآن پڑھا تھا جو سات قرأتوں کے قاری تھے۔ عربی کی تعلیم اپنے نانا مخدوم اشرف سے حاصل کی۔ بقول ملا عبدالقادر'' 961ہجری قمری میں 12 سال کی عمر میں میاں حاتم سنبھلی سے ''قصیدۂ بردہ شریف' 'اور فقہ کی کتاب ''کنز'' کے بھی چند اسباق پڑھے تھے۔'' عبدالقادر بدایونی نے بہت سے علوم کے لیے ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری سے رجوع کیا اور باقاعدہ ان علوم کو اپنے استاد مبارک ناگوری سے حاصل کیا۔ میر غیاث الدین جو نقیب خاں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں وہ ملا عبدالقادر بدایونی کے ہم سبق رہے تھے۔ اُن کی شادی 975ہجری میں بدایوں میں ہوئی تھی۔ جلال خاں قورچی اور حکیم عین الملک کی سفارش پر ملا عبدالقادر بدایونی کو 981ہجری میں بادشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر کے دربار میں جگہ ملی اور بقول اکبر:'' یہ بدایونی عالم حاجی ابراہیم سرہندی کی خوب سرکوبی کرے گا۔'' کے مصداق دربار میں مامور ہوئے۔

قاضی علی کی سعی پیہم سے ملا عبدالقادر کو ہزار بیگھہ آراضی کی مدد معاش بھی دربار اکبری سے عطا ہوئی۔ دربار میں ملا عبدالقادر بدایونی کے ذمے ترجمہ، تصنیف اور تالیف کے علاوہ کتابوں کا انتخاب بھی تفویض ہوا۔ انہیں دربار سے ''اتھربن وید'' کے ترجمے کا کام ملا تھا مگر وہ اس کام میں کامیاب نہ ہوئے تو یہ کام بعد میں ابوالفیض فیضی کے سپرد کیا گیا۔ بدایونی کی دوسری کتاب ''الاحادیث'' ہے جس میں تیر اندازی اور جہاد کے سلسلے کی 60 حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ ایک کتاب ''تاریخ الفی'' کے لیے ایک ٹیم کا قیام کیا گیا جو سات افراد پر مشتمل تھی جس کے ایک رکن ملا عبدالقادر بدایونی بھی تھے۔ نقیب خاں اور بدایونی

نے باہمی اشتراک سے ''مہابھارت'' کا ترجمہ ''رزم نامہ'' کے نام سے انجام دیا اور ''رامائن'' کو عبدالقادر نے 6سال کی مدت میں انفرادی طور پر ترجمہ کیا تھا۔ ''جامع رشیدی'' کو ابوالفضل کے حکم اور مشورے سے ترجمہ کیا 'بحرالاسمار' جو کشمیر کی تاریخ ہے اور اس کا ترجمہ سلطان زین العابدین نے کرایا تھا وہ بھی مکمل نہ ہوسکی تھی اس کی تکمیل بھی مُلّا عبدالقادر بدایونی نے کی۔ ''نجات الرشید'' کو بدایونی نے ذاتی طور سے اور ''انتخاب تاریخ کشمیر'' بھی بادشاہی حکم کے مطابق مکمل کیا۔ ''منتخب التواریخ'' ملا عبدالقادر بدایونی کی ضخیم اور 3 جلدوں پر مشتمل تاریخ ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کو علوم معقول و منقول دونو ں میں کامل دستگاہ تھی۔ عربی و فارسی ان کی گھٹی میں تھی اور وہ فارسی کے صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز تھے۔ ملا کو نجوم، ریاضی اور ہندوستانی راگ اور راگنیوں سے بھی شغف تھا۔ تاریخ گوئی میں ان کا سکہ چلتا تھا اور انہیں عہد اکبری کے نابغۂ روزگار میں شمار کرنا حق شناسی کہی جائے گی۔ منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے جلال الدین محمد اکبر کے 60سالہ واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ مزید اس کی سب سے عجیب خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی حیات تک اس تالیف کا راز افشا نہیں کیا۔ غالبًا قوی امکان ہے کہ اس میں جگہ جگہ پر جو حقیقت بیانی کا عنصر ہے وہ ملا عبدالقادر کے نزدیک مصلحت اندیشی اور دوربینی کے نظریے سے پوشیدہ رکھنا ہی زیادہ مناسب رہا ہوگا۔ مگر جب عہد جہانگیری میں اس تاریخ کا شہرہ ہوا تو جہانگیر نے ملا عبدالقادر بدایونی کے بچّوں کو بلا کر عتاب کیا اور باز پرس کی تو انھوں نے کہا کہ ہم تو چھوٹے اور ناسمجھ تھے۔ ہمیں اس کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ مزید اُن بچو ں نے ایک مچلکہ لکھ کر جہانگیر کو دیا تھا کہ اگر یہ ہمارے پاس پائی گئی تو ہم سزا کے مستحق ہوں گے۔ منتخب التواریخ کا ماخذ مرزا نظام الدین احمد کی تاریخ ہے اور آخر کے دو سالو ں کے حالات کو ملا عبدالقادر بدایونی نے خود جمع کیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کو میر سید مہدی جونپوری کے داماد شیخ ابوالفتح گجراتی سے یک گونہ محبت وعقیدت کے باعث کچھ حضرات ملا عبدالقادر بدایونی پر مہدوی ہونے کا بھی الزام عائد کرتے ہیں۔

یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ عہد اکبری کے واقعات اور معاملات کو صحیح زاویۂ نگاہ سے سمجھنے اور کوئی رائے قائم کرنے کے لیے جہاں اکبر نامہ از حد ضروری ہے وہیں منتخب التواریخ کے اندراجات کو بھی ''دیوانے کی بڑ'' کہہ کر خارج نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مترجم کوئی مورخ نہیں ہے جو منتخب التواریخ کی تاریخی اہمیت اور خصوصیات پر رائے زنی کرے، البتہ فارسی زبان و ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جہاں تک اکبرنامے کا تعلق ہے تو ہمیں معلوم ہے کہ ابوالفضل کی تاریخ کو سرکاری اور درباری تاریخ کا درجہ ملا ہوا تھا۔ اس لیے اکبر بذات خود ابوالفضل کے اندراجات کو پڑھوا کر سنتا تھا اور حسب مرضی اس میں ردّ و بدل بھی کیا جاتا تھا اس لیے کسی حد تک اکبر نامہ کو ہم ایک ایسی تاریخ کہہ سکتے ہیں جس میں بادشاہ وقت کی رائے اور مرضی و مزاج کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ غیر سرکاری اور شخصی و ذاتی نوعیت کی تاریخ ہے جس میں ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ کو دخل نہیں ہے۔ اسی لیے اس میں اگر بدایونی کو کسی بات سے اختلاف ہے تو شدید تنقید دیکھنے کو ملتی ہے جب کہ ابوالفضل کی تاریخ میں اس نوعیت کے اندراجات نہیں ہیں اور جو شاید ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ اسی لیے ہمیں عہد اکبری کے معاملات کو معروضی طریقے سے درک و استفہام کے لیے جہاں اکبرنامہ کی ضرورت ہے وہیں منتخب التواریخ بھی اہم اور نہایت لازمی محسوس ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے وہ باتیں جنھیں ملا عبدالقادر بدیونی برملا نہیں کہہ سکتے تھے اسے انھوں نے خاتمہ میں نہایت اچھے پیرائے میں یوں بیان کر دیا ہے جو منتخب التواریخ کی سبب تالیف بھی کہی جاسکتی ہے۔ مُلاّ رقم طراز ہیں:

''میرے اس سودائی قلم نے دیوانہ وار ہر آشنا اور بیگانے کے دامن کو تھامنے کی کوشش کی ہے اور اپنے جنون کے ہر قطرے کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا ہے نہ معلوم میرے بعد آنے والے اس نقش زاغ پا کو دیکھ کر کیا کہتے اور اسے پڑھ کر کیا رائے قائم کرتے ہیں؟ بہرحال مجھے ڈر ہے کہ میرے ساتھ بھی لوگ وہی سلوک کریں گے جو میں نے دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ نکتہ شناس اس بات کو نظر انداز نہیں کریں گے کہ میری

یہ ساری آفرین اور نفرین شرع مبین کی حمایت اور دین متین کی طرفداری میں ہے۔

ارباب تصنیف و تالیف کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اپنی اچھی بری کاوشوں کو قلم بند کر کے اہل زمانہ پر بڑا احسان جتا کر کسی نہ کسی کے نام اپنی تصنیف و تالیف کو منسوب کر کے اغراض و منافع کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ میں اس روش کے خلاف کسی بھی طمع اور توقع کے بغیر اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے ایک ہدیہ چھوڑنا چاہتا ہوں تاکہ وہ لوگ جو ہمارے زمانے کے حالات و حقائق کے طالب ہوں، اس سے استفادہ کر سکیں۔

اس انتخاب کی ترتیب کا اصلی سبب بھی یہی ہے کہ اس زمانہ میں احکام دین میں جس طرح تغیر و تبدل کیا جا رہا ہے اس کی گذشتہ ہزار سالوں میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ املاء و انشا کرنے والا جو دو کلمے جوڑ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے صاحبان اقتدار کی خوشامد یا دین سے ناواقفیت یا اصل حالات سے لاعلمی کی بنیاد پر یا دوسرے فاسد اغراض کی خاطر حق پوشی سے کام لینے لگا ہے اور دین کو دنیا کے عوض فروخت کرنے، باطل کو حق بنا کر پیش کرنے اور کفریات اور حشویات کو خیرات و حسنات جتلانے میں بھی اسے ذرہ برابر خوف نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ مستقبل کے لوگ اگر ان باطل خرافات اور حشویات کو دیکھیں گے تو بڑے تذبذب اور تردد میں پڑ جائیں گے۔ اس لیے میں جو کہ اس گورکھ دھندے میں مبتلا رہا ہوں، ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے مشاہدات اور روایات کو جو آنکھو ں دیکھے حقائق ہیں، ظن و تخمین کا نتیجہ نہیں، مزید اہل اسلام پر میری اس خدمت کا حق ثابت ہو جائے۔''

ظاہر ہے یہ سب بیانات ملا عبدالقادر بدایونی کی مصلحت کوشی، دور بینی اور دور اندیشی کی طرف واضح اور مثبت اشارے ہیں اور یہی منتخب التواریخ کی سب سے اہم اور جداگانہ اہمیت بھی ہے۔

اس ترجمے میں مترجم نے یہ خیال رکھا ہے کہ ہر باب کے اختتام پر ہی حواشی ثبت کر دیے جائیں جس سے قارئین کو کتاب کے آخر میں رجوع کرنے کی زحمت سے بچایا جا سکے۔

مترجم اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی سے بخوبی آشنا ہے۔ اس ترجمے میں کئی جگہ اشتباہات اور کمیاں ضرور رخ پا گئی ہوں گی۔ مزید برآں مترجم کی خواہش تھی کہ اس ترجمے کے ساتھ ساتھ اس ترجمے کے آخر میں اشاریۂ کتب، اشخاص اور اماکن بھی درج ہو جاتا مگر چونکہ ترجمہ پہلے ہی خاصا وقت لے چکا ہے اس لیے عملی طور پر اس کی گنجائش نہیں۔ مگر اس سے کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اضافہ ضرور ہوتا ہے۔ ممکن ہے دوسری اشاعت میں اس کام کو انجام دیا جاسکے۔ مزید اس کمی کو تفصیلی فہرست فراہم کر کے پُر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بہرحال جو بھی ہو سکا وہ پیش خدمت ہے۔ مترجم کی دلی خواہش ہے کہ صاحب علم و نظر اس ترجمے میں واقع کمیوں اور اشتباہات سے مترجم کو آگاہ فرمائیں گے تاکہ بعد میں اگر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کی جاسکے۔

آخر میں مترجم پر لازم ہے کہ وہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے ارباب حل و عقد کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرے۔ سب سے پہلے ادارہ ہذا کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر علی جاوید صاحب میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جن کی ڈائریکٹرشپ میں فارسی کی ایک اہم تاریخی کتاب کا اردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ نیز محترمہ مسرت جہاں صاحبہ ریسرچ اسسٹنٹ کا شکریہ ادا کرنا بھی اس لئے لازمی ہے کہ ان کی انتھک کوششوں سے یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔

8/ستمبر 2007ء

علیم اشرف خاں
ریڈر، شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی
دہلی 110007

1

حمد ونعت

حمد

ای یافتہ نامہا زنام تو رواج
شاھان بدرت چوما بدیشان محتاج
حالی کہ رسید صدمت غیرت تو
نی پائی بکفش ماندہ نی فرق بتاج

(اے پروردگار تیرے نام سے ہی دنیا کے دیگر ناموں کو رواج عطا ہوا ہے۔ بادشاہ تیری چوکھٹ پر اسی طرح محتاج ہیں جس طرح ہم عام لوگ بادشاہوں کے درباروں میں خود کی ضرورت کی تسکین کے لیے دیکھتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہمیں پریشانیاں، دکھ اور مصیبتیں ملتی ہیں وہ تیری خدائی کے واضح ثبوت ہیں حالت یہ ہوگئی ہے کہ نہ کفش میں پیر ہی ہے اور نہ سر میں مانگ (یعنی اس قدر پریشانیاں، مصیبتیں اور

دکھ و آلام سے مجبور ہیں کہ نہ سر سنوارنے کا وقت ہی مل پاتا ہے اور نہ اتنی فرصت ہے کہ یہ دیکھ سکیں کہ پاؤں میں جوتا ہے بھی یا نہیں)۔

اے دو جہاں کے مالک! یہ دل جو دنیا کی لالچ میں پریشان ہے، یہ پریشان دل جو صرف دنیا کا ہو چلا ہے کیسے تصور کر سکتا ہوں کہ تیری طرف راغب ہو، میری زبان جو تیرے پاک نام لینے کے قابل بھی نہیں، کیسے ممکن ہے کہ اس ناپاک زبان سے تیری تعریف کروں۔

چہ زُہرہ خاک مسکین را کہ توحید خدا گوئد
بدین آلودگی خاک مقدس را ثناء گوئد

(زمین کے ایک مسکین کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ خدا کی توحید بیان کر سکے اور اس مٹی کی آلودگی سے بنا یہ انسان حقیر، خدا جیسے عظیم مالک کی تعریف و توصیف میں خود کو ناقص سمجھتا ہے)

میں اس راستے سے جو تو نے معین کر رکھا ہے ناواقف ہوں! میری زبان تیری تعریف کی راہ میں سست ہے تیری تعریف میرے اندر پیدا ہی نہیں ہوتی۔

آنچہ دل داند حدوث است آنچہ لب گوئد حروف
من بدل چون دانمت یا بازبان چون خوانمت

(دل جو کچھ جانتا ہے وہ حدوث ہے جو کچھ ہونٹ کہتے ہیں وہ حروف ہیں یعنی الفاظ میں تو جو کچھ بھی تیرے بارے میں دل سے جانتا ہوں وہی کہتا ہوں اور جو کچھ بھی تیرے بارے میں سمجھتا ہوں اسے زبان سے بیان کرنے کی حقیر سی کوشش کرتا ہوں)

اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے قلم کو اس میدان سے الگ رکھوں اور خود کو دنیا والوں

کے حالات پر غور وفکر کرنے سے باز رکھوں اور اللہ تعالی کی ذات کے قریب جاؤں ان کا مطالعہ کروں اور ان کی پاک ذات پر غور کروں اور انھیں سمجھنے کی کوشش کروں۔

نعت

دُوئی رانیست رہ بحضرت تو
ھمہ عالم توئی و قدرت تو

(حضرت پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دوئی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل عالم ہیں اور آپ کی قدرت کا جلوہ دنیا میں جگ روشن ہے۔)

اپنی زبان پر محمدؐ کا نام لاؤں اور ان کے فیض سے اپنی زبان کو معطر کروں جن کی ذات پاک، ازل اور ابد کے لیے ہے اور جس کی بدولت اللہ تعالی نے اس دنیا کو قائم کیا ہے۔

شاہ عربی کہ شد جہان مظہر او
سوگند سرش گفت جہان *
ہمسایۂ حق بود ازان سایہ نداشت
تاپا ننہد کسی بجائی سرِ او

(شاہ عربی یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ذات گرامی دنیا میں ظاہر ہوئی اور ساری دنیا ان کے سر کی قسم کھاتی ہے ان کا پڑوسی سچ کہتا تھا کہ آپ صلعمؐ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا یہ بھی خدا کی بزرگی، عظمت اور ساری دنیا کے مالک و پروردگار کا فیض تھا کہ آپ کی ذات کے سائے پر کوئی انسان جہاں آپ کے سر کا سایہ

پڑے اپنے پیر نہ رکھ سکے۔ یہ خدا کی قدرت کا نشان ہے۔)

ہزاروں ہزار تحسین و آفرین ہو ان کے حق میں خصوصاً خلفائے راشدینؓ پر جنھوں نے پرچم اسلام بلند کرنے اور کلمۂ حق کے لیے اپنی جانیں نثار کیں، اپنے سر فدا کیے اور ہر طرح کے کفر و بدعت کے خار و خاشاک سے ملک شرع کی وادی کو پاک کیا۔

علم تاریخ

حمد الہیٰ اور نعت حضرت رسالت محمدؐ کے بعد اس امر کی وضاحت لازمی ہے کہ علم تاریخ ایک علم شریف اور فن لطیف ہے۔ اس لیے یہ اہل خیر کا سرمایۂ عبرت اور اہل عقل کا آئینہ تجربات ہے۔ اصحاب قصص اور سیر نے حضرت آدمؑ سے لے کر زمانہ حال تک اس فن میں بڑی معتبر اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں اور اس کی حقیقت کا ثبوت دلائل و براہین سے بہم پہنچایا ہے۔ اس لیے یہ خیال کبھی دل میں نہیں لانا چاہیے کہ ضعیف العقیدہ اور شکّی طبیعت رکھنے والوں نے اس علم کے مطالعے کے متعلق جو خیال آرائی کی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اس سے مسلمان شریعت محمدی کی راہ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں اور ہوا و بدعت کے مکدّر چشموں کے کنارے اترتے ہیں، اس لیے کہ جس گروہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ اسے فطری طور پر دین حق سے لگاؤ نہ ہو اور کلام ازلی جو سعادت ابدی کی کلید ہے اور دونوں جہاں کے لیے رحمت و شفا ہے اس کی تلاوت سے بھی اس کی شقاوت قلبی نہ گئی ہو اور وہ خسران جاوید میں رہ گیا ہو۔'' واذا یمتد وابه فیقولون هذا امك قدیم '' جب قرآن مجید کے بارے میں اس کی یہ رائے ہو تو پھر علم تاریخ اس کی زد سے کیسے بچ سکتا ہے۔

چو حِس سمع از مالیخولیا ضائع شود کس را
نیابد بہرہ از مزمار داؤدی والحانش

مگر ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو سلامتی طبع، جودت ذہن اور شیوۂ انصاف کے حامل ہیں، نہ کہ وہ جماعتیں جو شرع شریف کی پابند نہیں اور اصل و فرع کی منکر ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسے لوگ تخاطب کے قابل نہیں اور ان کا شمار اہل اختیار اور اولی الابصار کے زمرے میں نہیں ہوتا۔ بھلا ایسے علم کا کوئی شخص کیسے منکر ہوسکتا ہے جس کی فضیلت کا یہ حال ہو کہ اسے سبع مثانی کی ساتویں آیت کا درجہ حاصل ہوا اور سبع 1 مثانی کی اہمیت ظاہر ہے کہ اسے ایمان اور یقین کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

وَکلا نقص علیك من ابناء الرسل ما نثبتُ به فوادك. یہ آیۂ شریفہ اس کا بین ثبوت ہے اور علمائے حدیث وتفسیر کی ایک بہت بڑی جماعت جس میں امام بخاریؒ 2 اور قاضی بیضاوی 3 سے لے کر ہمارے اپنے زمانہ تک کے علمائے کرام شامل ہیں۔ ان سب نے اس دل پذیر علم کو اپنا مشغلۂ تحریر بنائے رکھا اور اقوام مشرق و مغرب جو اگرچہ مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں وہ بھی ان کے قول وعمل کو مستند سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل بدعت کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے اور اس کی یہ بدبختی ہے کہ اپنے نفس امارہ کے تعصب اور ظاہر و باطن کی کوتاہ بینی سے انہوں نے اس حد تک جرأت کی کہ قابل یادگار اور صحیح تاریخ کے واقعات کو باہم خلط ملط کیا اور اس طرح ان کے حقیقی مفہوم کو خبط کردیا۔ اس نے مسلمہ ترکیبوں، تشریحوں اور وضاحتوں کے اسلوب کو ترک کرکے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے معرکوں اور مناظروں کا قیاس اپنے زاویۂ نظر سے کیا اور ان کی بنا حصول دولت اور خاندانی جاہ وحشم کے ذاتی تقاضوں پر رکھی۔ یقیناً یہ گروہ ایسے سادہ لوح لوگوں کی گمراہی کا باعث ہوا جو پہلے ہی ضعیف الاعتقاد تھے اور اس نے اپنی غلطیوں کو ان پر محمول کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنے آپ کو بھی اور اپنے ساتھ ان کو بھی دارالبوار جہنم میں پہنچایا:

انــــا كـــــان الــغــراب دليــل قــوم
سيهـــديهـــم لسبـل الهـــالـكـنـــا

اور جس شخص کی آنکھیں سرمۂ توفیق اور نور یقین سے منور ہوں ہر وہ سانحہ جو اس عالم کون و فساد میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کی سطح سے بالاتر ہو کر وہ اس ذوالجلال صانع قدیم کی وحدت کو پالیتا ہے، جو حدوث کے عیب سے مبرّا اور تغیر و انتقال کے داغ سے پاک ہے اور میں اپنے چاروں طرف بغور دیکھتا ہوں تو یہ دنیا مجھے بذات خود ایک قدیم کتاب نظر آتی ہے جس کا کوئی سر ہے نہ پیر اور اس کے تمام اوراق پراکندہ ہیں، مگر اس کے ہر ورق پر افراد انسانی کی کسی ایسی جماعت یا گروہ کے احوال و کوائف درج ہیں جس کے ہاتھ میں زمام اختیار دی گئی تھی۔

ز احوال شہان گیتی بود شہنامہ کہنہ
تو دائم از سر عبرت دروی بین و میخوانش
فسون این فسانہ خواب خوش می آورد آنرا
کہ سرسامی است و از سودا دماغ آمد پریشانش
دلی بیدارھم می سازو آن کس را کہ از نخوت
بخواب غفلت افتاد است و بازی دادہ شیطانش

سبب تالیف کتاب

بنی نوع انسان کے اس دعاگو عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی نے 999ھ/ 1590-91ء کے اوایل میں حضرت خلیفۂ زمان ظل الٰہی اکبر شاہ حکمران ہندستان کے حکم کی تعمیل میں انتخاب تاریخ کشمیر4 کا ہندی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے سے فراغت پائی۔ مجھے چونکہ بچپن سے بڑھاپے تک اس علم (تاریخ) سے لگاؤ رہا، اس لیے اس عرصہ میں کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ میں اس علم کے مطالعہ یا تحریر میں مشغول نہیں رہا، خواہ وہ اپنی

رغبت سے تھا یا کسی دوسرے کی حکم کی تعمیل میں، چنانچہ بارہا میرے دل میں آیا کہ درالسلطنت دہلی کے سلاطین کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ لکھا جائے:

جملہ عالم روستایند آن سواد اعظم است

ابتدائے اسلام کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک (زمانہ تحریر کتاب تک) مختصراً لکھا جائے تا کہ ہر سلطان کے احوال کی وہ ایک ایسی اجمالی یادداشت ہو جو احباب کے لیے تذکرے کا کام دے اور لوگ اس تذکرے سے فائدہ اٹھائیں اور ارباب بصیرت کی نظر میں اسے تبصرے کی حیثیت حاصل ہو۔ اگر چہ میرے پاس اس موضوع پر کوئی کتاب یا تصنیف نہیں پھر بھی بقول شاعر:

این کہن اوراق گردون کش زانجم زیوراست
کہنہ تاریخ بس شاھان انجم لشکر است

ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے عام لوگوں یا خاص لوگوں میں سے کسی کے دل پر اپنا نورانی پرتو ڈالے اور وہ ترکِ دنیا کے جذبے کے تحت اس سرائے فانی کی محبت اپنے دل سے نکال کر ان اوراق جامع کی جانب رجوع ہوں۔ چنانچہ میں امید کرتا ہوں کہ میری یہ کوشش رنگ لائے گی۔ جب کہ ہر دن نئے نئے غم زندگی میں آتے ہیں اور مشکلیں ایک نئے انداز اور نئے رنگ میں زندگی میں رونما ہوتی ہیں اور مدد کم ملتی ہے۔ان حالات کے باعث وقت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک جگہ قیام کیا جائے:

ہر روز بمنزلی و ہر شب جایی

اور اس پر میرے ذریعۂ معاش کی کوئی مستقل اور یقینی صورت نہ تھی اور وہ زمین و آسمان کے مابین معلق تھا۔ یہ پریشان دل اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی جدائی میں پریشان تھا، اس لیے میرے مقصد کی تکمیل میں تاخیر لازمی تھی، مگر اسے حسن اتفاق کہیے کہ

میرے مہربان اور شفیق دوستوں میں سے ایک نے تاریخ نظامی 5 کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ میرے اس دوست کو دین سے کافی لگاؤ تھا۔ اس فقیر سے بھی اسے محبت تھی اور اس فقیر کو بھی اس کے ساتھ انس تھا مگر عمر نے وفا نہ کی اور وہ رخت حیات باندھ کر فردوس اعلیٰ کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔

او رفت و رویم مابدنبال
آخر ھمہ را بود ھمین حال

اس مرحلہ پر جب کہ زمانے نے مجھے قدرے فرصت سے نوازا تو میں نے اپنی زندگی کے گونا گوں اوقات کا ایک حصہ چرالیا جس سے میرے اس مقصد میں نئی جان آ گئی اور میرا ارادہ زیادہ مستحکم ہو گیا۔ چونکہ ماضی ہمیشہ مستقبل پر اثر انداز رہا ہے بقول شاعر

اگر دہقان نہ خرمن کند پاک
گذارد حصہ گنجشک در خاک

میں نے بھی مناسب سمجھا کہ ہندستان کے صاحب استقلال سلاطین کے حالات قلم بند کروں، چنانچہ تاریخ مبارک شاہی 6 اور نظام التواریخ 7 دونوں کو پیش نظر رکھا۔ کچھ مواد اس سے اخذ کیا اور کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا۔ میری اس تصنیف کو ان دونوں تاریخوں سے وہی نسبت ہے جو قطرہ کو بحر ذخار سے اور حباب کو تیز و تند طوفان سے، میں نے اپنی اس تصنیف میں حد سے زیادہ اختصار سے کام لیا ہے اور استعارات سے بھی احتراز کیا ہے۔ چنانچہ اس مجموعہ کا نام میں نے ''منتخب التواریخ'' رکھا جس کا مقصد وحید یہ ہے کہ بادشاہان اسلام کے فرخندۂ فرجام ناموں کو باقی رکھا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس مؤلف کی ایک یادگار بھی اس سرائے مستعار میں رہ جائے۔ امید ہے کہ یہ ناتمام تالیف آخرت میں میری مغفرت کا موجب ہوگی نہ باعث اضافہ گناہ:

تو ای بلبل چو بخرامی درین باغ
بہر لحنی تگیری نکتہ بر زاغ

چونکہ میری اس تحریر کا مقصد دیانت اور ایمانداری کا پرچم بلند کرنا ہے، اگر اتفاقاً کوئی سہو اور لغو الفاظ زبان قلم پر آجائے تو امید ہے کہ حق سبحانہ تعالی اسے اپنے کرم عمیم سے درگذر کرے گا اور بخش دے گا:

بہ بد گفتن زبان من مگردان
زبان من زیان من مگردان

چونکہ محمد بن قاسم (چچا زاد بھائی اور داماد حجاج بن یوسف ثقفی) بلاد سندھ، ملتان اور گجرات فتح کرنے کے بعد ولید بن عبدالملک مروانی کے حکم نامہ کی تعمیل میں شہراودے پور سے روانہ ہوا تھا، اور راستے ہی میں اپنے آپ کو چرم 8 خام میں سلوا کر جان بحق تسلیم ہو گیا تھا۔ اس لیے ہندستان کے مفتوحہ شہروں میں احکام اسلامی کی ترویج اور پابندی کا انتظام نہ ہوسکا۔ یہ سعادت ناصرالدین سبکتگین اور اس کے فرزند سلطان محمود غزنوی ہی کو نصیب ہوئی کہ انھوں نے نہ صرف ہندستان کو فتح کیا بلکہ اسلام کا جھنڈا بھی اس سرزمین پر بلند کیا اور احکام اسلامی کی ترویج اور پابندی کا انتظام کیا۔ سلطان محمود غزنوی جو ہر سال غزوہ اور جہاد کی نیت سے ہندستان آتا تھا، اس کی اولاد نے لاہور کو پایہ تخت بنایا۔ یہاں تک کہ ان علاقوں میں اسلام کے پیر مضبوطی سے جم گئے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی ابتدا اس سلطان عاقبت محمود سے کی جائے جس کی ابتدا بھی مسعود تھی اور انتہا بھی محمود۔ والله خير الناصرين و المعين۔

غزنوی عہد حکومت

سلطان ناصرالدین سبکتگین سے خسرو ملک تک

سرزمین ہند پر اسلامی حکومت کا بانی جس نے دہلی فتح کرنے سے قبل ہی اسلام کا ڈنکا بجا دیا۔

عہد حکومت 367ھ /79-978ء سے 582ھ/ 87-1186ء تک

سلطان ناصرالدین کا تعلق ترک نسل سے تھا اور الپتگین کا غلام، مزید الپتگین خود امیر منصور 9 بن نوح سامانی کا غلام تھا۔ الپتگین کے فرزند ابواسحاق کی وفات کے بعد افواج اور رعایا کی متفقہ رائے سے سبکتگین تخت نشین ہوا۔ اس نے پرچم فتح و نصرت بلند کیا اور غزوہ و جہاد کے جذبۂ بے پناہ سے وہ کوہ جود 10 کے راستہ عازم ہندستان ہوا اور راجہ جے پال کے ساتھ جو اس وقت ہندستان کا ایک فرماں رواں تھا، ایک عظیم جنگ لڑی مگر اس جنگ کا انجام باہمی مصالحت پر ہوا۔ بعد میں راجہ جے پال نے عہد شکنی کی اس لیے سبکتگین نے

دوبارہ ایک لاکھ سوار اور بے شمار کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ اس پر چڑھائی کی اور لمغانات 11 کے نواح میں طرفین کی فوجوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی۔ اس بار بھی نسیم ظفر مندی ناصر الدین سبکتگین کے پرچم کی طرف چلی اور راجہ جے پال نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ اس لمغانات کا تمام علاقہ سبکتگین کے قبضہ میں آیا، اس کے نام کا خطبہ ہر طرف پڑھا گیا اور اسی کا سکہ بھی جاری ہوا۔ پھر وہ یہاں سے لوٹا اور امیر نوح بن منصور سامانی کی مدد کو خراسان اور ماوراء النہر کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں کی عظیم فتوحات اسی کی مرہون منت تھیں۔ اس نے ماہ شعبان 387ھ / 997ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے بیس سال تک حکومت کی۔

یمین الدولہ سلطان محمود بن ناصر الدین سبکتگین

غزنی کے راستے ہی میں جب ماہ شعبان 387ھ /998ء میں سبکتگین نے داعی حق کو لبیک کہا۔ اس سے قبل سبکتگین اپنے فرزند اسمٰعیل کو اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا۔ جب اس بات کی خبر محمود کو ملی تو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو تعزیتی خط لکھا جس میں بطور مصالحت یہ تجویز بھی پیش کی کہ وہ غزنی کا علاقہ محمود کے حوالے کر دے اور اس کے عوض بلخ کی گورنری قبول کر لے۔ اسمٰعیل نے اس سے صاف انکار کر دیا، چنانچہ دونوں بھائیوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ محمود کو فتح نصیب ہوئی اور اسمٰعیل چھ ماہ تک ضلع بدر رہا۔ آخر اس خاندان کے چند خیر خواہوں نے بیچ میں پڑ کر دونوں بھائیوں میں صلح کرادی۔ اسمٰعیل خود محمود کے پاس گیا اس کے بعد حکومت یمین الدولہ سلطان محمود کے ہاتھ آئی۔ اس اثناء میں سلطان محمود اور امیر منصور بن نوح سامانی اور اس کے بھائی عبدالملک بن نوح سامانی کے درمیان کشیدگی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ جنگ کی نوبت آ گئی۔ عبدالملک کے ساتھی، امراء، اور فائق بھی میدان جنگ میں اتر آئے، مگر ان میں سے کوئی بھی سلطان محمود کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ ہر ایک نے شکست کھائی اور غزنی سے لے کر خراسان اور حدود ہندستان کی تمام سلطنت سلطان محمود کے قبضے میں آئی۔ چونکہ اس کی ماں رئیس زابل (قندھار) کی دختر تھی اس لیے اسے بھی محمود زابلی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فردوسی بھی شاہنامہ

میں لکھتا ہے:

خجستہ درگہ محمود زابلی دریاست
چگونہ دریا کا نرا کنارہ پیدا نیست
شدم بدریا، غوطہ زدم، ندیدم دُر
گناہ بخت من است این گناہ دریا نیست

حکومت کے ابتدائی ایام میں خلیفۂ بغداد القاضی باللہ عباسی اور سلطان محمود کے درمیان کسی وجہ کی بنا پر تلخ اور ناگوار خط و کتابت شروع ہوگئی۔ خلیفہ عباس نے اسے بڑی تدبیر سے ختم کیا۔ چنانچہ اس نے ایک خلعت فاخرہ اور دیگر بیش بہا تحائف و جواہر کے ساتھ سلطان محمود کے لیے بھیجے اور اُسے ''امیر الملت یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا۔'' سلطان محمود 387ھ /997ء میں غزنی سے بلخ اور ہرات پہنچا اور وہاں کے اختلافات حل کرنے کے بعد واپس غزنی آیا۔ اس کے بعد متعدد بار ہندستان پر چڑھائی کی اور چند قلعے فتح کیے۔ عسجدی نے انہی اطراف کے ایک سفر میں یہ قصیدہ لکھا تھا:

چون شاہ خسروان سفر سومنات کرد
کردارِ خویش را علم معجزات کرد

ماہ شوال 391ھ /1000ء میں سلطان محمود نے غزنی سے ہندستان کا رخ کیا۔ اس کے ہمراہ دس ہزار سوار تھے۔ سب سے پہلے اس نے پشاور فتح کیا، پھر انہی حدود پر اس کا مقابلہ راجہ جے پال سے ہوا جو بے شمار سوار اور پیادہ لشکر اور تین سو ہاتھیوں کے ساتھ مقابلے میں آیا۔ دونوں طرف سے خوب دادِ شجاعت دی گئی مگر آخر کار سلطان محمود کو فتح نصیب ہوئی۔ راجہ جے پال اپنے پندرہ رشتہ داروں کے ساتھ گرفتار ہوا جن میں اس کے بھائی اور بیٹے بھی شامل تھے۔ اس معرکے میں پانچ ہزار لوگ جان بحق ہوئے اور مالِ غنیمت کی ایک کثیر مقدار فاتحین کے ہاتھ آئی۔ راجہ جے پال کے گلے کا ہار جس کی قیمت

ایک لاکھ اسی ہزار دینار کے قریب تھی، اس کے علاوہ اس کے دوسرے رشتہ داروں کے گلے کے بیش قیمت ہار بھی اس میں شامل تھے۔ سلطان محمود کو یہ فتح بروز ہفتہ 8/محرم الحرام 392ھ مطابق 1001ء کو نصیب ہوئی۔ یہاں سے وہ تبر ہندہ 12 کی جانب بڑھا، یہ مقام راجہ جے پال کی قیام گاہ تھی محمود نے اسے فتح کر لیا۔

اس کے بعد پھر ماہ محرم 393ھ/03-1002ء میں وہ غزنی سے براہ سیستان عازم ہندستان ہوا اور ملتان کے نواح میں بھاتیہ 13 جہاں کے راجہ بجے رائے نے، اس کی آمد کی خبر پاتے ہیں ڈر کے مارے اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کر لیا۔ اس کا سر سلطان محمود کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔ سلطان محمود کو دو سو ستر ہاتھی مال غنیمت میں ہاتھ آئے۔ داؤد بن 14 نصر ملحد حاکم ملتان نے بھی خائف ہو کر اطاعت قبول کر لی اور سالانہ بیس مرتبہ بیس بیس ہزار درہم تاوان دینے کا وعدہ کیا۔ سلطان محمود جس وقت ملتان کی جانب بڑھ رہا تھا تو راجہ جے پال کے بیٹے انند پال سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی تھی مگر جنگ کے بعد وہ کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان 15 محمود اس کے بعد بہ راستہ ملتان 16 پہنچا یہ واقعہ 396ھ/06-1005 میں پیش آیا۔

اس کے اگلے ہی سال 397ھ/7-1006 میں سلطان محمود اور ماوراء النہر کے بادشاہ ایلک خان کے مابین جنگ ہوئی جس میں سلطان محمود غالب آیا اور 403ھ/1012ء میں ایلک خان کی وفات ہوگئی۔

398ھ/1007ء میں سلطان محمود ترکستان میں داخل ہوا اور ترکوں کے جھگڑے سے فارغ ہو کر اس نے سندھ کے راجہ سکھ پال نورسہ شاہ کا تعاقب کیا۔ وہ گرفتار ہوا اور قید میں ہی مر گیا۔ یہ وہی راجہ سکھ پال تھا جس نے ایک بار اسلام قبول کر لیا تھا اور اسی بنا پر اسے ابو علی سجزی کی قید سے رہا بھی کیا گیا تھا مگر وہ دوبارہ اہل شرک وارتداد میں شامل ہوگیا۔

399ھ/1008ء میں سلطان محمود نے پھر ہندستان کا رخ کیا اور راجہ انند پال کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی جس میں راجہ انند پال ہار گیا اور بے حد وحساب مال غنیمت سلطان محمود کو ملا جسے وہ اپنے ساتھ لے کر قلعہ بھیم نگر 17 میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا اور

وہاں کے خزانوں اور دیگر قیمتی چیزوں پر قبضہ کرلیا۔ جو بھیم کے زمانہ سے مدفون اور محفوظ تھے۔ 400ھ/1009ء میں اس نے حکم دیا کہ سونے اور چاندی کے وہ تمام تخت بے اندازہ دولت اور کثیر اموال غنیمت جسے وہ ہندستان سے لایا تھا دربار میں پیش کیے جائیں۔ چنانچہ سونے چاندی کے تخت دربار میں بچھائے گئے اور تمام مال ودولت کو اوپر نیچے رکھ کر اس کی نمائش سے اصل مقصد لوگوں کو مرعوب کرنا تھا۔

401ھ/1010ء میں سلطان محمود نے پھر غزنی سے ملتان کا قصد کیا، اور اس علاقہ کے باقی ماندہ حصے پر بھی قابض ہوگیا۔ اس نے یہاں کے بہت سے قرامطہ 18 اور ملاحدہ کو بھی موت کے گھاٹ اُتارا اور جو بچ رہے انھیں قلعہ میں بند کردیا یہاں تک کے وہ مر گئے۔ داؤد بن نصر حاکم ملتان کو غزنی لے جاکر قلعہ غوری (غورک) میں مقید کردیا اور وہ اسی کے اندر مرگیا۔ 402ھ/1011ء میں سلطان محمود نے تھانیسر کا عزم کیا اور راجہ جے پال ثانی پچاس ہاتھی اور دیگر اموال وتحائف بطور نذرانہ لے کر پیش ہوا مگر سلطان محمود نے اسے قبول نہ کیا۔ اس لیے کہ تھانیسر بتوں اور مندروں کی وجہ سے مشہور تھا اور سلطان محمود کے پیش نظر بھی (صرف بت شکنی) تھی اور وہ اسی مقصد سے یہاں آیا بھی تھا جس کی حفاظت کی خاطر بے شمار ہندوؤں نے اپنی جانیں دیں۔ سلطان محمود اس بت کو اٹھوا کر غزنی لے گیا اور حکم دیا کہ اسے دربار کے آستانے پر رکھ دیا جائے تاکہ لوگ اس کے اوپر سے چل کر گزریں اور اسے پامال کریں۔ اس میں سے ایک بت چکرسوم نامی 19 تھا۔

403ھ/1012ء میں سلطان محمود نے گرجستان فتح کیا۔ اسی سال ایک قاصد عزیز مصر کی طرف سے آیا اور جب سلطان کو معلوم ہوا کہ قاصد مذکور کا تعلق فرقہ باطنیہ سے ہے تو ذلت کے ساتھ اسے واپس کردیا۔

404ھ/1013ء میں سلطان محمود نے شہر بندنہ 20 پر لشکر کشی کی۔ یہ شہر بال ناتھ کے پہاڑوں میں واقع تھا۔ راجہ جے پال ثانی نے کچھ فوج اس قلعہ کے دفاع کے لیے مقرر کی اور خود درۂ کشمیر کی جانب چلا گیا۔ چنانچہ سلطان محمود نے یہ قلعہ بڑی آسانی سے مسخر کرلیا اور اس کی نگرانی اور حفاظت کا کام ساریغ کوتوال کے سپرد کر کے خود راجہ جے پال ثانی کے

تعاقب میں نکلا اس کوہستانی علاقے سے اس کے ہاتھ کثیر مال ودولت آیا، بے شمار دشمن تہ تیغ ہوئے اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی اور کچھ کو قیدی بنا کر غزنی روانہ کیا گیا۔

406ھ/1015ء میں سلطان محمود پھر کشمیر کی تسخیر کے لیے نکلا اور موہر کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر جلد ہی اسے اس محاصرہ سے دست کش ہونا پڑا اس لیے کہ برف باری اور بارش کی زیادتی نے اسے پریشان کر دیا تھا اور کشمیریوں کو پیچھے سے مسلسل کمک بھی پہنچ رہی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی پوزیشن پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔ غزنی واپس جا کر سلطان محمود نے اپنی ہمشیرہ کا عقد ابوالعباس شاہ ابن مامون خوارزم شاہ کے ساتھ کر دیا اور اپنی ہمشیرہ کو اس کے پاس بھیج دیا۔

407ھ/1016ء میں کچھ بدمعاشوں اور دیگر انتہا پسندوں نے مل کر سلطان محمود کے بہنوئی ابوالعباس شاہ کو قتل کر دیا۔ جب سلطان محمود کو اس کی اطلاع ملی تو وہ غزنی سے بلخ اور پھر وہاں سے خوارزم پہنچا اور وہاں کے سپہ سالار سے اس کی خونریزی جنگ ہوئی جس میں سلطان محمود کو فتح ہوئی اور اس نے اس علاقہ کی حکومت پر التون تاش کو مقرر کیا اور اسے خوارزم شاہ کا خطاب عطا کیا اس سے اس نے اپنے بہنوئی کے قاتلوں کی خبر لی اور ان کا صفایا کر کے غزنی واپس آ گیا۔ 408ھ/1017ء میں قنوج پر قبضہ کرنے کی غرض سے سلطان محمود غزنی سے روانہ ہوا اور ہندستان کے سات خوفناک دریاؤں کو عبور کر کے جب وہ قنوج پہنچا تو یہاں کے فرمانروا کورہ 21ے نے بلا چوں وچرا اطاعت قبول کر لی، تحفہ پیش کرنے اور جان کی بخشش کی اجازت مانگی۔ اس کے بعد سلطان محمود نے قلعہ برنہ 22ے کا رخ کیا جہاں کے حکمراں بروت نے جب یہ سنا تو قلعہ اپنے عزیزوں کے سپرد کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ اہل قلعہ نے بھی جب یہ دیکھا کہ وہ مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تو ڈیڑھ لاکھ روپیہ اور تیس ہاتھی بطور نذرانہ پیش کیے اور پناہ چاہی۔ یہاں سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے قلعہ مہاون 23ے پہنچا۔ جہاں کے حاکم کل چندر کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے ہاتھی سواروں کو حکم دیا کہ وہ اسے دریا کے پار بھگا کر لے چلیں۔ اسی اثناء میں سلطان محمود بھی مع

اپنے لشکر کے آ پہنچا، خوف کے مارے کل چندر نے اپنی تلوار سے خودکشی کرلی ۔ رفت بدوزخ ہم از آن راہ آب

زیستن چون بکام خصم بود
مُردن از زیستن بسی بہتر

قلعہ قنوج سر کرتے وقت 85 ہاتھی اور بے شمار مال غنیمت غازیوں کے ہاتھ آیا تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود شہر متھرا کی جانب بڑھا۔ یہ شہر ہندوؤں کی پاک جگہوں میں سے ایک تھا ان کے مطابق یہ شہر کرشن بن بامن دیو کی جائے پیدائش تھی جسے ہندو خدا مان کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ یہاں اتنے معبد (مندر) تھے کہ اسے کفر کی کان کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس شہر کو سلطان نے بغیر جنگ کیے پامال کیا اور بے شمار مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ یہاں سونے کا ایک بُت بھی تھا جسے سلطان محمود کے حکم سے توڑ ڈالا گیا۔ اس بُت کا وزن 993 مثقال اصلی سونا تھا اور یاقوت کا ایک ٹکڑا بھی اس میں ایک جگہ پیوست تھا جس کا وزن 450 مثقال تھا۔ ایک کوہ پیکر ہاتھی جو ہندستان کے راجاؤں میں سے ایک راجہ گوبند چند کی ملکیت تھا۔ سلطان محمود نے اس کی شہرت سُن رکھی تھی اور اس کے دل میں اس کو خریدنے کی تمنا تھی مگر وہ کسی طرح پوری نہیں ہوتی تھی۔ اسے حسن اتفاق کہیے کہ ایک دن وہی ہاتھی بغیر فیل بان خیمۂ شاہی میں داخل ہوا اسے دیکھ کر سلطان محمود کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، چنانچہ اس نے اس کا نام اسی مناسبت سے خداداد رکھا۔ اس یلغار کے بعد جب سلطان محمود غزنی پہنچا تو اس کے ساتھ 2 کروڑ 53 ہزار درہم اور ساڑھے تین سو سے زیادہ ہاتھی مال غنیمت کے طور پر تھے۔

410ھ/ 1019ء میں سلطان پھر ہندستان پر حملہ آور ہوا اور کالنجر کے راجہ نندا سے دریائے جمنا کے کنارے اس کا سخت مقابلہ ہوا۔ راجہ نندا کے پاس 45000 پیادہ فوج اور 640 ہاتھی تھے اس نے راجہ قنوج کو بھی اس لیے قتل کردیا تھا کہ اس نے سلطان محمود کی

اطاعت قبول کر لی تھی اور راجہ جے پال جو کئی بار سلطان محمود سے شکست کھا کر بھاگا تھا اس کی بھی مدد کی تھی مگر اتنے لاؤ لشکر کے باوجود سلطان محمود کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور ڈر کے مارے اپنا جملہ ساز و سامان چھوڑ کر چند خاص مصاحبوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ جب سلطان شہر میں داخل ہوا تو اسے شہر خالی ملا۔ فوج اور دیگر حفاظتی دستوں کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا، چنانچہ اسے خوب لوٹا۔ پھر اس کے بعد راجہ نندا کا تعاقب کرتے ہوئے جب عساکر سلطانی ایک جنگل میں پہنچی تو وہاں 580 ہاتھی اس کے ہاتھ آئے۔ سلطان محمود یہ تمام تر مال ودولت لے کر غزنی پہنچا۔ اس مہم میں اکثر بڑے شہروں پر محمود نے قبضہ کر لیا اور لوگوں نے اسلام مذہب کو دل کھول کر قبول کیا۔

412ھ/ 1021ء میں سلطان محمود ایک بار پھر کشمیر پر حملہ آور ہوا اور ایک ماہ تک اس نے قلعہ موہر کوٹ کا محاصرہ کیا مگر وہ اتنا مستحکم تھا کہ فتح نہ ہو سکا۔ سلطان محمود اسے چھوڑ کر لاہور کی جانب روانہ ہوا اور موسم بہار کے شروع ہوتے ہی غزنی لوٹ گیا۔

413ھ/ 1022ء میں سلطان محمود نے پھر راجہ نندا کے علاقہ کا رخ کیا اور جب قلعہ گوالیار پہنچا تو بغیر کسی رکاوٹ کے وہ فتح ہو گیا اور وہاں کے حاکم سے نذرانہ قبول کرنے کے بعد سلطان محمود نے پھر اسی کو حاکم مقرر کیا۔ اس نذرانہ میں 35 ہاتھی شامل تھے۔ یہاں سے کالنجر پہنچا جہاں کے حکمراں راجہ نندا نے تین سو ہاتھی کی پیش کش کی اور جان کی امان مانگی۔ اس کے علاوہ راجہ نندا نے ہندی زبان میں ایک قصیدہ بھی سلطان کی مدح میں بھجوایا۔ جسے سلطان اپنے ملک کے دانشور اور ہندستان کے دانشوروں کو سنایا۔ سب نے اسے بے حد پسند کیا اور سلطان محمود کو خود بھی اس پر فخر و ناز تھا چنانچہ اس کے صلے میں اس نے راجہ نندا کو پندرہ قلعوں کا حکمراں مقرر کر دیا۔ راجہ نندا نے بھی سلطان محمود کے حضور بے حساب زر مال اور جواہر ہدیہ بھیجے۔ اس مہم سے سلطان خوشی خوشی غزنی واپس پہنچا۔

414ھ/1023ء میں سلطان محمود نے اپنی عساکر قاہرہ کا اور ان لشکروں کا جو اطراف میں متعین تھے محاسبہ کیا تو یہ سب 54 ہزار سوار اور تیرہ سو ہاتھی احاطۂ تحریر میں آئے۔

415ھ/ 1024ء میں سلطان محمود بلخ پہنچا۔ جب اس نے دریائے جیحون پار کیا تو ماوراء

النہر کے سردار اس کے استقبال کو آئے اور یوسف قدرخان جو پورے ترکستان کا حکمراں تھا وہ بھی آیا اور سلطان محمود کی ملاقات سے فیض یاب ہوا۔ ایک محفل جشن آراستہ کی گئی اور دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو تحفے اور نذرانے پیش کیے۔ علی تگین کے ہاتھوں ماوراء النہر کے عوام سخت پریشان تھے۔ جب اسے سلطان محمود کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر تعاقب کر کے اسے گرفتار کرلیا گیا اور ہندستان کے ایک قلعہ میں بند کردیا گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود واپس غزنی پہنچا اور موسم سرما وہیں گزارا۔

سلطان محمود نے ایک بار پھر سومنات کی جانب لشکر کشی کی۔ سومنات بحر ہند کے کنارے ایک بڑا شہر ہے جہاں برہمنوں کا معبد ہے۔ ان کا معبود ایک بہت بڑا بُت ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے سونے کے بت ہیں۔ اگر چہ بعض مورخوں نے اس بڑے بت کا نام منات لکھا ہے اور اس کے بارے میں یہ خیال آرائی بھی کی ہے کہ یہ ویسا ہی بت ہے جیسا کہ مشرکین عرب حضرت محمدؐ کے عہد رسالت میں ہندستان کے ساحل پر لائے تھے۔ مگر یہ بات ہمارے نزدیک بے بنیاد ہے اس لیے کہ ہندستان کے برہمنوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ یہ بت کرشن کے وقت سے اسی جگہ موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے چار ہزار سال کے قریب ہو چکے ہیں اور اس کا نام بھی ہندی زبان میں سو بھا 24 ناتھ یعنی خالق حسن ہے۔ اس غلطی کی وجہ غالبا یہ ہے کہ ان دونوں ناموں میں کافی مشابہت ہے۔ اس مہم میں سلطان محمود نے پہلے پٹن 25 فتح کیا جو نہر والہ کے نام سے مشہور ہے اور گجرات میں واقع ہے۔ جہاں سے خاصا سامان رسد لے کر وہ سومنات پہنچا۔ اس کے پہنچتے ہی اہل قلعہ نے دروازہ بند کردیا جس کی پاداش میں قلعہ مفتوح ہونے پر ان کو سخت خمیازہ برداشت کرنا پڑا۔ اس بڑے بُت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے غزنی بھیجے گئے جہاں انھیں جامع مسجد کے دوروازے پر رکھ دیا گیا اور لوگ آتے جاتے اسے پامال کرنے لگے۔ واپسی کے وقت بیرم دیو سلطان محمود کی راہ میں حائل ہوا۔ اس کا شمار ہندستان کے بڑے حکمرانوں (راجاؤں) میں ہوتا تھا مگر سلطان محمود نے مصلحتاً اس سے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور راستہ بدل کر سندھ کی جانب چلا اور ملتان پہنچا۔ یہاں خوراک اور پانی کی قلت کے باعث فوج کو بڑی

تکلیف اٹھانی پڑی۔ جس کی وجہ سے قیام کیے بغیر وہ واپس غزنی چلا گیا۔

417ھ/1026ء میں خلیفہ القادر باللہ نے نامہ نیابت کے ساتھ حکومت خراسان، ہندستان، نیمروز اور خوارزم کا علَم (جھنڈا) بھی سلطان محمود کو بھیجا اور اس کے بھائیوں اور فرزندوں کو مختلف خطابات سے نوازا۔ سلطان محمود کو ''کہف الدولہ والاسلام'' اس کے فرزند اکبر امیر مسعود کو شہاب الدولہ و جمال الملت اور چھوٹے بھائی امیر محمد کو جلال الدولہ اور امیر یوسف کو عضدالدولہ وغیرہ کے خطابات عنایت فرمائے۔ اسی سال ملتان کے جاٹوں نے سر اٹھایا تو انکی سرکوبی کے لیے سلطان محمود نے ملتان پر چڑھائی کی۔ جاٹوں کے پاس چار ہزار کشتیاں تھیں اور بعض کے مطابق ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ ان کشتیوں میں جاٹ فوج کے اہل و عیال بھی تھے۔ عین دریا میں گھسان کی لڑائی ہوئی۔ جاٹوں کی بہت سی کشتیاں غرقاب ہوگئیں اور جو لوگ بچ گیے وہ سب تلوار کا لقمہ بنے۔ جاٹوں کے اہل وعیال گرفتار ہوئے۔ اس شکست کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو سلطان محمود کی کشتیوں کی تعداد مقابلتًا زیادہ تھی دوسرے اس نے لڑائی بڑی حکمت عملی سے لڑی۔ اس لڑائی سے سلطان محمود مظفر و منصور غزنی لوٹا۔

418ھ/1027ء میں وہ بادرد کی جانب روانہ ہوا اور اس شہر کے ترکوں کا قلعہ برباد کرنے کے بعد رَے پہنچا اور اس علاقہ کے خزانوں اور دیگر قیمتی چیزوں پر قبضہ کرلیا اور چھوٹے چھوٹے مذاہب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس کے بعد وہ اصفہان کو اپنے بیٹے اکبر امیر مسعود کے سپرد کر کے غزنی واپس چلا گیا جہاں اس نے ابھی زیادہ دن قیام نہیں کیا تھا کہ مرض دق میں مبتلا ہوگیا، روز بروز کمزور ہوتا گیا تاہم اپنے آپ کو تندرست اور طاقتور ظاہر کرنے کو کوشش کرتا۔ مرض کی حالت میں وہ بلخ بھی گیا اور موسم بہار میں وہ وہاں سے واپس آیا مگر اس مرتبہ اس کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا اور آخر کار بروز منگل 23/ربیع الاول 421ھ/1030ء کو وفات پائی اور غزنی میں دفن ہوا۔ اس کی عمر 60 سال تھی اس نے 31 سال تک حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود نزع کی حالت میں تھا تو اس نے حکم دیا کہ خزانے کے تمام مال ودولت اور تحائف ونوادر اس کے سامنے لائے جائیں چنانچہ اس

کی تعمیل کی گئی اور اس نے جملہ املاک کی طرف بار بار حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور آہیں بھرتا رہا مگر ایک چھدام بھی کسی کو دینے کے لیے نہ کہا۔ سلطان محمود نے بارہ مرتبہ ہندستان پر چڑھائی کی اور ہر مرتبہ وہ بے پناہ دولت کے ساتھ لوٹا۔ انما صبابہ عند ربہ اور فردوسی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا مشہور خاص و عام، چنانچہ عارف جامی لکھتا ہے:

خوش است قدر شناسی کہ چون خمیدہ سپر
سہام حادثہ را کرد عاقبت طوسی
گزشت شوکت محمود ودر زمانہ نماند
جزاین فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی

تذکرۂ محمد عوفی میں بھی یہ اشعار سلطان محمود سے منسوب ہیں:

زبیم تیغ جہان گیرد گرز قلعہ کشاء
جہان مسخر من شد چومن مسخر رائی
گہی بفرد بدولت ھمی نشستم شاد
گہی بحرص ھمی رفتی زجائی بجائی
گہی تفاخری کردم کہ من کسی ھستم
کنون برابری بینم ھمی امیرو گدائی
ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست
بی مصاف شکستم بیک فشردن پائی
چو مرگ تاختن آورد ھیچ سوٗد نداشت
بقابقائی خدای است وملک ملک خدائی

سلطان محمد بن سلطان محمود غزنوی لقب جلال الدولہ

مذکورہ سن 421ھ میں اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اور اسی کے ایک رشتہ دار ابن ارسلان کی رائے سے غزنی میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ ابھی ڈیڑھ ماہ ہی گزرا تھا کہ امیر ایاز نے بعض دوسرے ملازمین کے ساتھ مل کر سازش کی اور وہ سب کے سب شاہی اصطبل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہاب الدین مسعود کے پاس ملازمت کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ شہاب الدین مسعود اصفہان میں تھا جہاں پہنچنے کے لیے انھوں نے نبط کا راستہ اختیار کیا۔ امیر محمد نے سوندھی رائے نامی ایک ہندو کو بے شمار لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا، مگر امیر ایاز جنگ میں اس پر غالب آیا۔ اس نے سوندھی رائے کو ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ قتل کر دیا۔ ان کے سر کاٹ کر امیر محمد کے پاس بھیج دیے اور خود نیشا پور میں امیر مسعود کے ساتھ جاملا۔ چار ماہ بعد امیر محمد نے اپنے خیموں کو بسط کی جانب منتقل کر دیا اور پوری جمعیت کے ساتھ اپنے بھائی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلا۔ جب تگین آباد پہنچا تو تمام امراء اسی سے برگشتہ ہو گئے اور اسے اندھا کر کے جرستان کے علاقے کے قلعہ تیج میں ڈال دیا۔ اس کے بعد تمام جوانوں اور خزانوں کے ساتھ وہ ہرات میں امیر مسعود کے ساتھ جا ملے۔ اندھے سلطان محمد نے صرف پانچ ماہ حکومت کی مگر بقول قاضی بیضاوی 14 سال کی، جس میں سے نو سال اس نے قید میں گزارے، واللہ اعلم۔

صاحب لُب التواریخ لکھتا ہے کہ محمد ابن محمود نے پہلے پہل اپنے باپ کی زندگی میں چار سال بادشاہی کی تھی اس کے بعد نو سال قید میں رہا اور اپنے بھائی مسعود کے قتل کے بعد اس نے ایک سال اور حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا:

امیری راکہ بر قدمش ہزاران پاسبان بینی
کنون برقبہ گورش کلاغان پاسبان بینی
سرِ اسپ ارسلان دیدی زرفعت رفتہ برگردون
بہ مرو آقا بخاک اندر تن اسپ ارسلان بینی

شہاب الدولہ سلطان مسعود بن محمود غزنوی

سلطان محمود کے امیروں اور وزیروں کی متفقہ رائے سے وہ تخت نشین ہوا اور ہرات سے بلخ جا کر اس نے موسم سرما گزارا۔ احمد ابن حسن میمندی کو سلطان محمود نے قلعہ کالنجر میں قید کر رکھا تھا، اسے بلا کر اپنا وزیر بنایا۔ پھر بلخ سے غزنی واپس آیا اور وہاں سے اصفہان اور رے کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ جب ہرات پہنچا تو ترکمان سے مقابلہ ہوگیا، ان سے شکست کھائی اور غزنی واپس چلا گیا۔ اس کی کمزوری کے باعث ترکمان روز بروز دلیر ہوتے گئے، ان کے حوصلے حد سے زیادہ بڑھ گئے جس کا ثبوت آئندہ کے واقعات سے ملے گا۔

423ھ/1032ء میں احمد بن حسن میمندی کا انتقال ہوگیا اور 424ھ/1033ء میں سلطان مسعود ہندستان کی تسخیر کے عزم سے براستہ قلعہ سرتی روانہ ہوا۔ یہ قلعہ کشمیر میں واقع ہے۔ سب سے پہلے اس نے اس کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کرلیا۔ کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا جسے لے کر وہ غزنی لوٹ گیا425ھ/1034ء میں سلطان مسعود نے آمل 26؎اور ساری 27؎ کو تسخیر کیا اور کالنجر اور طبرستان تک اپنے قاصد بھیجے تاکہ ہر جگہ اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اسی کا سکہ رواں ہو۔ تغدی بیگ اور حسین ابن علی ابن میکائل کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ نیشاپور سے بھیجا تاکہ وہ ترکمان کی سرکوبی کریں۔ فریقین میں سخت جنگ ہوئی۔ حسین قید ہوگیا اور تغدی بیگ بھاگ گیا اور سلطان مسعود کے پاس پہنچ گیا۔

امیر احمد نہال 28؎ تگین، خازن سلطان محمود کو کسی قصور میں سزا دی گئی تھی، اسے بلا کر ہندستان بھیجا مگر یہاں آکر اس نے علم بغاوت بلند کردیا۔ سلطان مسعود نے ایک ہندو جرنیل 29؎ ناہر کو اس کے مقابلہ کے لیے نامزد کیا۔ امیر احمد مقابلے کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے بھاگ کر منصورہ 30؎ سندھ پہنچا اور غرقاب ہوگیا۔ اس کا سر کاٹ کر غزنی بھیج دیا گیا۔

427ھ/1036ء میں ایک نیا محل تعمیر ہوا جس میں جواہرات سے جڑے تخت لگائے گئے تھے، اس پر ایک جواہر جڑا تاج بھی لگا تھا۔ سلطان مسعود اس تخت پر جلوہ افروز ہوا، سر پر وہی تاج پہنا اور رعایا کو باریابی بخشی۔ اسی سال اس نے اپنے فرزند امیر مجدود کو طبل وعلم

کے اعزاز کے ساتھ بلخ بھیجا اور خود ہندستان کی جانب روانہ ہوا۔ سب سے پہلے قلعہ ہانسی 31؎ فتح کیا پھر قلعہ سون پت 32؎ پہنچا جہاں کا حاکم دیپال بھاگ کر جنگل میں جا چھپا اور قلعہ بغیر کسی دقت کے فتح ہوگیا۔ یہاں سے کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا اور دیپال کی فوج کی ایک بڑی تعداد مسعودی عساکر کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ پھر سلطان مسعود آگے بڑھا تو وادیٔ رام میں داخل ہوا، جہاں کے حاکم رام نے بہت ساز و مال نذرانے کے طور پر بھیجا، ساتھ ہی ایک عرضداشت کے ذریعہ اپنی غیر حاضری کی معذرت بھی کی۔ امیر مسعود نے اس کی معذرت قبول کرلی۔ اس کے بعد اس نے اپنے فرزند امیر مودود کو طبل وعلم کے اعزاز کے ساتھ لاہور بھیجا اور خود غزنی کی طرف مراجعت کی۔

428ھ/ 1037ء میں سلطان مسعود اس ارادے سے بلخ روانہ ہوا کہ ترکمانوں کو قرار واقعی سزا دے۔ جب ترکمانوں نے اسکی آمد کی خبر سنی تو وہ بلخ چھوڑ کر اس کے اطراف ونواح میں پناہ گزین ہوگئے اور سلطان مسعود دریائے جیحون سے گزر کر تمام ماوراء النہر پر مسلط ہوگیا۔ داؤد ترکمان جس نے تغدی بیگ اور امیر حسین کو اس سے قبل شکست دی تھی پوری جمعیت کے ساتھ بلخ کی جانب روانہ ہوا۔ اس درمیان میں سلطان مسعود بھی وہاں پہنچ گیا۔ داؤد ترکمان ابھی مرو میں تھا کہ یہ اطلاع آئی کہ تغدی بیگ نے گورگان کے نواح میں ظلم وستم برپا کررکھا ہے۔ سلطان مسعود نے جب یہ دیکھا تو حکم دیا کہ اسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ سلطان مسعود نے اس قبیلہ کے سردار بیغو ترکمان سے بھی اس امر کا عہد لیا کہ آئندہ وہ کسی قسم کی ناشائستہ حرکات کا مرتکب نہیں ہوگا اور اس کے لیے مناسب حدود مقرر کرکے سلطان مسعود ہرات چلا گیا۔ راستے میں ترکمان کی ایک جماعت اس پر حملہ آور ہوئی، اس نے سلطان مسعود کے ہمراہیوں میں سے چند ایک کو قتل کردیا اور سامان لوٹ لیا۔ سلطان مسعود نے اس کا بدلہ لینے کے لیے جن لشکریوں کو نامزد کیا انھوں نے ترکمان کی اس جماعت کو تہ تیغ کردیا اور ان کے اہل وعیال کو مقتولین کے کٹے ہوئے سروں کے ساتھ سلطان مسعود کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان نے ان سروں کو گدھے پر لدوا کر بیغو ترکمان کے پاس بھیجا اور بیغو نے معذرت خواہی کی۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہی بیغو ہے جس کی

مدح میں ایران کے ایک شاعر ضیائی 33 نے قصیدے لکھے ہیں۔

ترکمان کی سرکوبی کے بعد سلطان مسعود ہرات نیشا پور اور پھر طوس پہنچا۔ ترکمان کی ایک جماعت راستہ میں اس کے ساتھ جنگ آزما ہوئی مگر جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بادرد کے باشندے اپنا شہر ترکمانوں کے حوالے کر چکے تھے سلطان مسعود نے ان کے قلعہ پر قبضہ کر کے سب کو مروا ڈالا اور اس کے بعد موسم سرما نیشا پور میں گزارا۔

430ھ/1038ء میں ترکمان طغرل کا سر کچلنے کے لیے سلطان مسعود روانہ ہوا۔ اس نے بادرد میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ جب طغرل بھاگ گیا تو سلطان مسعود وہاں سے لوٹ کر مہنہ 34 کے راستہ سرخس 35 پہنچا۔ اس نے مہنہ کے قلعہ کو زمین دوز کر دینے کا حکم دیا اور وہاں کی رعایا میں سے بعضوں کو مروا ڈالا اور اکثروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ وہاں سے وہ زیرقان 36 کی طرف بڑھا جہاں ترکمانوں نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ سلطان مسعود کا مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں غزنی کے اکثر سپہ سالار برگشتہ ہو کر دشمن سے جا ملے اور سلطان تن تنہا میدان میں رہ گیا اور آخر کار بہ ہزار جدوجہد اس معرکہ سے صحیح وسلامت نکل آیا۔ یہ واقعہ 431ھ/1039ء میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد سلطان مسعود مرو پہنچا۔ اس کے اطراف کے کچھ لشکری اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور وہ غور کے راستہ غزنی پہنچا اور جو سردار بغیر جنگ کیے میدان سے بھاگ نکلے تھے ان کو سزائیں دیں اور بعض کو مثلاً علی دایہ، حاجب بزرگ اور تغدی وغیرہ کو ہندستان بھیج کر قلعوں میں بند کر دیا اور وہ سب قید میں مر گئے۔

ترکمانوں کی سرکوبی کے لیے سلطان مسعود نے طے کر لیا کہ پہلے وہ ہندستان جا کر اپنی طاقت میں اضافہ کرے۔ یہاں سے ایک بڑا لشکر لے کر واپس آئے اور ترکمانوں پر چڑھائی کر کے سزا دے۔ چنانچہ اس نے امارت بلخ امیر مودود کے سپرد کی اور خواجہ محمد بن عبداللہ کو اس کا وزیر مقرر کیا۔ اس کے بعد اپنے بیٹے امیر مجدود کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ ملتان روانہ کیا۔ اپنے دوسرے بیٹے امیر ایزدیار کو غزنی کے پہاڑوں کے دامن میں متعین کر دیا تاکہ دوسرے ضلع کے افغانوں کی روک تھام کرے، جنھوں نے ہنگامہ اور سرکشی برپا کر رکھی تھی۔ اس انتظام کے بعد وہ اپنے باپ سلطان محمود کے ان خزانوں کو اونٹوں پر لاد کر

ہندستان روانہ ہوگیا جو غزنی اور اس کے نواح کے قلعوں میں محفوظ تھے اور راستے ہی میں اپنے اندھے بھائی امیر محمد کو لانے کے لیے کسی کو اس کے پاس بھیجا۔ وہ قلعہ بزغند37 میں قید تھا۔ سلطان مسعود ابھی ماریکلہ38 کے سرحدی قلعہ تک پہنچا تھا کہ اس کے اپنے ہی ملازموں نے وہ تمام مال ودولت لوٹ لیا جو اس کے ہمراہ تھا۔

اسی دوران امیر محمد بھی پہنچ گیا چنانچہ سلطان مسعود کے مظالم کا خاتمہ کرنے کے لیے وہ امیر محمد کے پاس گئے اور اس کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد بغاوت کا جھنڈا بلند کرکے وہ سلطان مسعود کو قلعہ سے باہر نکال کر لے آئے اور قیدی بنا کر اسے قلعہ کیری میں بند کردیا یہاں تک کہ جمادی الاول 432ھ/1040ء میں ایک جھوٹا حکم امیر محمد کے نام سے اس قلعہ کے کوتوال کے پاس پہنچا کہ وہ سلطان مسعود کا سر کاٹ کر بھیج دے۔ کوتوال نے اس کی تعمیل کی اور سلطان مسعود کا سر کاٹ کر بھجوا دیا۔ قطعہ:

زحادثات زمانم ہمین پسند آمد
کہ خوب و زشت وبدونیک در گزر دارم
کسی کہ تاج مرصع بسرنہاد صباح
نماز شام در اخشت زیر سر دارم

یہ تفصیل، کتاب نظامی کے مطابق ہے مگر قاضی بیضاوی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اس کے نزدیک سلطان مسعود 432ھ/1040ء میں سلجوقیوں سے شکست کھا کر ابھی غزنی پہنچا تھا کہ امیر محمد نے اسے گرفتار کرلیا جو اس کی غیر حاضری میں اپنی پوزیشن کافی مضبوط کرچکا تھا۔ گرفتاری کے بعد اس نے اسے قلعہ میں بند کردیا تھا جہاں امیر محمد کے بیٹے نے جا کر اسے قتل کردیا۔

سلطان مسعود کی حکومت گیارہ سال رہی، مگر یہ امر قابل غور ہے کہ قاضی بیضاوی نے اس کی وفات کا سال433ھ/1041ء لکھا ہے۔ ان تمام شاعروں میں سے جنھوں نے سلطان مسعود کے عہد حکومت میں نشو ونما پائی ایک شاعر منوچہری بھی تھا جس نے اس کے

وزیر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

همی نازد به عدلش شاه مسعود
چو پیغمبر به نوشیروان عادل

سلطان مودود بن مسعود بن محمود غزنوی

بامیان میں اپنے باپ کے قتل کے بعد سلطان مودود وزیروں اور امیروں کی متفقہ رائے سے تخت نشین ہوا۔ باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے اس نے ماریکلہ کی جانب کوچ کرنے کا ارادہ کیا مگر ابونصر احمد بن محمد بن عبد الصمد نے اسے اس کام سے باز رکھا اور غزنی سے لے گیا۔ یہاں سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ سلطان مودود، اپنے اندھے چچا امیر محمد پر چڑھائی کرنے کے لیے نکلا۔ وہ ابھی دیپور کے قریب تھا کہ امیر محمد سے اس کا سامنا ہوگیا۔ جس نے آخر خونریز جنگ کی صورت اختیار کرلی۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی، رات ہونے پر فریقین اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے۔ دوسرے دن جب جنگ شروع ہوئی تو سلطان مودود نے امیر محمد کے ایک معتبر جرنیل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ امیر محمد اور اس کا لڑکا احمد دونوں گرفتار ہوگئے اور انھیں قتل کردیا گیا۔ سلطان مودود نے اس مقام پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام فتح آباد رکھا، یہ فتح اسے ماہ شعبان 432ھ/1040ء میں ملی ایک دوسرے قول کے مطابق 433ھ/1041ء میں ملی۔

چونکہ سلطان مودود خواجہ احمد بن عبد الصمد سے ناراض تھا اس لیے اس نے اسے غزنی میں قید کردیا۔ جہاں آخر کار وہ مرگیا۔ اسی سال اس نے ابونصر محمد بن احمد کو ہندستان بھیجا تاکہ نامی ابن محمد کے ساتھ جنگ کرے۔ نامی اس جنگ میں مارا گیا۔

434ھ/1042ء میں سلطان مودود کے حکم سے ارتگین کو ایک جمعیت کے ساتھ طبرستان کی جانب روانہ کیا گیا تاکہ وہ داؤد ترکمان کے ساتھ جنگ کرے۔ اس جنگ میں اس کے بہت سے آدمی کام آئے۔ ارتگین پھر بلخ کی طرف بڑھا اور وہاں اس نے سلطان

مودود کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اسی کے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ ارتگین کو وہاں زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ترکمانوں نے پوری طاقت کے ساتھ اس پر چڑھائی کردی۔ وہ ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا اس لیے واپس غزنی چلا آیا۔ 435ھ/1043ء میں سلطان مودود نے غزنی کے کوتوال ابوعلی کو قید کرلیا مگر چند روز کے بعد پھر اس کی رہائی کا حکم بھی جاری ہوگیا اور کوتوال غزنی کے علاوہ اسے دیوان مملکت بھی بنادیا گیا اور اس کے بجائے یسوری بن ایمغور دیوان کو قید خانے میں ڈال دیا جو وہیں مرگیا۔ سلطان مودود نے ارتگین کو بھی بغیر سزا دیے نہ چھوڑا۔

436ھ/1044ء میں جب خواجہ ظاہر نے جسے خواجہ احمد کے بعد وزیر مقرر کیا گیا تھا انتقال کیا تو خواجہ امام ابوالفتح عبدالرزاق کو اس کی جگہ وزیر مقرر کیا گیا۔ اسی سال طغرل حاجب کو بسط کی جانب بھیجا جو زنگی ابومنصور کے بھائی ابوالفضل کو گرفتار کرکے غزنی لایا۔ پھر سیستان چلا گیا۔ رباط امیر کے مقام پر ترکمانوں کے ساتھ اس کی خونریز جنگ ہوئی۔ طغرل حاجب اس جنگ میں فتح یاب ہوا۔ اس کے بعد وہ گرم سیر پہنچا اور اس علاقہ کے ترکمانوں کو جنھیں سرخ کلاہ 39 کہا جاتا تھا۔ تلوار کے گھاٹ اُتارا اور ان کی کافی بڑی تعداد کو گرفتار کر کے غزنی لے آیا۔ سلطان مودود نے طغرل حاجب کو 438ھ/1046 میں تگیناباد بھیجا جہاں پہنچ کر اس نے بغاوت کردی۔ جب سلطان مودود کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے علی بن ربیع کو اس کی سرکوبی کے لیے نامزد کیا۔ طغرل حاجب ڈر کے مارے اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ علی بن ربیع نے اس کی فوج کو غارت کیا اور کچھ سپاہیوں کو گرفتار کرکے غزنی بھیج دیا۔

439ھ/1047ء میں امیر قصدار نے بغاوت کی، اور جب اس نے حاجب بزرگ ارتگین کے ہاتھوں سے شکست کھائی تو اطاعت قبول کرلی۔ 440ھ/1048ء میں سلطان مودود نے اپنے فرزندان ابوالقاسم محمود اور منصور کو بیک وقت خلعت اعزاز اور طبل وعلم عطا کیا۔ ان میں سے ایک کو ہندستان بھیجا اور دوسرے کو پُرشور 40 اس کے علاوہ ابوعلی حسن کوتوال غزنی کو بھی ہندستان روانہ کیا تاکہ وہ جاکر سرکشوں کو گستاخی کے مطابق سزا دے اور

جب وہ خدمت بجالانے کے بعد غزنی واپس ہوا تو اسے میرک بن وکیل کے سپرد کردیا گیا۔ جس نے اسے قید کردیا اور قید خانہ ہی میں مروا ڈالا۔ چونکہ میرک بن وکیل نے ابوعلی حسن کو سلطان کے حکم کے بغیر مرواڈالا تھا اور وہ اسے پردہ میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سلطان مودود کو کابل جانے پر اُکسایا۔مگر جب سلطان مودود سیالکوٹ کے قلعے کے پاس پہنچا اور دردقولنج 41 میں مبتلا ہوگیا جس کے باعث اسے غزنی واپس جانا پڑا اس نے غزنی واپس پہنچنے پر میرک کوحکم دیا کہ ابوعلی کوتوال کوفوراً رہا کردیا جائے مگر میرک نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی۔ اسی اثناء میں 24ر رجب 441ھ/1049ء کو سلطان مودود نے اس دنیا سے رخت سفر باندھ لیا۔ اسکی مدت حکومت 9 سال تھی لُب التواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان مودود نے چغز بیگ کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام مسعود رکھا گیا۔ اس نے سات سال حکومت کی۔ ماہ رجب 441ھ/1049ء میں سلطان مودود چغز بیگ سے ملاقات کے لیے خراسان سے روانہ ہوا، مگر راستہ ہی میں دردقولنج سے انتقال کرگیا۔

سلطان مسعود بن مودود بن مسعود بن محمود غزنوی

مسعود بن مودود صرف تین سال کا بچہ تھا مگر علی بن ربیع نے اپنی حکمت عملی سے اسے تخت پر بٹھایا، مگر یہ صورت حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ اس کی حکومت کے قیام کو صرف پانچ ماہ ہوئے تھے کہ لوگوں نے اس کے چچا علی کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔

سلطان علی ابن مسعود ابن محمود غزنوی

اُمراء کی رائے سے وہ تخت نشین ہوا، مگر جب عبد الرزاق بن احمد میمندی سیتان سے بسط اور اسفراز 42 کے درمیان قلعہ تک پہنچا اور اسے معلوم ہوا کہ سلطان مودود کے حکم سے اس قلعہ میں عبدالرشید ابن محمود قید ہے تو وہ اسے قید خانے سے نکال لایا اور تخت سلطنت پر

بیٹھا دیا۔ علی کی حکومت کو ابھی صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ یہ واقعہ 443ھ /1052 کا ہے۔

سلطان عبدالرشید ابن محمود غزنوی

سلطان عبدالرشید نے تخت نشین ہوتے ہی عبدالرزاق کے مشورے سے غزنی کا رخ کیا۔ علی ابن مسعود بغیر جنگ کیے بھاگ گیا اور طغرل حاجب جو سلطان محمود کا خانہ زاد غلام تھا سیستان فتح کرنے کے بعد غزنی کی جانب بڑھا۔ سلطان عبدالرشید نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر 445ھ /1053ء میں طغرل حاجب نے موقعہ پا کر اسے اور اس کے ساتھ سلطان محمود کے تمام وارثوں کو قتل کر ڈالا۔ سلطان محمود کی لڑکی سے اس کی مرضی کے خلاف شادی کر لی۔ ایک روز جب کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ دلیر پہلوان کی ایک ٹولی کی رگِ حمیت وغیرت پھڑک اٹھی اور انھوں نے جوش میں آ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ سلطان عبدالرشید کا عہد حکومت صرف چار سال رہا، مگر نظام التواریخ کے نزدیک سات سال اور لُب التواریخ میں لکھا ہے کہ اس کا انتقال 445ھ/1053ء میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلطان فرخ زاد بن مسعود بن محمود غزنوی

سلطان فرخ قید خانے سے رہائی کے بعد امراء کی رائے سے تخت نشین ہوا۔ جب سلجوقیوں کی ایک جماعت نے غزنی پر چڑھائی کی تو اس نے ان کی ایک کثیر تعداد کو قتل کرادیا اور آخر ان پر غلبہ پالیا۔ جو سلجوقی گرفتار ہوئے انھیں غزنی بھجوا دیا۔ الپ ارسلان سلجوقی بادشاہ عراق اور خراسان سے فوج کشی کر کے غزنی پر چڑھ آیا۔ جب وہ جنگ میں کامیاب ہوا تو غزنی کے بہت سے سرداروں کو قید کر کے اس نے خراسان بھیج دیا، مگر جب دونوں میں صلح ہوگئی تو دونوں طرف کے قیدیوں کو رہا کر دیا وہ اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔ چونکہ جنگ کے سبب زابلستان پوری طرح سے برباد ہوگیا تھا اس لیے سلطان فرخ زاد نے اس کا تاوان (ہرجانہ) معاف کر دیا اور وہاں کے عوام کے ساتھ بطریق احسن پیش

آیا۔ وہ تین ماہ تک مسلسل روزے رکھتا اور رات کا زیادہ وقت نماز اور عبادت میں گزارتا۔ آخر وہ بھی دردِ قولنج میں مبتلا ہوا اور 450ھ/1058ء میں انتقال کر گیا۔ 43 اس نے چھ سال تک حکومت کی۔

سید السلاطین ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی

وہ ایک عادل، زاہد اور متقی بادشاہ تھا۔ ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا کرتا۔ اس نے اپنے لیے کوئی محل سرا تعمیر نہیں کرایا تھا، سوائے ایک مسجد اور مدرسہ کے اور وہ بھی خدا کے لیے تھا۔ جب اُمور سلطنت کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر پڑی تو اس نے سب سے پہلے سلجوقیوں کے ساتھ مصالحت کی اور پھر پوری دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ ہندستان کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں بہت سے قلعوں اور علاقوں کو فتح کیا۔ ان میں سے ایک شہر ایسا بھی تھا جہاں ان خراسانیوں کی نسل آباد تھی جنھیں افراسیاب نے شہر خراسان سے شہر بدر کیا تھا، انھوں نے ہندستان آ کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ سلطان ابراہیم نے اس شہر کے ہزاروں خراسانی النسل باشندوں کو گرفتار کر کے غزنی بھجوا دیا اور علیٰ ھذاالقیاس بے شمار مال غنیمت بھی وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے اپنے قیام کے دوران چند قصبوں کی بنیاد بھی ڈالی۔ ان میں سے خیر آباد اور ایمن آباد وغیرہ بھی ہیں۔ اسے سید السلاطین بھی کہا جاتا ہے اور اسے ولی اللہ سمجھا جاتا ہے اس کے عہد حکومت میں غزنی کے لوگوں کو راوی چشم، شربت اور دیگر دوائیں اور غذائیں غرض تمام اشیاء خزانہ شاہی سے مفت ملا کرتی تھیں۔ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد اس نے 472ھ/492ء میں وفات پائی۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کا دور حکومت 450ھ تا 492ھ/1058ء تا 1097ء تھا۔ مسعود سعد سلمان سلطان ابراہیم کے زمانہ ہی کا شاعر تھا، ذیل کے اشعار اسی کے ایک قصیدہ کے ہیں جو اس نے سلطان کی مدح میں لکھے تھے۔

ابوالقاسم ملک محمود ابراہیم بن مسعود
کہ نازوچار چیز از وی کندھریک بدومفتخر

یکی افروختہ چتری دوم افروختہ رایت
سوم دینارگوں کلکی چہارم آب گون خنجر

ولہ

ای عزم سفرکردہ وبستہ کمرفتح
بکشاد چپ وراست فلک پر تو درفتح
مسعود جہانگیر کہ از دھرسعادت
ہرلحظہ بسوئی تو فرستاد نفرفتح
مانندسنان سربسوی رزم نہادی
چون تیر میان تو بہ بند و کمرفتح
صد فتح کنی بی شک و صدسال ازین پس
در ہند بہر خطہ بیبند اثر فتح

استاد ابوالفرج رونی بھی سلطان ابراہیم کامداح تھا اور اس کے قبل وہ مسعود کامداح تھا۔ ان دونوں کی مدح میں اس نے بے شمار قصیدے لکھے تھے جو اس کے کلیات میں موجود ہیں۔ وہ رون نامی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ یہ گاؤں نواح لاہور میں واقع تھا مگر مرور ایام میں اس حد تک ویران اور برباد ہوگیا کہ آج اس کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ استاد ابوالفرج نے ذیل کا قصیدہ بھی سلطان ابراہیم کی مدح میں لکھا تھا:

زھی بیازوی شمشیر کامگار ترا
شبیہ نفس عزیز ونظر عقل عدیم

اسیرکردہ آن بی نفس چو حلق گلو
یتیم کردۂ این بی عقب چو دُرّ یتیم

اور مسعود سعد سلمان نے ازروئے حسد جو شعرا کا لازمی خاصہ ہے استاد ابوالفرج کی مذمت کی تھی جس کی بنا پر اسے دس سال قید میں رہنا پڑا اور یہ رباعی اس نے قید خانہ ہی میں کہی تھی:

زندان تُرا ملک شہی می باید
تا بند پائی غدّار می شاید
آن کس کہ ز پشت سعد سلمان زاید
گر مار بُوَد ملک ترا بگزاید

اس کے کلیات عربی، فارسی اور 44 ہندی تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔

علاء الدین مسعود بن ابراہیم بن سلطان مسعود

باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اور 508ھ/1114ء میں اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس نے 17 سال تک حکومت کی۔

سلطان شیراز الدین مسعود بن ابراہیم بن سلطان مسعود

باپ کے فرمان کے مطابق بادشاہ ہوا۔ صرف اس نے ایک سال تک حکومت کی۔ اس کے بھائی ارسلان شاہ نے بغاوت کر کے اس کا تختہ پلٹ دیا اور 509ھ/1115ء میں بھائی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

سلطان ارسلان شاہ بن مسعود بن ابراہیم بن سلطان مسعود

تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنے تمام بھائیوں کو گرفتار کرلیا،مگر بہرام شاہ بھاگ کر سلطان سنجر کے پاس چلا گیا جو اس کا خالہ زاد بھائی تھا۔ سلطان سنجر نے ہر چند سفارشی خطوط لکھے مگر ارسلان شاہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان سنجر نے مجبور ہوکر اس پر چڑھائی کردی۔ ارسلان شاہ تیس ہزار فوج لے کر اس کے مقابلے کے لیے آیا مگر شکست کھائی اور ہندستان کا رخ کیا۔ سلطان سنجر چالیس روز غزنی میں رہا۔ پھر تمام علاقہ بہرام شاہ کے حوالے کر کے لوٹ گیا۔ ارسلان شاہ ہندستان سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ غزنی پہنچا۔ بہرام شاہ اس کے مقابلے میں کھڑا نہ ہوسکا اور بامیان کے قلعہ میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ سلطان سنجر کو جب اس کا علم ہوا تو وہ مدد کو آیا اور بہرام شاہ نے دوبارہ غزنی پر قبضہ کرلیا۔ ارسلان شاہ گرفتار ہوا اور 510ھ/1116ء اسے قتل کروادیا گیا۔ ارسلان شاہ نے 7 سال تک حکومت کی۔

سلطان بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم

سلطان بہرام شاہ جب تخت پر بیٹھا تو حکیم سنائی اس کا مداح تھا۔ کلیلہ ودمنہ اور بہت سی دوسری کتابیں اس کے عہد حکومت میں احاطۂ تحریر میں آئیں۔ اس کی تخت نشینی کے روز سید حسن غزنوی نے جو قصیدہ کہا تھا اس کا مطلع ہے:

ندائی بر آمد ز ہفت آسمان
کہ بہرام شاہ است شاہ جہان

اور ذیل کا قصیدہ مکہ معظمہ میں کہہ کر اس کی خدمت میں بھیجا :

ہر گز بود کہ باز ببینم لقائی شاہ
شکرانہ در دو دیدہ کشم خاک پائی شاہ
بہرام شاہ کہ جان سلاطین فداش باد
باشد ایشان باشد سزائی شاہ
سیّار گان چرخ در افتدچون شہاب
پاء از برون نہند زحد وفائی شاہ

حکیم سنائی نے اپنی مشہور تصنیف ''حدیقۃ الحقیۃ'' اپنے اسی ممدوح بہرام شاہ کے نام منسوب کی تھی ۔ حکیم سنائی کو قید و بند کی جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اس کی وجہ غزنوی تعصب تھا۔ جب یہ تصنیف دارالخلافہ بغداد پہنچی اور اکابرین اور بزرگان دین کی نظر سے گزری تو ان سب نے حکیم سنائی کے معتقدات کی تائید کی اور اس سلسلہ میں ایک یادداشت بھی لکھی جس کی وجہ سے حکیم سنائی کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور رحلت کر گئے ۔ کہا جاتا ہے کہ جب شیخ مجدود نے اس تصنیف کی بنا پر حکیم سنائی پر رافضی ہونے کا الزام لگایا تو اس نے بہرام شاہ کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لللہ رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین۔ اما بعد بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جو چیزیں عمر کی درازی، بارش کے برسنے اور درختوں کے اگنے کا باعث ہوتی ہیں وہ یہ ہیں: مظلوموں کی حمایت، ظالموں پر قہر، اس کی تائید میں حضرت محمدؐ کا یہ قول شاہد اور عادل ہے کہ آسمان عدل کی وجہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے اور عدل کی مثال اس پرندے کی سی ہے کہ جہاں کہیں وہ سایہ فگن ہو دولت میں فراوانی ہوتی ہے اور جہاں کہیں وہ آشیانہ بنائے اس کا آشیانہ استدامت کا قبلہ ہوتا ہے اور بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ظلم اور عدوا ایسے پرندے کی طرح ہیں کہ جس طرف بھی وہ پرواز کریں قحط اور وبا عام ہوتی ہے اور انسانوں کے دل سے زندگی

اور حیا معدوم ہونے لگتی ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ سلطان اسلام و بادشاہ عادل بہرام شاہ بن مسعود شاہ بن ابراہیم شاہ بن مسعود شاہ بن محمود غزنوی کو جور و ظلم سے محفوظ اور مصئون رکھے۔ اگر تمام دنیا بھی جمع ہو جائے تو اس فقیر کے دل میں علم و معرفت کا جو سرمایہ اور دولت ہے، اس کی حقیقت کے اظہار سے قاصر ہے اور جو درخت کے مالک الملک نے اسرار غیوب کا مشاہدہ کرنے کے لیے لگایا ہے اور جبریل اور میکایل کو بھی اس کی تہہ تک رسائی نہیں، یہ امر یقینی ہے کہ عادل کے لیے وہ ہر حال میں موجب سعادت ہے اور جابر کے لیے باعث شقاوت، اور بدترین ظلم وہ ہے کہ کسی کتاب یا مضمون کو پڑھے مگر اس کے مفہوم اور معنی سے بے بہرہ رہے مگر اس کے باوجود وہ مغرور اور خود پسند ہو اور علماء کے خلاف زبان طعن و تشنیع کھولے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہمارے پیغمبرؐ نے فرمایا: ارحموا ثلثاً غنیا افتقوا وعزیز قوم ذل وعالما بین الجہال ترجمہ۔ تین آدمیوں پر رحم کھاؤ ایک وہ دولت مند جو غریب ہو جائے، دوسرے قبیلہ کا وہ بزرگ جو ذلیل ہو جائے، تیسرے وہ عالم جو جہلا میں پھنس گیا ہو۔

جو کتاب ارباب معرفت وکمال کی زبان میں لکھی گئی ہو، بایزیدؒ اور شبلی جیسے بنیادی عارف ہی اس میں کوئی تصرف کر سکتے ہیں مگر جن لوگوں کو مذہبی علوم اور دینیات سے دور کا بھی لگاؤ نہیں یہ بڑی نادانی اور حماقت ہو گی کہ وہ اس کتاب پر نکتہ چینی کریں۔ ان کی کورچشمی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ آل مردان کو قابل نفرت وشقاوت ٹھہراتے ہیں اور آل محمدؐ کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں، مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کا درجہ صدیقؓ، فاروقؓ اور ذی النورینؓ کے بعد رکھا گیا ہے اور آل مردان کے عیوب اور آل محمد صلعم کے مناقب کے بارے میں حضرت محمد صلعم کے ارشادات کافی ہیں اور ہمارے لیے وہی دلیل راہ ہیں۔

کلمہ حق یہ ہے کہ اے خدا تو دنیا کو ایسے عالموں کے وجود سے آراستہ کر جو تجھ سے ڈریں اور عوام سے شرم وحیا ملحوظ رکھیں اور تو ہمیں ایسے لوگوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ جو تیری محبت کی راہ سے بھٹک گئے ہوں۔ ''بفضلک وجودک وکرمک یا ارحم الراحمین'' یہ شعر

حدیقہ ہی کا ذیل میں لکھتا ہوں:

عرش گر بارگاہ را زیبد
شاہ بہرام شاہ را زیبد

سلطان بہرام شاہ نے ہندستان پر لشکر کشی کی اور ان مقامات کو فتح کیا جنھیں اس کے اسلاف فتح نہیں کر سکے تھے، وہ اپنے امرامیں سے ایک کو ہندستان میں چھوڑ کر واپس غزنی چلا گیا۔ اس امیر نے بغاوت کی، سلطان امیر کی سرکوبی کے لیے آیا، ملتان کے نواح میں زبردست جنگ ہوئی۔ امیر گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے آیا، اسے قتل کر دیا گیا اور دوسری بار پھر ہندستان اس کے قبضے میں آ گیا۔ جب علاؤ الدین حسن بن حسین غوری جو ملوکِ غور میں سے تھا اس نے اس کے خلاف بغاوت کی اور غزنی تک آ پہنچا تو بہرام شاہ بھاگ گیا اور علاؤ الدین اپنے بھائی سیف الدین غوری کو غزنی میں چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ بہرام شاہ نے واپس آ کر غزنی پر قبضہ کرلیا اور سیف الدین کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں ذلیل کیا اور پھر ذلت کے ساتھ اسے قتل کیا۔ جب علاؤالدین کو اس کی اطلاع ملی تو اسے بے حد رنج ہوا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ غزنی کے لیے چل پڑا، مگر اس کے غزنی پہنچنے سے پہلے بہرام شاہ ملک آخرت کا سفر اختیار کر چکا تھا۔ اس کے بجائے اس کا بیٹا تخت نشین تھا۔ علاؤ الدین نے اپنے بھائی کا سخت انتقام لیا اور غزنی کی خاک پر جو ہزاروں افراد کے قتل کے خون کی حامل تھی خون کی ندیاں بہادیں۔ بہرام شاہ 547ھ/1156ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا تھا اس کے نصیب میں 32 سال کی حکمرانی لکھی تھی۔ مسعود سعد سلمان نے اس کی مدح میں یہ مسدس کہا تھا:

بہرام شاہ خسرو گیتی کشائی گشت
خورشید دہر وسایۂ فرخدائی گشت

چترش کہ شد ھمایون فرہمائی گشت
اُو را خدای عزّو جلّ رہنمائی گشت

خسرو شاہ بن بہرام شاہ

اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوا، علاء الدین حسین بن حسن غوری اس کے مقابلے پر آیا۔ خسرو شاہ نے بھاگ کر لاہور کا رخ کیا اور جب علاء الدین غزنی سے کامیاب ہو کر واپس آیا تو خسرو شاہ جو موقع کی تلاش میں لگا ہوا تھا فوج کشی کی اور غزنی پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ جب قبیلہ غزان نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا تو علاء الدین وہاں سے غزنی پہنچا۔ خسرو شاہ تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ دوبارہ بھاگ کر لاہور چلا آیا۔ یہاں 555ھ/ 1160ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس نے 8 سال تک حکومت کی۔ اس کے عہد حکومت میں بڑے بڑے شاعر ہوئے تھے۔ جنھوں نے خسرو شاہ کی مدح میں قصیدہ لکھے تھے۔ یہ شعر ایک ترجیع بند سے لیا گیا ہے:

شاہنشہ معظم خسرو شہ آنکہ آسان
باتیغ و گرز گیرد از ھندتا خراسان

قاضی بیضاوی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خسرو شاہ کا انتقال غزنی ہی میں ہوا تھا۔ علاء الدین نے جب غزنی کو تباہ و برباد کر کے قتل کیا تھا تو وہ اپنے بھتیجوں غیاث الدین ابو الفتح اور شہاب الدین ابو لمظفر کو وہاں چھوڑ آیا تھا۔ انھوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس دوران انھوں نے مختلف ترکیبوں سے خسرو شاہ کو اپنی امن پسندی اور وفاداری کا اطمینان دلایا تھا۔ مگر 1160/555ء میں انہی کے ہاتھوں خسرو شاہ گرفتار ہوا اور اسی سال اُس کا انتقال بھی ہوگیا۔ خسرو شاہ کے انتقال کے بعد غزنوی خاندان کا عہد حکومت ختم ہوگیا۔ کیونکہ اس کی تمام سلطنت شہاب الدین غوری کے قبضے میں آ گئی تھی۔ چونکہ نظام الدین احمدؒ نے تاریخ نظامی میں لکھا ہے جسے انھوں نے اسے

روضتہ الصفا سے اخذ کیا ہے کہ خسرو ملک ابن خسرو شاہ غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ تھا اس لیے میں نے بھی انکی پیروی کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خسرو ملک ابن خسرو شاہ

خسرو شاہ کے انتقال کے بعد خسرو ملک لاہور کے تخت پر بیٹھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا عیاش تھا اس لیے اس کے عہد حکومت میں ہر طرف ابتری پھیل گئی۔ غزنوی حکومت جو پہلے کمزور ہو چکی تھی، خسرو ملک اس کی مردہ لاش کو بس دُرے مار مار کر گھسیٹتا رہا۔ غوری خاندان کا ستارہ عروج پر تھا اور وہ دن رات ترقی کرتا رہا۔ اس لیے حکومت عورتوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن گئی۔ سلطان معزالدین محمد سام المعروف بہ سلطان شہاب الدین غوری نے غلبہ پا کر غزنی کو اپنا پایہ تخت بنایا اور غزنوی بادشاہوں کی طرح اس نے بھی ہندستان پر لشکر کشی کی اور لاہور کے نزدیک آ پہنچا۔ خسرو ملک کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا، سلطان شہاب الدین غوری کا مقابلہ کیسے کرتا؟ اس لیے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر امان چاہی۔ سلطان شہاب الدین غوری اسے اپنے ہمراہ غزنی لے گیا اور وہاں سے اسے غیاث الدین کے پاس بھیج دیا جس نے اسے فیروز پہاڑ کے دامن میں قید کر دیا جہاں قید کے دس سال بعد وہ مر گیا:

دل ہندید درین دہر کہ بی بنیاد است!
نو عروسی است کہ در عقب بسی داماد است!

خسرو ملک نے 583ھ/1187ء میں وفات پائی، وہ غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ اس نے 28 سال تک حکومت کی، اس کے بعد غوری خاندان کی باری آئی اور اس نے زمامِ حکومت سنبھالی۔

"تـوتـی الـمـلـك مـن تشـاء"
بقا بقای خدای ست و ملک ملکِ خدای

قاضی بیضاویؒ غزنوی مملکت کی مدت سلطان محمود سے خسرو شاہ تک 161 سال لکھتے ہیں اور اس کے بارہ بادشاہوں نے حکومت کی، مگر قاضی یحییٰ قزوینی کے نزدیک یہ عہد حکومت 155 سال تھا اور 14 بادشاہوں نے حکومت کی۔ تاریخ نظامی کے مصنف کی رائے میں 215 سال ہوتی ہے اور 15 بادشاہوں نے حکومت کی، واللہ اعلم بالصواب۔

غوری عہدِ حکومت

جس نے دہلی کو اپنا پایہ تخت بنایا اور ہندستان میں اسلامی حکومت قائم کی، سلطان شہاب الدین غوری نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔

سلطان معزّ الدین محمد سام المعروف بہ سلطان شہاب الدین محمد غوری

معز الدین کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین غوری، عراق اور خراسان کا بادشاہ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری اسی کے نائب السلطنت ہونے کی حیثیت سے غزنی میں تخت نشین ہوا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہّ جاری کیا نیز اپنے بڑے بھائی کے حکم سے ہندستان پر لشکر کشی کی اور نعرۂ غزوہ اور جہاد بلند کیا۔ اسی کے عہد حکومت میں دلی فتح ہوئی تھی، اس پر انھوں نے اسلامی پرچم لہرایا تھا اور انھوں نے مستقبل میں ہندستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ سلطان غیاث الدین نے تگین آباد پر جو گرمسیر کے توابع میں سے

تھا، قبضہ کر کے سلطان شہاب الدین کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا اور خود غزنی پر لگاتار حملہ کرتا رہا یہاں تک کہ اسی سال اُس نے اس ملک کو اپنے دائرہ فتوحات میں لے لیا۔ اس نے غزنی سے قبیلہ غزان کو بھی نکال باہر کیا جو سلطان سنجر کی گرفتاری کے بعد اس پر قابض ہو گیا اور معز الدین کو سلطان شہاب الدین کا لقب دیا۔ سلطان شہاب الدین نے اپنے بڑے بھائی کی نیابت کے پہلے سال کے دوران ہی 570ھ/1174ء میں گردیز کو فتح کرلیا اور پھر اچہ 45 اور ملتان پر قبضہ کرلیا اور قرامطیوں کے طائفوں کو وہاں سے نکال دیا۔ قبیلہ بھتیہ 46 نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر رکھا تھا ان کا بھی قلع قمع کیا اور اس کے بعد یہ پورا علاقہ علی کرمانی کے سپرد کر کے غزنی لوٹ گیا۔

574ھ/1178ء میں سلطان شہاب الدین اپنی فوج کے ساتھ گجرات پہنچا۔ اس علاقے کے حکمران بھیم دیو کے ہاتھ سے شکست کھائی اور بڑی مشکل سے غزنی پہنچا۔ 575ھ/1179ء میں اس نے پُرشور 47 فتح کیا اور 580ھ میں لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان خسرو شاہ کو جو غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ خبر ملتے ہی لاہور کے قلعے کو بند کر کے بیٹھ گیا کافی خط وکتابت کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو ایک ہاتھی کے ساتھ بطور نذرانہ بھیجا تو سلطان شہاب الدین نے اس کی عرض داشت صلح قبول کرلی۔ اسی موقع پر اس نے قصبۂ سیالکوٹ کی بنیاد ڈالی اور وہاں اپنا ایک نائب مقرر کر کے غزنی چلا گیا۔ 581ھ/1185ء میں وہ دیول 48 کی جانب بڑھا۔ اور بحر شور کے ساحلی شہروں کو تہس نہس کر کے آدھے سے زیادہ مال واسباب لوٹ لیا۔

582ھ/1186ء میں پھر وہ لاہور آیا اس کے گرد ونواح کو تاخت وتاراج کیا اور حسین کو قلعہ سیالکوٹ کا نگراں مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ تاریخ نظامی جو اس منتخب التواریخ کا ماخذ ہے اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سیالکوٹ 49 کی بنیاد اسی سال ڈالی گئی تھی۔ یہ مبارک شاہی کے اس خیال سے مختلف ہے کہ اس کی بنیاد اس سے دو سال قبل ڈالی گئی تھی، واللہ اعلم۔ چونکہ تاریخ بھی خانہ خواب اور دوسری چیزوں کی طرح خراب ہے اس لیے اختلاف کی عذرخواہی ظاہر ہے اور اسی سال خسرو ملک کھوکھروں کی مدد سے ایک مدت تک

حصار سیالکوٹ کا محاصرہ کیے رہا مگر ناکام واپس ہوا۔ اسی سال سلطان شہاب الدین نے دوبارہ لاہور پر چڑھائی کی خسرو ملک قلعہ بند ہوکر بیٹھ گیا مگر کب تک؟ آخر مجبور ہوکر اسے سلطان شہاب الدین کے حضور آنا پڑا۔ سلطان اسے اپنے ہمراہ لے گیا اور اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کے سپرد کردیا جس نے اسے فیروز کوہ میں بند کردیا۔ جہاں اسی حالت میں وہ مرگیا۔ فیروز کوہ گرجستان کے قلعوں میں سے ایک ہے۔ اس تاریخ سے حکومت بلا خوف وخطر غوریوں کے پاس چلی گئی۔

اسی سال سلطان شہاب الدین نے حاکم ملتان علی کرمانی کو لاہور میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا اور 587ھ/1191 میں پھر غزنی سے روانہ ہوکر قلعہ تبر ہندہ کو سر کیا۔ یہ مقام ہندستان کے بڑے بڑے راجاؤں کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ ملک ضیاء الدین توکلی کو ایک ہزار اور بیس چنے ہوئے سواروں کو لے کر اس قلعے میں چھوڑا اس نے واپسی کا ارادہ کیا مگر حاکم اجمیر رائے پتھورا اور اس کے بھائی کھندی رائے دونوں کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا۔ کھندی رائے پہلے دلّی کا حاکم تھا وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ موضع ترائن پہنچا جو دریائے سرسوتی 50 کے کنارے واقع ہے اور دہلی سے سات کوس کے فاصلے پر ہے اور آج کل تراوڑی کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی فوج نے اس معرکے میں مات کھائی اس لڑائی میں سلطان نے بڑی پھرتی دکھائی اس نے کھندی رائے پر جو ہاتھی پر سوار ہوکر لشکر کے آگے آگے تھا جھپٹ کر حملہ کردیا جس سے اس کا چہرہ زخمی ہوگیا کھندی رائے نے بھی جوابی حملہ کیا اور سلطان پر نیزہ سے وار کیا جس سے سلطان کا بازو زخمی ہوگیا مگر دونوں کی جان سلامت رہی۔ سلطان گھوڑے سے اُترا آیا اور اپنے بیٹے خلجی کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ خلجی نے گھوڑے کو تیز دوڑایا اور دونوں باپ بیٹے میدان جنگ سے صحیح سلامت باہر نکل آئے رائے۔ پتھورا نے قلعہ بتر ہندہ کا ایک سال اور ایک ماہ تک محاصرہ کیا اور آخر صلح و صفائی کے بعد اس پر قابض ہوگیا۔

588ھ/1191ء میں سلطان شہاب الدین غوری چالیس ہزار نامور سواروں کے ساتھ پھر ہندستان آیا اس نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور سلطان نے ہانسی اور

سرستی کے قلعوں پر چڑھائی کی اور ان پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اجمیر کی جانب بڑھا یہ شہر رائے پتھورا کا دارالسلطنت تھا اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے اردگرد کے نواح کو خوب تاخت و تاراج کیا بڑی تعداد میں عوام وسپاہی گرفت میں آئے۔ دوسرے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز جو دیار ہند کے مشائخ عظام کا سرچشمہ ہیں اور جن کا مزار متبرک اجمیر میں ہے۔ اس معرکہ میں سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ تھے اور یہ فتح اسی قطب ربانی کے فیوض و برکات کے طفیل تھی۔

اسی سال سلطان اپنے غلام، متبنیٰ اور جانشین ملک قطب الدین ایبک کو قصبۂ کہرام 51 میں چھوڑ کر خود کوہ سوالک کے راستہ غزنی پہنچا۔ بعد میں قطب الدین ایبک نے دہلی کو مسخر کیا اور رائے پتھورا اور کھندی رائے کے اقربا کے ہاتھ سے چھین لیا۔

589ھ/1192ء میں سلطان شہاب الدین نے چندوار اور اٹاوہ کے حدود میں راجہ جے چند حاکم قنوج کے ساتھ جنگ کی اور اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد غزنی روانہ ہوگیا اور قلعہ کول 52 قطب الدین ایبک کے قبضے میں آیا۔ اس نے دہلی کو پایہ تخت بنایا اور اس کی اطراف ونواح میں شاہی نظم ونسق قائم کردیا۔ اس دن سے دہلی سلاطین اسلام کا دارالسلطنت قرار پایا اور مینار اور دوسری عمارتیں اور مسجد وغیرہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ ان سب کا ذکر اپنی اپنی جگہ کیا جائے گا۔

591ھ/1194ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے قلعہ بھنگرام اور بداؤں (بدایوں) پر قبضہ کیا اور 593ھ/1196ء میں گجرات فتح کر کے نہروالہ یعنی پٹن کی جانب بڑھا۔ بھیم رائے دیو سے بہت سامال غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا جسے وہ اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ اسی سال سلطان غیاث الدین کا انتقال ہوگیا۔ سلطان شہاب الدین کو جب اس کی خبر ملی تو وہ طوس اور سرخس کی حدوں میں تھا وہ فوراً بادغیس کی جانب روانہ ہوگیا وہاں پہنچ کر مراسم عزاداری ادا کیے اور پھر اپنے بھائی کی ملکیت کو رشتہ داروں میں تقسیم کرکے غزنی روانہ ہوگیا۔ پھر خوارزم پر چڑھائی کی۔ سلطان محمد خوارزم کے ساتھ جنگ ہوئی اور غوریوں کی کافی تعداد اس چڑھائی میں کام آئی مگر اس کے باوجود سلطان خوارزم غوریوں پر فتح نہ

پاسکا۔ اسی دوران ترکستان کے تمام بادشاہوں کی طرف سے محمد خوارزم کو مدد پہنچ گئی اور سلطان شہاب الدین کو اس لشکر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں سلطان نے شکست کھائی اور ایک ہزار سوار فوج کے ساتھ وہ آندخود کے قلعے میں بند ہوگیا۔ امان پانے کے بعد وہاں سے غزنی واپس آیا۔

اس درمیان میں نواحی لاہور کے کھوکھروں کے ایک گروہ نے سر اٹھایا تھا۔ سلطان شہاب الدین نے ان پر چڑھائی کردی اور مدد کے لیے قطب الدین ایبک کو بھی دہلی سے بلوا بھیجا۔ دونوں نے مل کر کھوکھروں کی خوب گوشمالی کی۔ اس کے بعد سلطان غزنی لوٹ گیا۔ اور راستے میں ابھی توابع غزنی کے ایک مقام دَمیک پہنچا تھا کہ ایک فدائی کھوکھر نے موقع پا کر اسے شہید کردیا۔ اس کی وفات سے متعلق یہ قطعۂ تاریخ ہے:

شہادت ملک بحروبر شہاب الدین
کز ابتدائی جہان ہمچو او نیامد یک
سوم زغرہ شعبان سال شش صد بود
فتادہ در رہ غزنین بمنزل دَمیک 53ھ

اس نے 32 سال تک حکومت کی۔ اس کے پس ماندگان میں سے اسکی وارث صرف ایک لڑکی تھی۔ اس نے سونے چاندی اور جواہرات کے بے بہا خزانے اپنے پیچھے چھوڑے تھے ان میں سے ایک خزانہ پانچ سو من الماس 54ھ کا تھا۔ الماس کا شمار نفیس ترین جواہرات میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دوسرے خزانوں کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے نومرتبہ ہندستان کا سفر کیا تھا۔ دو مرتبہ معرکوں میں شکست کھائی تھی اور سات مرتبہ فتح حاصل کی تھی:

معزالدین محمد سام رادیدی کہ درهیجا
قوی تربود بازو ودل از سام ونریمانش

میسر گشت چون محمود از فیلان ہندستان
سیاست ہای ساسان وولایت ھای سامانش
گذشت از عالم وگویند وبر راوی بود عہدہ
کہ پانصدمن فزون الماس ماند از گنج سامانش

اس کے عہد حکومت میں علماء اور فضلاء کی ایک کثیر تعداد نے شہرت پائی تھی۔ ان میں سے ایک امام فخرالدین رازیؒ بھی تھے جنھوں نے ''لطائف غیاثی'' اور دیگر کتب لکھیں اور سلطان شہاب الدین کے بھائی سلطان غیاث الدین ابوالفتح کے نام سے منسوب کیں۔ امام موصوف کا قیام معز الدین المعروف بہ سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر میں تھا۔ وہ ہفتہ میں ایک بار وعظ فرمایا کرتے۔ وعظ کے خاتمے پر سلطان پر رقت طاری ہو جاتی۔ چونکہ امام رازیؒ اس دوامی سلسلہ ملازمت سے دل برداشتہ ہو گئے تھے، ایک روز جب وہ منبر پر کھڑے ہوئے تو سلطان کو مخاطب کر کے انھوں نے کہا کہ اے سلطان معز الدین کچھ عرصہ کے بعد نہ تیری یہ عظمت وشان باقی رہے گی اور نہ رازی کا یہ تملق اور نفاق یہ قطعہ بھی انہی کا ہے:

اگر دشمن نسازد باتوای دوست
ترابابد کہ بادشمن بسازی
وگر نہ چند روزی صبر فرما
نہ او ماند نہ تو نہ فخررازی

سلطان کے قتل کے بعد بعض فتنہ انگیزوں نے حسد کی بنا پر امام رازیؒ پر یہ الزام لگایا کہ ان کا تعلق فدائیوں 55 سے ہے اور وہ ان کے ارادے سے بخوبی واقف ہیں۔ فتنہ پردازوں نے جب امام رازیؒ کی جان لینے کا قصد کیا تو انھوں نے موئد الملک سجزی جو سلطان کے معتمد امراء میں سے تھے ان سے حفاظت جان کی التجا کی۔ کسی شاعر نے سلطان

کی تعریف میں قصیدہ کہا جس کے دو شعر ہیں:

سلطان معز الدین شاہ غازی کہ در جہان
تیغش چو ذوالفقار علی مرتضی شدست
سلطانِ حق محمد سام آن کہ خلق را
مہرش چومہر دوستی مصطفیٰ شدست

سلطان قطب الدین ایبک

سلطان معز الدین المعروف بہ شہاب الدین غوری کے خاص برگزیدہ اور معتبر غلاموں میں سے تھا، چونکہ چاند گرہن کے وقت اس کی چھوٹی انگلی ٹوٹ گئی تھی اس لیے اس کے نام کے ساتھ ایبک 56 کا اضافہ ہوگیا۔ اسے قطب الدین لکھ بخش بھی کہتے تھے۔ ہندستان کے امراء کی رائے سے دہلی کے استحکام وحفاظت کے لیے اس نے یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ سلطان معز الدین کی شہادت کے بعد اس کے بھائی کا لڑکا غیاث الدین محمود نے فیروز کوہ سے چتر اور خلعت بادشاہی دونوں چیزیں ملک قطب الدین کو بھیجیں اور سلطان کے نام سے مخاطب کیا۔ سلطان غیاث الدین محمود کی مدح میں یہ شعر کہا گیا تھا:

سلطان مشرقین، جہاندار مغربین
محمود بن محمد بن سام بن حسین

سلطان قطب الدین ایبک 602ھ 1206ء میں دہلی سے لاہور جا کر بروز منگل 16/ماہ ذی قعدہ کو تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ جود و سخا میں اپنی مثال آپ تھا اور مستحقین کو حوصلے سے بڑھ چڑھ کر انعام واکرام سے نوازتا تھا۔ لکھ بخشی کے طریقہ کا بانی بھی وہی تھا۔ فضلائے عصر میں سے فاضل بہاء الدین اوشی 57 نے یہ اشعار اسی کی مدح میں لکھے تھے:

اے بخشش لک تو در جہان آوردہ
کان را کف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان
وز لعل بہانہ درمیان آوردہ

زیادہ وقفہ نہیں گزرا ہوگا کہ سلطان قطب الدین ایبک اور تاج الدین یلدوز کے باہمی تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ تاج الدین یلدوز سلطان فخر الدین کے بندگان خاص میں سے تھا۔ اس نے غزنی میں اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھوایا اور لاہور پر بھی چڑھائی کر دی۔ چنانچہ پنجاب کی حدود میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی جس میں تاج الدین یلدوز نے شکست کھائی اور اپنے مستقل مستقر کرمان کی جانب بھاگ نکلا۔ سلطان قطب الدین اس کے بعد رفتہ رفتہ غزنی پر بھی قابض ہو گیا اور چالیس روز وہاں مقیم رہا۔ اس دوران اس نے اپنے اوقات خوب لہو ولعب اور عیش پرستی میں گزارے، یہاں تک کہ غزنی کے باشندے اس سے عاجز ہو گئے انھوں نے خفیہ طور پر تاج الدین یلدوز سے سازباز کی اور اسے بلوا بھیجا۔ وہ اس انتظار میں بیٹھا تھا چنانچہ فوراً آ پہنچا۔ سلطان قطب الدین اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر سنگ سوراخ 58 کے راستہ لاہور چلا آیا:

چو سلطان سر انداز باشد بمی
فتد بی خبر از سرش تاج کی

ابھی اس کی حکومت کو زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ 617ھ/1220ء میں جب کہ وہ لاہور میں چوگان کھیلنے میں مصروف تھا گھوڑے سے گر کر مر گیا اور اسی شہر میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی قبر پر آج بھی لوگ زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ وہ پہلا ہندستان کا مسلمان فاتح تھا۔ 59 جس کی کل مدت حکمرانی بیس سال پر مبنی ہے مگر اس بیس سال کے عرصے میں وہ بحیثیت سلطان صرف چار سال ہی حکومت کر سکا۔

گردن گردان شکست این کہنہ چرخ چنبری
ناتوانی دل منہ بر مہر و ماہ ومشتری

سلطان معزالدین کے دوسرے امیروں اور غلاموں میں سے سات نے ہندستان کے مختلف صوبوں جیسے بنگال، لاہوراور غزنی وغیرہ میں حکومت کی تھی اور ان کے حالات اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ اس میں سے ایک تاج الدین یلدوز تھا جو ترائن عرف تراوڑی کی حدود میں سلطان شمس الدین التمش کے خلاف جنگ کرتا ہوا گرفتار ہوا۔ دوسرا سلطان ناصرالدین قباچہ جس نے تاج الدین یلدوز کی ایک بیٹی سے شادی کی تھی اوراس کی دوسری بیٹی سلطان قطب الدین ایبک سے بیاہی گئی تھی سلطان معز الدین نے اپنی زندگی ہی میں سلطان ناصرالدین قباچہ کو اُچہ 60 اور ملتان عطا کردیا تھا 61۔ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اس نے اپنی حدود حکمرانی میں توسیع کی، سرسوتی اور کہرام تک کے علاقے کو بھی قبضے میں لے آیا نیز لاہور پر بھی قابض ہوگیا۔ ملک تاج الدین یلدوز کا جولشکر غزنی سے مؤید الملک سجزی کی قیادت میں آرہا تھا سلطان ناصرالدین قباچہ نے اس کے ساتھ بھی جنگ کی مگر ہار گیا اور سندھ کی جانب چلا گیا جہاں اس نے دوبارہ اپنی قوت بحال کی۔

611ھ/1214ء 62 میں مغلوں کے لشکر نے چالیس روز تک ملتان کا محاصرہ کیا۔ سلطان ناصرالدین قباچہ نے خزانہ شاہی کے دروازے عوام پر کھول دیے اور اتنی بہادری دکھائی کہ مغلوں کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے آخر کار 22 سال کی حکومت کے بعد وہ سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ 63

سلطان ناصرالدین قباچہ کے علاوہ سلطان معز الدین کے امیروں اور غلاموں میں ایک اور شخص کا بھی شمار ہوتا تھا اور وہ ملک بہاء الدین طغرل ہے۔ جب سلطان معز الدین نے قلعہ بھنگر 64 فتح کیا تو اسے اسی ملک طغرل کے حوالے کردیا جس نے بھیسانہ کے علاقے میں تعینات کیا اور وہیں مستقل رہائش اختیار کرلی۔

وہ ہمیشہ گوالیار کے نواح کو تاخت وتاراج کرتا تھا۔ سلطان معزالدین نے جب

گوالیار سے مراجعت کی تھی تو اس نے اسی وقت وعدہ کیا تھا کہ یہ قلعہ بھی ملک بہاء الدین طغرل کو دے دیا جائے گا۔ وہ گوالیار سے تین چار میل کے فاصلہ پر بڑی مضبوطی سے جم کر بیٹھا تھا۔

اس نے قلعہ کے اندر موجود لوگوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا یہاں تک کہ اسی حالت میں ایک سال گزر گیا۔ آخر کار قلعہ والوں نے پیغامات اور تحائف بھیج کر سلطان قطب الدین ایبک کو بلوایا اور قلعہ اس کے حوالہ کردیا۔ اس بات پر قطب الدین ایبک اور ملک بہاء الدین طغرل کے بیچ اختلاف ہوگیا۔ جس نے آخر کار سخت عداوت کی صورت اختیار کرلی، مگر بہاء الدین طغرل کی عمر نے وفا نہ کی اور تھوڑے عرصے کے اندر وہ انتقال کرگیا۔

سلطان معز الدین کے سلسلۂ امراء میں ایک شخص ملک محمد بختیار 65 غوری بھی تھا جو بلادِ غور اور گرمسیر کے اکابر میں سے تھا۔ وہ جملہ اوصاف حمیدہ کا مالک تھا سلطان معز الدین کے عہد حکومت میں وہ پہلے غزنی آیا پھر ہندستان پہنچا مگر یہاں پہنچ کر اس نے اسے پسند نہ کیا کہ سلطان قطب الدین کے ساتھ لاہور میں مقیم رہے۔ اس لیے وہ حسام الدین اوغلبیک کے پاس گیا جو دوآبہ اور دریائے گنگا کے اس پار کے علاقے کا حاکم تھا اور کنیلا 66 اور پٹیالی اسے بطور انعام ملے تھے۔ ملک محمد بختیار غوری وہاں سے اودھ کو روانہ ہوا، اسے فتح کیا۔ اس کے بعد بہار اور منیر 67 کی جانب بڑھا اور اسے جیتا، جہاں انواع و اقسام کا مالِ غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ سلطان قطب الدین ایبک کو جب اس کی روز افزوں فتوحات کی اطلاع ملی تو ملک محمد بختیار غوری کی عزت افزائی کے واسطے خلعت شاہی اور لوائے سلطنت بھیجا۔ ملک محمد بختیار غوری نے بھی اس کے عوض بے شمار تحائف سلطان کی خدمت میں بھیجے اور مزید انعام واکرام سے مالا مال کیا بارگاہ سلطانی کے امراء نے جب ملک محمد بختیار غوری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھی اور اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بالکل بے بس پایا تو حسد اور جلن سے انھوں نے اس کے خلاف سلطان کے کان بھرنے شروع کیے یہاں تک کہ سلطان ان کی باتوں میں آگیا اور اس نے ملک محمد بختیار غوری کو مست ہاتھی سے لڑنے کا حکم دے دیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو ملک غوری نے ہاتھی کے خرطوم پر

ایک بھاری گرز سے اتنی کاری ضرب ماری کہ وہ چکرا کر میدان سے بھاگ نکلا سلطان اس واقعے سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ملک غوری کے لیے لکھنوتی 68 کے تمام علاقے کا فرمان جاری کر دیا۔ اس کے دوسرے سال ملک غوری اپنے لشکر کے ساتھ لکھنوتی سے ندیا 69 پہنچا۔ یہ شہر آج ویران اور بُرے حال میں ہے۔ اس کا حاکم رائے لکھیہ تھا جس نے ملک محمد بختیار غوری اور اس کی طاقت کے متعلق پہلے ہی نجومیوں سے سُن رکھا تھا، چنانچہ اس کی آمد کی خبر پاتے ہیں وہ کامروپ کی جانب فرار ہو گیا اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ محمد بختیار نے معبدوں اور بُت خانوں کو مسمار اور ویران کیا، ان کی جگہ مسجدیں اور مکتب تعمیر کیے۔ اس نے دارالسلطنت کی بنیاد ڈالی اور اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام گور 70 (غور) رکھا:

آنجا کہ بود نعرہ وغوغائی مشرکان
اکنون خروش وغلغل اللہ اکبر است

اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے اور سکہ جاری کرنے کے بعد ملک بختیار غوری نے تبت اور ترکستان کے ممالک فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اُدھر روانہ ہوا جو امیر علی 71 مسیح کی کمان میں تھی۔ اس کے مقابلے کے لیے بارہ سرتاپا مسلح سوار بردھن شہر پہنچ گئے۔ ملک غوری کے راستہ میں دریائے برہم پُتر پڑتا تھا جس کا دوسرا نام برہمکوی تھا یہ دریائے گنگا سے تین چار گنا بڑا ہے۔ شاہ گشتاسپ جب ادھر آیا تھا تو اس نے اس دریا پر ایک پُل بنایا تھا اور کامردپ کے پاس سے اسے عبور کر کے آگے بڑھا تھا، ملک بختیار نے بھی اسی پُل سے اسی مقام پر دریا کو عبور کیا۔ پل کی نگرانی اور راستے کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے پیچھے چند قابل اعتماد جرنیلوں کو چھوڑا۔ پھر وہ تبت پہنچا، دس روز پہاڑوں کے دشوار راستہ طے کرنے میں گزارے آخر اسے ایک صحرا دکھائی دیا جہاں ایک بے حد مستحکم قلعہ تھا۔ اہل قلعہ گشتاسپ کی نسل سے تھے اور اس قلعے کی بنیاد بھی گشتاسپ نے ڈالی تھی، چنانچہ اہل قلعہ جنگ کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور شام تک لڑتے رہے۔ محمد

بختیار کے بہت سے آدمی کام آئے، اس نے اس جگہ خیمے گاڑ دیے تو اسے خبر ملی کہ اس شہر سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر ایک اور شہر ہے جہاں پچاس ہزار جنگجو ترک ہیں اور وہ اہل قلعہ کی امداد کو آئیں گے اس لیے دوسرے دن محمد بختیار نے وہاں ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ چونکہ اس میں مقابلے کی طاقت نہیں تھی اسی پُل پر واپس آگیا مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی جن جرنیلوں کو اس نے پل کا نگراں اور راستے کا محافظ مقرر کیا تھا کسی وجہ سے وہ آپس میں لڑ پڑے تھے جس کی وجہ سے کفار کو پُل کے دو طاق توڑنے کا موقعہ مل گیا۔ جب محمد بختیار پل کی جانب واپس آرہا تھا تو کفار اس کے تعاقب میں تھے چنانچہ اس نے پلٹ کر حملہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس مقام کے قریب ہی ایک مضبوط بُت خانہ تھا، محمد بختیار نے رات وہیں گزاری، صبح دریا پار کرنے کا سوال درپیش ہوا تو قریب ہی ایک جگہ دریا پایاب نظر آیا، اور اس کے چند آدمی وہاں سے گزر کر پار ہونے لگے ریت ریگ رواں بن گئی اور جہاں کہیں وہ پاؤں رکھتے ریت نیچے سے کھسک کر زمین میں دھنس جاتی اور اس کے بجائے پانی کا چشمہ ابل پڑتا۔ چنانچہ محمد بختیار کے اکثر لشکری اس بحر فنا میں غرق ہوگئے اور جو بچ گئے وہ تیغ کفار کا لقمہ بنے اور جام شہادت نوش کیا۔ اتنے ہزار آدمیوں میں سے محمد بختیار صرف چار سو کے ساتھ دیوکوٹ پہنچا اور رنج و اندوہ کے باعث بیماری نے مرض دق کی صورت اختیار کرلی۔ اس حالت میں وہ اکثر کہتا کہ شاید سلطان معزالدین سام کو جو حادثہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے دولت اس سے برگشتہ ہوگئی ہے۔ روز بروز اس کی حالت گرتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے امراء میں سے ایک بڑے امیر علی مردان نے جو نارنول 72 کے علاقے سے دیوکوٹ پہنچا تھا۔ جب محمد بختیار کو صاحب فراش دیکھا تو اس کے چہرے سے چادر ہٹا کر خنجر سے اس کا کام تمام کردیا۔ یہ واقعہ 603ھ/1206ء کو رونما ہوا۔ جب کہ سلطان معز الدین سام وفات پا چکا تھا۔ اسی علی مردان نے سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد بھی بڑی حکمت عملی سے عنان حکومت چھین لی تھی۔ لکھنوتی میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا، اپنا ہی سکہ جاری کیا تھا اور سلطان علاء الدین کے نام کی آڑ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا تھا۔ چونکہ وہ بڑے درجے کا کمینہ، مغرور اور بیہودہ تھا اس

لیے لکھنوتی میں بیٹھا اپنے آدمیوں میں ممالک ایران وتوران کی تقسیم کرتا رہتا اور کسی کو اس سے یہ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوتی کہ وہ ممالک تو مابدولت کے احاطہ تصرف سے باہر ہیں۔ اس لیے ان کی تقسیم یہاں کے آدمیوں میں کیسے کی جا سکتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مصیبت زدہ تاجر نے سلطان علاء الدین سے اپنے افلاس اور غربت کی شکایت کی۔ چنانچہ اس سے دریافت کیا گیا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے اصفہان کا نام بتایا۔ یہ سنتے ہی اس نے حکم دیا کہ ایک فرمان حاکم اصفہان کے نام جاری کر دیا جائے کہ وہاں کی زمین کا ایک قطعہ گزارے کے لیے تاجر مذکور کو دے دیا جائے۔ تاجر نے اس قسم کا فرمان لے جانے سے انکار کر دیا، مگر وزیروں میں سے کسی کو اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ سلطان کو اس امر کی اطلاع دیتا۔ ایک مرتبہ سلطان سے یہ کہا گیا کہ حاکم اصفہان کو نظم وضبط بحال کرنے کے لیے خرچ کی ضرورت ہے اس پر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک خطیر رقم بھیج دی جائے جو توقعات سے کہیں زیادہ تھی۔ جب اس کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے تو امرائے خلیج نے متحد ومتفق ہو کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کی جگہ ملک حسام الدین کو تخت پر بٹھا دیا جو قبخ اور گرمسیر کے امراء اور محمد بختیار کے خدمت گزاروں میں سے تھا۔ علی مردان کی حکومت کی مدت 32 سال تھی ۔ ملک حسام الدین تخت نشین ہوتے ہی ترہٹ، بنگال، جاج نگر اور کامروپ کے تمام علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس نے سلطان غیاث الدین لقب اختیار کیا۔ 622ھ/1225ء میں اس نے سلطان شمس الدین التمش کو 38 ہاتھی اور ستر ہزار تنگہ 73 علاوہ سونے چاندی کے بطور نذرانہ بھیجا اور ان کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا چنانچہ اس کا تذکرہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

624ھ/1227ء میں ملک ناصرالدین محمد بن سلطان شمس الدین التمش اپنے بعض امیروں کے ورغلانے اور اکسانے پر اودھ سے لکھنوتی روانہ ہوا۔ غیاث الدین اس وقت فوج کے ساتھ کامروپ گیا ہوا تھا۔ یہ بات اسے پتہ چلی تو وہ واپس آ گیا اور ملک ناصرالدین محمد کے ساتھ اس کی خونریز جنگ ہوئی مگر وہ اپنے امراء کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ گرفتار ہو گیا اور بعد میں ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ انھوں نے دوسال تک حکومت کی۔

ہندستان کے ان چند مسلمان بادشاہوں کا ذکر دہلی کے سلاطین بزرگ کے سلسلے میں ضروری اور مناسب تھا اور باقی ملوک معزی کے حالات میں جو ملتان اور دوسرے مقامات پر قابض رہے دوسری جگہ درج ہے۔

سلطان آرام شاہ بن قطب الدین ایبک

باپ کے بعد اس کا جانشین ہوا:

جہان را نماند بی کد خدائی
یکی گر رود دیگر آید بجائی
ھمین است رسمِ سرای فریب
پدر رفت وپائی پسر در رکیب

امراء کے اتفاق رائے سے آرام شاہ نے لاہور سے دہلی کی جانب کوچ کیا۔ اس اثناء میں سپہ سالار علی اسمٰعیل کی استدعا پر ملک شمس الدین التمش ہردوار اور بدایوں سے آکر دہلی پر قابض ہوگیا۔ واضح رہے کہ ملک شمس الدین التمش سلطان قطب الدین کا غلام، منھ بولا بیٹا اور داماد تھا۔ ملک ناصرالدین قباچہ کے ساتھ بھی اس کے باج گزارانہ تعلقات تھے۔ جب آرام شاہ نواح دہلی میں پہنچا تو ملک شمس الدین التمش اس کے مقابلے کے لیے ایک بڑی فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور دہلی کی سرحد پر صف آرا ہوا۔ اس جنگ میں آرام شاہ نے شکست کھائی اس طرح کل ملا کر آرام شاہ 74 کا عہد حکومت ایک سال یا اس سے کچھ کم وقت تھا۔

سلطان شمس الدین 75 التمش المخاطب بہ یمین امیر المومنین

607ھ/1210ء میں دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ التمش 76 کی وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ اس کی پیدائش چاند گرھن کی شب کو ہوئی اور تُرک ایسے بچہ کو التمش کہتے ہیں۔ اس کا باپ قبائل ترکستان کا سردار تھا۔ اس کے رشتہ دار ایک روز التمش کو سیر کے بہانے باغ میں لے گئے اور حضرت یوسف کی طرح ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا جہاں سے وہ بخارا اور اس کے بعد سلطان محمد سام کے عہد حکومت میں غزنی آیا۔ عین اس وقت قطب الدین ایبک نہروالہ اور گجرات کی مہم کے بعد غزنی پہنچا تھا، چونکہ بغیر حکم سلطان سام کے کوئی شخص التمش کو خرید نہیں سکتا تھا اس لیے اس نے سلطان سے اجازت طلب کی۔ سلطان محمد سام نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ، چونکہ وہ حکم دے چکے ہیں کہ غزنی میں اسے کوئی نہ خریدے اس لیے اسے دہلی لا کر فروخت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ قطب الدین ایبک دہلی واپس آیا اور یہاں آ کر اس نے ایک لاکھ تنگہ میں دو غلام خریدے۔ ایک اس کا ہم نام ایبک تھا اور دوسرا یہ التمش۔ ایک غلام کا نام امیر مغاج رکھا اور اسے تبرہندہ کا امیر مقرر کر کے بھیج دیا۔ جب قطب الدین ایبک کی جنگ تاج الدین یلدوز سے ہوئی تو یہ ایک غلام شربت فنا سے آشنا ہوا۔ اس کے بعد التمش کو اس نے اپنا منظور نظر بنایا اور گوالیار کی فتح کے بعد وہاں کی وزارت اس کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد برن 77 اور اس کے علاقے کو اس کے سپرد کر دیا۔ جب اس کی قابلیت اور پروان چڑھی تو بدایوں علاقہ بھی اس کے ماتحت کر دیا۔ کھوکھروں کی جنگ میں التمش ایک بڑا لشکر لے کر سلطان معز الدین کی مدد کے لیے گیا تھا اور اپنے مسلح گھوڑوں کو دریا میں ڈال کر اس نے ان کے ساتھ مردانہ وار جنگ آزمائی کی تھی جس کے صلے میں سلطان نے اسے القابات خسروانہ اور شایان شان خلعتوں سے نوازا تھا۔ ملک قطب الدین نے اس کی بہت سفارش کی تھی اور اس کی تربیت کی تعریف کی تھی۔ اسی دن قطب الدین نے اسے آزادی کا پروانہ عطا کیا، پھر رفتہ رفتہ اسے امیر الامراء کے منصب پر فائز کر دیا یہاں تک کہ وہ اس عالی مرتبہ تک پہنچ گیا جہاں تک اسے پہنچنا تھا۔ اس کے عہد حکومت کے ابتدائی ایام میں معزی اور قطبی امراء میں سے بعض نے بغاوت کی، ان کی سر کوبی کی گئی اور وہ سزا کا مستحق ہوا۔ جب ملک تاج الدین یلدوز خوارزم کے لشکر سے شکست کھا کر لاہو پر قابض ہوا تو التمش دہلی سے اس کے استقبال کے لیے لاہور روانہ ہوا

612ھ/1215ء میں ترائن جو تراوڑی کی سرائے کے نام سے مشہور ہے اس کی حدود میں دونوں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوئیں اور خونریز جنگ ہوئی جس میں ملک تاج الدین یلدوز نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ اسے بدایوں بھیج دیا گیا جہاں اس کی موت واقع ہوئی اور اسی شہر میں اسے دفن کر دیا گیا۔

612ھ/1215ء میں سلطان ناصر الدین قباچہ سے سلطان التمش کی جنگ ہوئی۔78 قباچہ نے سلطان قطب الدین ایبک کی دو بیٹیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے شادی کی تھی۔ اس مہم میں بھی سلطان التمش کو فتح نصیب ہوئی۔ تیسری مرتبہ پھر اس کا مقابلہ سلطان ناصرالدین قباچہ سے ہوا۔ وہ حصارِ اُچہ کو مستحکم کر کے خود قلعہ بھنکر کی جانب چلا گیا۔ نظام الملک وزیر جنیدی نے اس کا پیچھا کیا اسی عرصے میں التمش نے قلعہ اُچہ فتح کرلیا۔ جب اس کی خبر سلطان ناصرالدین قباچہ کو ملی تو اس نے اپنے بیٹے بہرام شاہ کو سلطان التمش کی خدمت میں بھیجا اور صلح کی درخواست کی، بعد میں قلعہ بھنگر بھی قبضہ میں آ گیا۔

615ھ/1218ء میں ناصر الدین پنجاب میں فوت ہوا اس کے مرنے کی وجہ سیلاب تھی۔ اس لیے سلطان التمش دہلی واپس آ گیا 618ھ 1221ء میں اس نے سلطان جلال الدین منکبرتی نے79 خوارزم شاہ پر لشکر کشی کی جو چنگیز خاں سے شکست کھا کر تاج الدین یلدوز کے بعد غزنی پہنچا تھا۔ پھر وہاں سے بھی خائف ہو کر اپنے متعلقین کے ساتھ لاہور آ گیا تھا۔ سلطان جلال الدین اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر سندھ اور سیستان کی جانب چلا گیا، وہاں سے کچھ اور مکران کے راستہ کرمان اور عراق پہنچا۔

622ھ/1225ء میں سلطان التمش نے بہار اور لکھنوتی کا رُخ کیا اور سلطان غیاث الدین خلجی جس کا ذکر آ چکا ہے تحفہ قبول کرنے کے بعد اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اپنا سکہ جاری کیا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو سلطان ناصر الدین محمد کا خطاب دے کر ولی عہد مقرر کیا اور وہ علاقہ اس کے سپرد کر کے خود دہلی واپس آ گیا، بعد میں سلطان ناصرالدین محمد اور غیاث الدین خلجی کے درمیان جنگ چھڑ گئی، جس میں سلطان غیاث الدین خلجی کو شکست ہوئی اور وہ سلطان ناصرالدین محمود کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس معرکے میں لوٹ مار کا جو سامان

سلطان ناصر الدین محمود کو ملا اس نے اسے کئی حصوں میں تقسیم کیا اور امرائے دہلی میں سے ہر ایک کو بطور ہدیہ الگ الگ حصہ بھیجا۔

کہتے ہیں کہ ناصر علی نامی ایک شاعر دہلی سے خواجہ قطب الدین اوشی 80 قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو بتایا کہ اس نے ایک قصیدہ سلطان التمش کی مدح میں کہا ہے۔ اس نے حضرت قدس سرہ سے درخواست کی کہ وہ فاتحہ خوانی کریں تاکہ اسے ثواب ملے، چنانچہ انھوں نے فاتحہ خوانی کی اس کے بعد وہ سلطان التمش کی مجلس میں آیا اور یہ مطلع پڑھا:

ای فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

ایک ہی بار پڑھنے سے یہ مصرعہ سلطان التمش کو ازبر ہوگیا اور اس پر اثر ہوا۔ اس کے بعد جب شاعر نے پورا قصیدہ سنایا تو سلطان نے دریافت کیا کہ کل کتنے شعر ہوئے؟ جب شاعر نے بتایا کہ 53 شعر ہوئے، تو سلطان نے حکم دیا کہ 53 ہزار تنگہ سفید ناصری شاعر کو بطور انعام دیا جائے۔

623ھ/1226ء میں سلطان التمش نے رنتھنبور کا ارادہ کیا اور اسے فتح کیا۔ اس کے بعد ایک لشکر لے کر 624ھ/1227 میں مندر کے قلعہ کی فتح کے لیے بھیجا جو شوالک کی پہاڑی کے فتح کے درمیان میں پیش آیا اور وہ دہلی واپس آگیا۔ اسی سال امیر روحانی جس کا شمار فاضل روزگار اور دانشمندوں میں ہوتا تھا چنگیز خان کے ہاتھوں پریشان ہوکر دہلی میں وارد ہوا۔ اس نے ان فتوحات کی خوشی کے موقعے پر قصائد لکھے۔

626ھ/1229ء میں کچھ عرب سفیر اس لیے القاب اور خلعت مصر 81 سے لے کر آئے اس خوشی میں شہر کو خوب سجایا گیا خوب صورت محرابیں بنائی گئیں اور جشن کی محفل اور خوشیوں کا جلسہ منعقد کیا گیا۔ اسی سال اسے اطلاع ملی کہ اس کا بڑا لڑکا سلطان ناصرالدین محمد لکھنوتی میں انتقال کرگیا ہے، غم سے فراغت کے بعد سلطان نے اپنے چھوٹے لڑکے کا نام ناصرالدین رکھ دیا۔ کتاب طبقات ناصری اسی کے نام سے موسوم ہے۔

627ھ/1230ء میں وہ خود لکھنوتی پہنچا اور وہاں کے فتنے کو زیر پا کیا اور حکومت عزالملک علاء الدین خانی کے سپرد کر کے خود پایہ تخت کو واپس چلا گیا۔ 629ھ/1232ء میں اس نے گوالیار کے قلعے کو فتح کیا اور دبیر مملکت تاج الدین یلدوز نے اس قلعے کی گھیرا بندی کے موقعے پر ذیل کی رباعی کہی جسے پتھر پر کندہ کر دیا گیا:

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت
از عون خدا نصرت دین بگرفت
آن قلعہ کالیور وآن حصن حصین
درستمائیہ سن 82 ثلثین بگرفت

ظاہراً یہ تاریخ محاصرہ ہے جو ایک سال پہلے کہی گئی تھی، قلعہ ایک سال کے بعد قبضے میں آیا 631ھ/1233ء میں اس نے صوبہ مالوہ کی طرف یورش کی، بھیلسا83 کو فتح کیا۔ اس کے بعد شہر اجین کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قبضہ کیا۔ اس میں ایک بت خانہ تھا جس کا نام مہاکال تھا، اس کی تعمیر ہوئے چھ سو سال ہو چکے تھے اسے برباد کیا یہاں تک اس کی بنیادوں کو بھی اُکھاڑ پھینکا۔ راجہ بکرماجیت کا ایک مجسمہ بھی وہاں نصب تھا اسے بھی گرا دیا۔ واضح رہے کہ یہی وہ بکرماجیت ہے جس کے نام سے ایک سن بھی جاری ہے اور راقم الحروف نے خلیفہ الرحمانی شہنشاہی ظل الٰہی کے حکم سے پہلے 972ھ اور دوبارہ 1003ھ/1554- 1594ء میں ہندو پنڈتوں کی مدد سے اسی راجہ کے متعلق 32 نادر اور عجیب وغریب کہانیوں کا ہندی زبان سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس مجموعہ کا نام خرد افزا 84 رکھا۔ یہاں سے سلطان پیتل کے کچھ مجسمے بھی اپنے ہمراہ لے گیا جنھیں اس نے دہلی کی جامع مسجد کے دروازے کے پاس رکھ دیا اور حکم دیا کہ لوگ آتے جاتے انھیں پامال کریں۔ ایک بار پھر وہ بڑی فوج کے ساتھ ملتان پہنچا۔ مگر بدقسمتی سے اسی سفر میں اسے ایک جسمانی مرض لاحق ہو گیا اور 633ھ/1235ء میں فوت ہوا۔ اس نے 26 سال حکومت کی تھی:

وز ان سردآمد این کاخ دلاویز
کہ چون جاگرم کردی گویدت خیز

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ سلطان التمش سرد مزاج تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اس کے دل میں آیا کہ کسی خوبصورت حسین کنیز کی صحبت سے لطف اندوز ہو مگر قوت مردی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور کئی بار ایسا ہی ہوا۔ ایک دن جب کہ وہ کنیز سلطان کے سر میں تیل ڈال رہی تھی تو اس حسین کنیز کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے سلطان کے سر پر گر پڑے سلطان نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ بڑے پس و پیش کے بعد آخر کنیز نے بتایا کہ اس کا ایک بھائی تھا جس کا سر سلطان کی طرح گنجا تھا اس لیے سر میں تیل ڈالتے ہوئے کنیز کے دل میں اپنے بھائی کی یاد تازہ ہوگئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے کنیز نے یہ بھی بتایا کہ اس کا بھائی ایک مرتبہ قید ہو چکا تھا۔ چونکہ سلطان بھی قید ہوا تھا اس لیے اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا کنیز مذکور اس کی بہن ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کنیز کو شاید اسی وجہ سے حرام کاری سے بچائے رکھا۔ راقم الحروف نے خلیفۂ آفاق یعنی اکبر شاہ خلد اللہ کی زبانی پہلے فتح پور اور اس کے بعد لاہور میں بھی ایک رات یہ بات سنی تھی جب کہ انھوں نے پایہ تخت کی خلوت گاہ میں بلا کر راقم الحروف کے ساتھ مختلف موضوعات پر باتیں کی تھیں۔ اس کے علاوہ سلطان غیاث الدین بلبن سے بھی یہی روایت منقول ہے۔ بلکہ اس نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جب سلطان التمش نے ارادہ مباشرت کیا تھا تو کنیز کو حیض جاری ہوگیا تھا۔

سلطان رکن الدین فیروز شاہ بن شمس الدین التمش

اپنے والد کے عہد حکومت میں سطان رکن الدین فیروز شاہ چند مرتبہ بدایوں کے اضلاع کا مختار رہا تھا۔ اس کے بعد چتر شاہی اور عصائے اختیارات بھی حاصل کیا تھا اور جب لاہور کے سیاہ و سفید کا مالک تھا تو اس کی حیثیت ولی عہد کی تھی۔ سلطان التمش کے

انتقال کے بعد تمام امراء کی متفقہ رائے سے 633ھ/1235ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے دبیر ملک تاج الدین یلدوز نے اس تقریب سعید میں ایک تہنیتی قصیدہ کہا تھا:

مبارک باد ملک جاودانی
ملک راخاصہ درعہد جوانی
یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد
درش از یمن چون رکن ایمانی

جب تخت نشین ہوا تو شاہی خزانوں کے منہ کھول کر اس نے خوب داد عیش و عشرت دی اور اپنے اوقات گرامی طوائفوں اور رزیلوں کی صحبت میں صرف کیے:

دل چوبہی خانہ گرایدترا
جز مغ ومطرب کہ ستاید ترا

اس کی والدہ ترکان خاتون، ایک ترکی کنیز تھی۔ وہ حرم کی دوسری خواتین کو بہت تنگ کرتی۔ سلطان کا بڑا لڑکا قطب الدین دوسرے کے بطن سے تھا۔ اس نے اسے بھی قتل کروا دیا تھا۔ سلطان رکن الدین کی عیش کوشی اور غفلت شعاری کے سبب خزانہ خالی ہوتا جارہا تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی ملک غیاث الدین محمد شاہ جو اودھ کا حاکم تھا جب اس نے یہ حالت دیکھی تو بغاوت کردی۔ ساتھ ہی اس نے عزالدین وکبیر خان سلطانی والئی ملتان اور ملک سیف الدین ضابطہ ہانسی کو بھی خطوط لکھے اور انھیں آمادہ کیا کہ سلطان کی مخالفت کریں۔ سلطان رکن الدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو فتنے کو دبانے کی غرض سے منصور پور اور ترائن کے حوالی میں پہنچ گیا۔ اس واقعہ سے پہلے نظام الملک جنیدی وزیر ووکیل ممالک ہندستان کے ڈر سے کیلو کھڑی کی راہِ فرار اختیار کر کے کول میں ملک عزالدین محمد سالاری سے جا ملا تھا۔ لشکر کے دوسرے باقی ماندہ معتبر امراء منصور پور کے علاقے سے واپس دہلی چلے گئے اور وہاں رضیہ خاتون سے بیعت کرلی جو سلطان التمش کی بڑی لڑکی تھی اور اپنے

والد کی وصیت کے مطابق اسی کو حق ولی عہدی پہنچتا تھا۔ وہ شجاعت، سخاوت اور فراست جیسی پسندیدہ خصلتوں کی حامل تھی۔

انھوں نے اسے تخت سلطنت پر بیٹھایا اور ترکان خاتون85 کو قید کردیا۔ جب سلطان واپس ہوا اور ابھی کیلوکھڑی پہنچا تھا، تو سلطان رضیہ اس کے استقبال کے لیے بڑے لشکر کے ساتھ دہلی سے باہر نکلی اور بغیر جنگ کیے اسے گرفتار کر کے قید کردیا۔ وہ قید کی حالت میں ۱۸ ربیع الاول 1236/634ء کو انتقال کرگیا۔ اس نے چھ ماہ سے کچھ زیادہ عرصے تک حکومت کی تھی۔

سلطان رکن الدین کے ہم عصر شعراء اور اساتذہ میں سے ایک شہاب الدین مہمرہ 86بدایونی تھا۔ امیر خسروؒ نے اپنے ایک قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے:

در بدایون مہمرہ سرمست برخیزد زخواب
گر بر آید غلغلہ مرغانِ دہلی زین توا

ملک الکلام توکلی نے اسے استادی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ استاد الشعراء شہاب مہمرہ بدایونی کے ایک قصیدے کا انتخاب ذیل ہے۔ اس لیے درج کیا جارہا ہے کہ احباب کے دلوں میں اس کی یاد تازہ ہو اور راقم الحروف کا حق ہم شہری ادا ہو:

از زبان گرچہ شگافم مولیٰ ھنگام بیان
ورثنائی حق زحیرت ھمچو مورم بی زبان
درپی زنجیر مویان پر پرواز ھوس
بستہ ام بسیار چون موران زدل جان برمیان
وزبرای مور چشمان شکرلب و زخیال
سفتہ ام موئی سخن صدرہ ز روی آسمان

تا ذخیرہ باشدم چو مور اندر مدح او
مودونیمہ کردم ویک موندیدہ از کس نشان
بعد ازین چون موربندم بردیچون کمر
وزبن ھرموی توفیقش کشایم صدزبان

یہ قصیدہ مہرہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، مولیٰ اور مور کے التزام کے ساتھ توحید نعت ختمی پناہ صلعم کی تشریح کا حق ادا کیا ہے۔

سلطان رضیہ بنت سلطان شمس الدین التمش

634ھ/1236ء میں تخت پر بیٹھی اس نے اپنے پیش نظر عدالت وانصاف کا مدعا رکھا اور ان مشکل کاموں کو حل کرنے کی کوشش کی جس میں پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ کرم ورزی کا وہ طریق کار جو عورتوں کے لیے اسی طرح معیوب تھا جس طرح مردوں کے لیے بخل۔ سلطان رضیہ نے اس پر عمل کیا۔ اس نے نظام الملک جنیدی کو اپنا وزیر اعلیٰ مقرر کیا۔ اس کے امراء کے مابین بعض وجوہات کی بنا پر آپس میں مخالفانہ جذبات پیدا ہوگئے اور وہ اعلانیہ لڑنے جھگڑنے لگے۔ سلطان رضیہ نے سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان امیروں کے گروہ میں انتشار پیدا کردیا اور ان کی طاقت بکھر گئی۔ بعض موت کے گھاٹ اتار دیا گئے۔ نظام الملک سرمو چلا گیا اور اس نے نہانخانہ عدم میں سکونت اختیار کرلی۔ خواجہ مہذب نائب اس کی جگہ وزیر اعلیٰ مقرر ہوا۔ سلطان رضیہ کی حکومت بڑی طاقتور اور مستحکم ہوگئی۔ چنانچہ اس نے رنتھنبور فوج بھیجی اور سلطان التمش کی وفات کے بعد جن مسلمانوں کو ہندوؤں نے محصور کر رکھا تھا ان کو چھٹکارا دلوایا۔ جمال الدین یاقوت حبشی جو میر آخور 87 تھا وہ اس کا اس حد تک معتمد اور قابل اعتبار ہوگیا کہ سلطان رضیہ ہاتھی اور گھوڑے کی سواری کے وقت بازو یا کندھے پر تکیہ لگا کر بیٹھتی۔ جس کی وجہ سے دوسرے امراء کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ سلطان رضیہ نے پردہ نشینی بھی ترک کردی اور مردانہ لباس پہن لیا۔ وہ

بڑی دلیری سے قبا پہنتی اور سر پر ٹوپ رکھ کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتی اور حکومت کے فرائض کو بخوبی انجام دیتی۔

637ھ/1239ء میں ملک عزالدین ایاز حاکم لاہور نے کھلے طور سے اس کی مخالفت شروع کردی۔ رضیہ نے وہاں پہنچ کر اس کے حلقے میں اضافہ کر کے ملتان بھی دے دیا۔ اسی سال اس نے تبرہندہ کی جانب بھی مہم چلائی۔ راستہ میں ترک امراء نے جب اس کی بعض ناشائستہ حرکات دیکھیں تو بغاوت کردی اور سلطان رضیہ اور جمال الدین یاقوت حبشی جو امیرالامراء کے منصب پر فائز تھا ان دونوں کو گرفتار کر کے قلعہ تبرہندہ میں بند کردیا۔ 88

سلطان معزّ الدین بہرام بن شمس الدین التمش

سلطان رضیہ کے بعد سلطان معزّ الدین بہرام تخت نشین ہوا اور دہلی پہنچا۔ اس وقت ملک اختیار الدین التونیہ حاکم تبرہندہ نے سلطان رضیہ کے ساتھ عقد کر کے تمام زمینداروں، جاٹوں اور کھوکھروں کی جماعت اور ان کے امراء میں سے چند ایک کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا اور ان کی مدد اور اعانت سے دہلی کی جانب فوجی مہم شروع کر دی تھی۔ سلطان معزالدین بہرام نے ملک بلبن خورد کو جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا۔ ملک اختیار الدین التونیہ کے مقابلے میں بھیجا۔ رضیہ بھی ملک التونیہ کے ساتھ تھی۔ جب چھوٹے بلبن کی فوج میدان جنگ میں آئی۔ رضیہ کی فوج میں انتشار پیدا ہوگیا اور وہ تبرہندہ واپس چلی گئی مگر چند روز کے بعد پھر فوج کو جمع کر کے دہلی کی فتح کے خیال سے دوبارہ روانہ ہوئی، اور قصبہ کیتھل 89 پہنچی، مگر اس بار بھی چھوٹے بلبن کے مقابلے کی وہ تاب نہ لاسکی اور شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ راستہ میں التونیہ اور رضیہ دونوں کواروں 90 کے ہاتھ آگئے اور سلطان معز الدین بہرام کے حکم سے انھیں قتل کردیا گیا۔ یہ واقعہ 637ھ/1238ء کا تھا۔ 91

سلطان رضیہ کی حکومت 3 سال 6 ماہ اور 6 روز تھی:

سری راکہ گردن برآرد بلند
ھمش بارد گردن آرد کمند

جب سلطنت کی باگ ڈور سلطان بہرام شاہ کے ہاتھ آئی تو ملک اختیار الدین اتگین جو پہلے حاجب تھا اور سلطان کی ہمشیرہ اس کے نکاح میں تھی اور نظام الملک مہذب الدین کی تائید وحمایت سے مملکت کے جملہ امور پر وہ حاوی تھا اور ہمیشہ ایک بہت بڑا ہاتھی بادشاہوں کی طرح اپنے دروازے پر باندھے رکھتا تھا۔ 638ھ/1239ء میں اسے اور نظام الملک مہذب الدین وزیر دونوں کو چند فدائیوں 92 نے سلطان کے اشارہ پر قتل کر دیا۔ اسی سال سلطان کے امراء، اکابر، اعیان، صدور اور قاضیوں کی ایک جماعت کو جو درپردہ یہ سازشیں کرتی تھی کہ کسی طرح سلطان کو تبدیل کرکے اس کی جگہ کسی دوسرے کو بٹھایا جائے، انھیں برباد کیا، اور ان میں سے بعضوں کو قتل کر دیا گیا اور کچھ کو جیسے بدرالدین سنقر، امیر حاجب وغیرہ کو بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا اور قاضی شمس الدین قاضی مارہرہ 93 کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے روند ڈالا گیا۔

639ھ/1241ء میں مغل چنگیز خان کی فوج نے آکر لاہور کا گھیرا ڈالا اور ملک قراقش حاکم لاہور آدھی رات کو بھاگ کر دہلی چلا گیا اور سلطان کو حالات کی اطلاع دی۔ سلطان نے مناسب سمجھا کہ ایسے نازک وقت میں امراء سے از سرنو بیعت کی جائے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ان سب کے مشورے سے نظام الملک وزیر کو مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پنجاب بھیجا۔ نظام الملک کا دل پہلے ہی سے سلطان کی طرف سے صاف نہیں تھا چنانچہ اس نے مکر وفریب سے سلطان کو ایک خط لکھا، جس میں اپنے ہمراہی امراء کی شکایت کی اور سلطان سے درخواست کی کہ وہ بنفس نفیس تشریف لائیں، خط کے مضمون سے سلطان نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ کچھ گڑبڑ ہے اس لیے اس نے بڑے سادہ لفظوں میں نظام الملک کو ایک فرمان کے ذریعہ اطلاع دی کہ منافق اُمراء اپنے وقت پر اس کی سزا پائیں گے مگر نظام الملک کو یہ لازم ہے کہ اس وقت ان کے ساتھ خاطر ومدارات سے پیش

آ ئے۔ نظام الملک نے سلطان کا یہ فرمان امراء کے سامنے رکھ دیا اور انھیں اپنا طرفدار بنا لیا۔ سلطان معزالدین بہرام شاہ نے شیخ الاسلام خواجگان قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز کو نظام الملک کے امیروں کے پاس بھیجا کہ وہ انھیں سمجھائیں بجھائیں اور صورت حال کو بہتر بنانے میں اس کی مدد کریں مگر سبھی کوششیں ضائع گئیں۔ شیخ الاسلام دہلی واپس تشریف لے آئے اور ان کے پیچھے پیچھے نظام الملک اور دوسرے امراء بھی پہنچ گئے اور انھوں نے دہلی کو اپنے گھیرے میں لے لیا94۔ سلطان کو گرفتار کر کے قید کرلیا اور چند روز میں اسے مار دیا اور اس کی جگہ پر دوسرے کو بادشاہ بنا دیا:

زمانہ دیر شد کین رسم دارد
کزین بستاند وبا آن سپارد

اس نے 2 سال ایک مہینہ اور 15 دن حکومت کی۔

سلطان علاؤالدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ

اپنے چچا سلطان ناصر الدین محمد اور سلطان جلال الدین جو نسب میں سلطان شمس الدین التمش سے تھے ان سب کی رائے سے وہ تخت نشین ہوا۔ اگر چہ وہ اس وقت قید خانہ میں تھا مگر عزالدین بلبن کے بڑے بیٹے نے اپنی ایک روز کی تخت نشینی کے دوران ہی اس کی رہائی کا اعلان کردیا تھا۔ ملکوں اور امیروں میں سے کوئی بھی عزالدین بلبن کی تخت نشینی پر خوش نہیں تھا اس لیے جب اس نے علاء الدین کے متعلق سنا تو ہر ایک نے اس طرف غور و خوص کیا۔ ملک قطب الدین حسن کو نائب اور ملک مہذب الدین نظام الملک کو وزیر ممالک مقرر کیا گیا مگر 640ھ/1242ء میں سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے امراء نے مہذب الدین نظام الملک کو قتل کرادیا۔

اب وزارت صدر الملک نجم الدین ابوبکر کے سپرد ہوئی۔ ملک غیاث الدین خورد جو پہنے الغ خان کے نام سے مشہور تھا اور بعد میں سلطانی کے منصب پر بحال ہوا تھا اسے امیر

حاجب مقرر کیا گیا۔ ناگور، سندھ، اور اجمیر کی حکومت ملک عزالدین بلبن کے ہاتھ آئی اور بدایوں ملک تاج الدین یلدوز کو عطا کیا گیا۔ اسی سال طغا خاں نے جو آگرہ 95 سے لکھنوتی کی جانب گیا تھا۔ شرف الملک اشعری کو ایک خط دے کر سلطان علاء الدین کی خدمت میں بھیجا اور سلطان نے چتر لعل اور خلعت خاص حاکم اودھ 96 کے توسط سے نجف خان کے پاس لکھنوتی بھیجی اور اپنے مذکورہ صدر چچا کو قید سے رہا کرایا۔ ان میں سے قنوج کا علاقہ ملک جلال الدین کے سپرد کیا اور بہرائچ ملک ناصر الدین محمد کو حوالے کیا۔ ان دونوں علاقوں میں انھوں نے پسندیدہ کارنامے دکھائے۔ 642ھ/1244ء میں مغلوں کی فوج لکھنوتی پہنچ گئی۔ قیاس یہ ہے کہ مغل تبت اور خطا کے راستے آئے ہوں گے، چنانچہ سلطان علاء الدین نے تیمور خاں قرابیگ کو طغا خان کی مدد کے لیے بھیجا اگر چہ ان دونوں نے مل کر مغلوں کو شکست دی مگر ان میں آپس میں ان بن ہوگئی۔ طغاخان دہلی چلا آیا اور لکھنوتی میں تیمور خان برقرار رہا۔ اسی سال مغلوں کے لشکر نے اُچہ کے نواح میں لوٹ مار شروع کردی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا تو وہ پوری تیزی کے ساتھ کوچ کرتا ہوا دریائے بیاہ کے کنارے پہنچا۔ جب مغلوں کو اس کی خبر ملی تو وہ محاصرہ سے دستبردار ہو کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد سلطان دہلی واپس آگیا اور اس نے گرفتاریوں اور خوں ریزی کا وہ بازار گرم کیا کہ اُمراء اور اکابر اس سے برگشتہ ہوگئے اور انھوں نے متفقہ رائے سے ملک ناصر الدین محمود کو بہرائچ سے بلا بھیجا۔ جب دہلی پہنچا تو 644ھ/1246ء میں انھوں نے سلطان علاء الدین مسعود کو گرفتار کر کے قید کر دیا جہاں وہ مر گیا اور اس نے چار سال ایک ماہ حکومت کی۔

حواشی

1. سبع مثانی ۔ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں ہیں جن سے قرآن مجید کی ابتدا ہوتی ہے، اور وہ سورہ فاتحہ ہے۔
2. حافظ ابوعبداللہ محمد بن حسن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیر ات بن الاصناف آپ صحیح بخاری کے مصنف ہیں۔ 194ھ/ 809ء میں پیدا ہوئے تھے اور 256ھ/70-869ء میں انتقال کیا۔
3. قاضی نصیرالدین ابوالخیر عبداللہ بیضاوی ابن عمر ابن محمد۔ جائے پیدائش بیضا اس لیے بیضاوی کہلاتے ہیں۔ بیضا شیراز کا یک گاؤں ہے۔ قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے • متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے الغایۃ فی الفقہ، شرح المصباح و المنہاج اور تفسیر بیضاوی زیادہ مشہور ہیں، 685ھ میں انتقال ہوا اور شیراز میں دفن ہوئے۔
4. تاریخ کشمیر کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے کیا تھا۔
5. تاریخ نظامی کے مصنف خواجہ نظام الدین احمد بن خواجہ مقیم ہروی ہیں۔ خواجہ مقیم ہروی بابر بادشاہ کے دیوان تھے اور خواجہ نظام الدین احمد اکبر بادشاہ کے

دیوان خانگی تھے جنھیں بعد میں ترقی دے کر گجرات میں بخشی مقرر کیا گیا۔ تاریخ نظامی کا شمار بڑی مستند اور شہرہ آفاق کتابوں میں ہوتا ہے۔ مصنف نے اس کا نام طبقات اکبر شاہی رکھا تھا اور یہ طبقات اکبری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ فرشتہ کی رائے میں تمام تاریخی کتابوں میں یہ سب سے زیادہ معتبر ہے جو اس کے مطالعے میں آئی۔ خواجہ نے 1003ھ/1594ء میں انتقال کیا۔

6 تاریخ مبارک شاہی۔ یہ یحییٰ بن احمد ابن عبداللہ سرہندی کی تصنیف ہے اور اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ مبارک شاہ کے عہد حکومت کے حالات اور واقعات قلمبند کیے جائیں۔ اس تاریخ کی ابتدا محمد سام، بانی سلطنت غوری سے ہوتی ہے اور اختتام سلطان سید محمد پر ہوتا ہے۔

7 نظام التواریخ۔ اس نام کی کتاب سے ملا بدایونی کی مراد وہی تاریخ نظامی ہے جس کے مصنف خواجہ نظام الدین احمد ہیں اور جن کی تصنیف طبقات اکبری کے نام سے معروف ہے۔

8 چرم خام۔ اس کا تعلق راجہ داہر کی دو کنواری لڑکیوں سے تھا جنھوں نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے دروغ بیانی سے کام لیا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب 93ھ/12-711ء میں راجہ داہر قلعہ رادر کے محاصرے میں لڑتا ہوا مارا گیا تو محمد بن قاسم نے اس کی دونوں کنواری لڑکیوں کو حبشی غلاموں کی نگرانی میں بغداد بھیج دیا۔ جب انھیں خلیفہ ولید ابن عبدالملک مروانی کے حضور میں پیش کیا گیا تو دیکھتے ہی وہ ان پر فریفتہ ہوگیا اور انھیں اپنے حرم میں رکھنے کا حکم دے دیا۔ ان لڑکیوں نے موقع غنیمت جان کر خلیفہ وقت کو ہر ممکن طریقے سے اس امر کا یقین دلایا کہ یہاں بھیجنے سے پہلے محمد بن قاسم نے ان کو تین روز اپنے پاس رکھا تھا، اس لیے وہ خلیفہ وقت کے حرم میں داخل ہونے کے قابل نہیں رہیں۔ یہ سن کر خلیفہ ولید کو بے حد غصہ آیا اور ایک حکم نامے کے ذریعے محمد بن قاسم کو لکھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اپنے آپ کو چرم خام میں سلوا کر دارالخلافہ پہنچے۔ محمد بن قاسم

اس وقت اودے پور راجستھان میں تھا۔ چنانچہ حکم پاتے ہی اس نے تعمیل کی اور اپنے آپ کو چرم خام میں بند کر کے سلوایا۔ جب چرم خام کا یہ سلا ہوا تھیلا خلیفہ ولید کے حضور میں لایا گیا، تو محمد بن قاسم اس کے اندر جان بحق تسلیم ہو چکا تھا۔ خلیفہ ولید نے سبز مہندی کی ٹہنیوں کا ایک دستہ ہاتھ میں لے کر لاش کی طرف اشارہ کیا اور ان دنوں لڑکیوں کو دکھایا جسے دیکھتے ہی لڑکیاں فوراً بول اٹھیں کہ یہ دروغ بیانی تھی اور انھوں نے اس لیے یہ دروغ گوئی کا راستہ اختیار کیا کیوں کہ انھیں محمد بن قاسم سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا تھا۔ اس لیے کہ اس کے نزدیک محمد بن قاسم اُن کے باپ کا قاتل تھا۔ اس دروغ بیانی کے عوض میں خلیفہ ولید نے یہ حکم دیا کہ دونوں لڑکیوں کو دو دیواروں کے درمیان چُن دیا جائے۔ (آئین اکبری، جلد دوم، ص، 325)

9. امیر منصور بن نوح سامانی۔ خاندان سامانی کا آٹھواں حکمراں جس نے 22 سال حکومت کی۔ اس حکومت کی بنیاد اسد بن سامان نے ڈالی تھی جو خراسان سے ماوراء النہر تک تھی۔ امیر منصور کا 366ھ/976ء میں انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا فرزند ابوالقاسم نوح تخت نشین ہوا تھا۔

10. کوہ جود۔ غزنی اور لاہور کے درمیان ایک کوہستانی علاقہ کا نام ہے۔

11. لمغانات۔ غزنی کے پہاڑوں کا ایک حصہ ہے۔ ابوالفدا اور لباب اس پر متفق ہیں۔

12. تبرہندہ۔ فرشتہ کے نزدیک بھٹنڈہ ہے اور جموں کے راجگان نامی تاریخ میں بھی یہی لکھا ہے۔

13. بہاتیہ۔ بھیرہ

14. داؤد بن نصر ملحد حاکم ملتان شیخ حمید لودھی کے پہلے حکمراں کا پوتا۔

15. امیر محمود غزنوی پہلا مشرقی حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔

16. فرشتہ کے نزدیک براستہ ہندستان کے بجائے براستہ بھٹنڈہ زیادہ صحیح ہے۔

17. یہ قلعہ قصبہ بھیم سے ایک میل کے فاصلے پر ہے اور قلعہ نگر کوٹ بھی کہلاتا ہے اور کوٹ کانگڑہ سے 35 میل کے فاصلے پر ہے۔
18. قرامطہ۔ ملحد مسلمانوں کا ایک فرقہ، جس کا بانی ایک شخص قرلمط تھا، اس نے 278ھ میں اس کی بنیاد ڈالی تھی، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جبر و تشدد سے ہر قسم کا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ 319ھ میں اس کے ایک معتقد ابوطاہر کی قیادت میں مکہ معظمہ میں خونریز جنگ ہوئی تھی۔ جس میں بے شمار آدمی قتل ہوئے تھے اور بڑی لوٹ مار مچی تھی۔ قرامطہ خانہ کعبہ سے حجر اسود بھی اٹھا کر لے گئے تھے جو بیس سال تک انہی کے پاس رہا، بحوالہ: کتاب الملل و النحل، ص 147، سیاست نامہ، نظام الملک طوسی
19. چکرسوم بت یا چکراسومن بت۔ اس کے معنی چکرا کا آقا یا دیوتا ہے۔ البیرونی کی تصنیف کتاب ماللہند جلد اول، ص، 117 پر اس کی پوری تفصیل درج ہے۔
20. بندانہ یا نندانہ، البیرونی نے لکھا ہے کہ یہ اینٹوں کا ایک قلعہ ہے جو کشمیر کے پہاڑوں میں واقع ہے۔ البیرونی کتاب مالہند، انگریزی ترجمہ از سچاؤ، ص 317)
21. فرشتہ نے قنوج کے فرمانرواں کا نام کورہ کے جگہ پر کتور رائے لکھا ہے۔
22. برنہ۔ یہی وہ مقام ہے جو برن اور بعد میں بلند شہر (اتر پردیش) کے نام سے مشہور ہوا۔ ابھی بھی بلند شہر کے ضلع میں اس نام کا ایک گاؤں واقع ہے۔
23. قلعہ مہاون/قلعہ مہابن ہے۔
24. البیرونی لکھتا ہے کہ سومناتھ کا بُت مہادیو کا لنگ تھا جسے چاند کا کوڑھ پن دور کرنے کے لیے نصب کیا تھا۔ اس کے نزدیک لفظ سومناتھ کے معنی چاند کا دیوتا ہے۔
25. پٹن، راؤدھن پور سے بیس میل اور گجرات سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔
26. آمل۔ طبرستان کا پایہ تخت اور طبرستان علامہ طبری کا مولد ہے۔
27. ساری۔ یعنی سرپارہ۔ یہ بھی طبرستان کا ایک قصبہ ہے مگر لباب کی رائے میں یہ مازندران میں واقع ہے۔

28 امیر احمد نہال تگین۔ تاریخ سبکتگین میں اسے سلطان محمود کا خانہ زاد بیٹا لکھا ہے۔

29 جرنیل ناہر کے بجائے بیہقی تلک لکھتا ہے اور فرشتہ امرائے ہند میں اسے ناتھ کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

30 المنصورہ سندھ میں واقع ہے جو پہلے بھمنوا کا شہر تھا۔ محمد بن قاسم نے اسے فتح کر کے اس نام سے منسوب کیا (آئین اکبری، تالیف ابوالفضل، جلد اول)

31 ہانسی۔ شہر حصار کے مشرق کی جانب 11 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

32 سون پت۔ جسے اب سونی پت کہتے ہیں۔ ہریانہ ضلع میں دہلی کے شمال میں واقع ہے۔

33 ضیائی۔ ضیاء الدین خجندی الفارسی شیراز کا باشندہ تھا۔ جوانی ہی میں اس نے خجند میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ سلطان کا مداح تھا۔

34 مہنہ۔ ضلع خاوران کا ایک قصبہ ہے۔

35 سرخس۔ اس شہر کو کیکاؤس نے آباد کیا تھا۔

36 زیرقان۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام غلطی سے لکھا گیا ہے۔ اصل میں زندخان ہے جو سرخس سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

37 بزغنڈ۔ برغنہ

38 ماریکلہ۔ فرشتہ اسے مرکالہ لکھتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک یہ قصبہ دریائے جہلم کے کنارے تھا ایک انگریز مصنف راورٹی اپنے ایک نوٹ میں اسے ایک دشوار گزار درہ بتایا ہے جو راولپنڈی اور اٹک کے درمیان ہے۔

39 سرخ کلاہ یعنی قزلباش۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ ترکی میں قزل کے معنی سرخ اور باش کے معنی سر ہے۔

40 پرشور۔ پشاور جس کا اصلی نام پرشوارہ تھا۔

41 قولنج۔ ایک طرح کا مرض ہے، ریڑھ میں شدید درد ہوتا ہے۔ یہ مرض کیلشیم کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

42 اسفراز۔ فرشتہ کے نزدیک اسفرائین ہے، جو نیشا پور کے نواح میں ہے۔

43 فرشتہ کے مطابق اس پر جان لیوا حملہ حمام خانہ میں ہوا تھا۔

44 البتہ اس کی ہندی کلیات کا فی الوقت کوئی سراغ نہیں ملتا۔ (مترجم)

45 اُچھ۔ ملتان سے 70 میل کے فاصلے پر ہے۔

46 قبیلہ بھتیہ کے بارے میں تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے اس نام کا ایک قلعہ بھی ملتان اور الور کے درمیان واقع تھا۔ مرآت جہاں نما میں لکھا ہے کہ اس قبیلہ کا ایک راجہ بھی تھا۔

47 پرشور۔ پشاور (پاکستان)

48 دیول۔ ٹھٹھہ دونوں ایک ہی جگہ کا نام ہے۔ دیول کا محل وقوع ''تائیفلتھلر'' اور پروفیسر عرفان حبیب کے مطابق کتاب Historical map of medieval India کراچی اور ٹھٹھ کے درمیان ہے، کراچی سے 30 میل کے فاصلے پر اور ٹھٹھہ سے ستر میل کے فاصلے پر۔ کراچی سے مشرق کی جانب یہ سمندر سے 20 میل کے فاصلے پر ہے۔ ان دو حصوں میں سے ایک میں واقع ہے جنھوں نے کسی زمانے میں مہران (سندھ) کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اگر آج کے پاکستان کا مخصوص نقشے اور دنیا کے سیاسی نقشے پر غور کیا جائے تو اس جگہ کے وجود کا پتہ نہیں چلتا، یا تو وہ بالکل غائب ہو گیا ہے یا اس حد تک کہ کہیں نظر نہیں آتا۔

49 برہمنوں کے نزدیک شہر سیالکوٹ کی بنیاد پانچ ہزار سال قبل ایک راجہ سول یا سال نے رکھی تھی جو پانڈوؤں کا چچا یا ماموں تھا۔ اپنے نام کی مناسبت سے اس نے اس کا نام بھی سیالکوٹ رکھا تھا۔ اس خاندان نے ڈیڑھ ہزار سال تک حکومت کی تھی۔ اس کے بعد ایک سیلاب نے اسے اس حد تک تباہ و برباد کر دیا کہ ایک ہزار سال تک وہ ویران اور اجاڑ رہا۔ ایک دوسرے راجہ سالباہن نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس میں قلعہ بھی تعمیر کیا۔ اس کا تعلق سیانسل سے تھا اور اسی وجہ سے کچھ کا خیال ہے کہ سیالکوٹ کا نام سالباہن نے رکھا تھا اور لفظ سیا

کی بنا پر اس کا نام سیالکوٹ رکھا۔ بلاشبہ شہاب الدین غوری اس وقت لاہور پر حملہ آور ہوا تھا۔ جب وہاں غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ خسرو ملک حکمران تھا اور سیالکوٹ پر بھی اس نے چڑھائی کی تھی جو ایک ہندو راجہ کے زیرِ نگین تھا اور وہ اس پر غالب آیا تھا۔ مگر جہاں تک سیالکوٹ کی بنیاد رکھنے کا تعلق ہے وہ غلط ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد تو کئی ہزار سال قبل رکھی گئی تھی۔ البتہ اتنا صحیح ہے کہ راجہ سالباہن نے جو قلعہ بنایا تھا اس کی حالت خراب و خستہ تھی اور یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس نے اس کی مرمت کی تھی۔ پنجاب گزیٹر۔

50 سرسوتی / سرسوتی۔ زمانہ قدیم میں یہ ہندو مذہب کے عقائد کے مطابق تین پاک ندیوں گنگا، جمنا اور سرسوتی ہوا کرتی تھی۔ جو اپنا سنگم الہ آباد میں بنائے ہوئے تھی آج صرف گنگا اور جمنا ہے ہندو قول کے مطابق سرسوتی لپت (غائب یا روپوشی اختیار کر لی ہے) ہو چکی ہے۔

51 کہرام۔ دہلی سے 70 کوس کے فاصلے پر واقع ہے ابھی یہ جگہ ضلع ہریانہ میں ہے۔

52 قلعہ کول۔ آگرہ سے 40 میل پر شمالی جانب واقع ہے۔

53 دریائے اٹک کے اس پار غزنی کی شاہراہ ہے۔ فرشتہ نے اسے رہتک لکھا ہے جو غلط جان پڑتا ہے۔

54 ہیرا۔ (الماس)

55 ملاحدہ کی ایک جماعت۔ جن کا سرغنہ حسن بن صباح تھا جسے قلعہ الموت کا ساحر بھی کہتے ہیں۔

56 سلطان قطب الدین کے نام کے ساتھ لفظ ایبک کا اضافہ اور اس کی تشریح کے بارے میں اختلاف ہے۔ ملا بدایونی نے لکھا ہے اور دوسرے مورخین کی اکثریت اس بات پر اتفاق رکھتی ہے کہ ایبک ترکی لفظ ہے۔ حالانکہ ترکی لفظ ایبک کے لفظی معنی مرغ کی کلغی ہے اور ترکی زبان میں انگلی کے لیے پرمق کا استعمال ہوتا ہے اگر اس لفظ کو مرکب سمجھا جائے تو اس کے معنی مختلف ہو جائیں

گے۔ ترکی میں ای کے معنی چاند اور بک کے معنی آقا یعنی چاند آقا یا چاند کا دیوتا کے ہیں۔

57 بہاء الدین محمد اوشی فرخانی عالم و فاضل شخص تھا۔ عوفی کے نزدیک وہ بہت بڑا مقرر بھی تھا اور نظم و نثر دونوں اصناف تحریر میں خوب لکھتا تھا۔

58 سنگ سوراخ۔ غزنی اور پنجاب (پاکستان) کے درمیان ایک راستے کا نام ہے۔

59 مؤلف کی مراد یہاں پر ہندستان کا پہلا مسلمان بادشاہ ہے۔

60 اُچھ۔ یہ ملتان سے 70 میل جنوب مغربی جانب واقع ہے۔ ٹائیفنتھلر لکھتا ہے کہ اس نام کے تحت سات گاؤں کی ایک بستی ہے اس میں سے ایک گاؤں میں سید بخاری کا مقبرہ ہے اور یہی گاؤں ان تمام گاؤں میں زیادہ ممتاز ہے جو اوچھ کہلاتا ہے۔

61 اس سے الگ بات طبقات ناصری میں مذکور ہے، قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد قباچہ اس نیت سے اوچھ اور ملتان کی جانب روانہ ہوا تھا کہ ان مقامات پر قبضہ مخالفانہ کرے نیز اس نے قطب الدین ایبک کی دو بیٹیوں سے شادی کی تھی۔

62 یہ سن تاج المآثر میں 612ھ/ بمطابق 1215ء لکھا ہے۔

63 طبقات ناصری کے مطابق وہ ڈوب کر مرا تھا۔

64 طبقات ناصری اور تاریخ الفی میں تھینگر لکھا ہے۔

65 اسے محمد بختیار خلجی بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا مسلمان فاتح تھا جس نے بنگال پر چڑھائی کی تھی اور ندیا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ ندیا شہر کو برباد کر دیا۔ لکھنوتی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد سے ہی بنگال دہلی کے مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ (آئین اکبری، جلد دوم)

66 صحیح نام کنپلا ہے۔ (امپریل گزیٹر)

67 منیر بھی اب بہار میں ہے پٹنہ کے نزدیک ہے اور یہاں معروف فردوسی صوفی حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کا روضہ مبارک ہے۔

68 لکھنوتی۔ یہ بنگال کا قدیمی پایہ تخت تھا جس کا اصلی نام لکشمن وتی تھا بعد میں

لکھنوتی ہوگیا، اکبر بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ آئین اکبری، طبقات ناصری، امپریل گزیٹیئر

69 ندیا یا نوادیب یہ بھاگیرتی ندی کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔ اس کی بنیاد لکشمن یعنی میر بلال سین بنگال کے راجہ نے رکھی تھی۔

70 اس امر کا کہیں تاریخ ثبوت نہیں ملتا کہ محمد بختیار غوری کے نام کی مناسبت سے اس کا نام گور (غور) رکھا گیا تھا۔ (امپریل گزیٹیئر)

71 کنج اور بج قبیلوں کا سردار۔ یہ قبیلے تبت اور لکھنوتی کے درمیان علاقوں میں رہتے تھے اور ترکوں سے مشابہت رکھتے تھے اور زبان بھی مختلف تھی نہ ہندستان سے ملتی تھی نہ تبت سے، محمد بختیار کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسی کو انھوں نے اپنا مرشد مان لیا تھا۔ (طبقات ناصری)

72 اسے نارنکوئی بھی کہتے ہیں۔

73 تنگہ۔ آئین اکبری کے مطابق موجودہ ایک روپیہ کے برابر کا یہ سکہ تھا۔

74 منہاج السراج نے لکھا ہے کہ آرام شاہ کے انتقال کے وقت ہندستان کی حکومت چار بڑے صوبوں میں بٹی ہوئی تھی۔ سندھ ناصر الدین قباچہ کے قبضے میں تھا، لکھنوتی علی مردان جو خلجی حکمراں تھا اس کے پاس تھا، لاہور، سندھ، دہلی اور غزنی پر التمش کا قبضہ تھا۔ (پٹھان بادشاہ، صفحہ 40)

75 پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے دہلی میں ایک خود مختار سلطان کی حیثیت سے حکومت کی۔ اسے خلیفہ بغداد المستنصر باللہ سے سند خلافت بھی ملی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بغداد کے خلیفہ نے ہندستان کے کسی مسلمان بادشاہ اور اس کی حکومت کے وجود کو اس طرح تسلیم کیا تھا۔

76 یہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی مقدمۃ الجیش یا دستہ ہراول ہے۔ اگر اس کی املا یوں لکھی جائے ایلتمش تو سورج گرہن کے معنی حاصل ہوتے ہیں۔

77 برن۔ آج کا بلند شہر اتر پردیش آج بھی بلند شہر میں برن نام کا ایک علاقہ موجود ہے۔

78 تذکرہ الملوک کے نزدیک یہ پہلا موقع تھا کہ دونوں کے بیچ اس طرح کی مخالفت ہوئی۔ لیکن طبقات ناصری کی رائے اس سے الگ ہے۔ اس کے بیان کے مطابق ان دونوں کے درمیان اندر ہی اندر مخالفانہ جذبات دم بھر رہے تھے۔ اس دونوں رائے کے مقابلے میں ملا بدایونی کی رائے زیادہ معتبر اور پر معنی معلوم ہوتی ہے۔

79 ترکی زبان میں منکرن کے معنی سیاہ تل کے ہیں۔ چوں کہ اس کی ناک پر تل تھا اس لیے اسے منکرنی کہا گیا۔ (طبقات ناصری)

80 حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جن کا مزار مہرولی، دہلی میں ہے اور جو عام و خاص کے لیے باعث زیارت ہے۔ کاکی یعنی کاک جس کے معنی کیک یا روٹی کے ہیں۔ حضرت خضر خواجہ کے خاندان کے لیے روٹیاں بھیجا کرتے تھے اس لیے وہ کاکی کہلائے۔ (آئین اکبری)

81 مصر کی جگہ بغداد ہوگا، کیوں کہ خلیفہ المستنصر باللہ نے بغداد سے اسے سند خلافت وغیرہ بھیجی تھی نہ کہ مصر سے۔

82 26/ ماہ صفر 630ھ/ 1232ء (طبقاتِ ناصری)

83 بھیلسا۔ ہندو یہاں عبادت کے لیے جاتے ہیں اور اس کے قریب متعدد بودھ وِہار ہیں۔

84 طبقات شاہ جہانی کے مطابق ملا بدایونی کا انتقال 1024ھ/1615ء میں ہوا تھا نیز نامہ خرد افزا، سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ ہے۔

85 ترکان خاتون لقب بہ خداوندہ جہاں

86 شاعر کا پورا نام شہاب الدین ابن جمال الدین متمرہ ہے۔ غلطی سے مہمرہ لکھا گیا ہے وہ شہاب الدین متمرہ کے نام سے مشہور ہے۔

87 میر آخور۔ گھوڑے کا سردار، شاہی گھوڑوں کی دیکھ ریکھ کے لیے یہ عہدہ تھا اور وہ میر آخور کہلاتا تھا۔

88 طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ جمال الدین کو قتل کر دیا گیا۔

89 کیتھل سنسکرت زبان میں ہے اس کا نام کپتھالا تھا۔ کرنال سے 38 میل کے فاصلے پر ہے اور کپورتھلا جو ابھی کے پنجاب صوبے میں واقع ہے۔

90 یہ ہندو جاٹوں کی ایک نسل ہے صحیح لفظ گنواره معلوم ہوتا ہے اس ذات کے لوگ گوہانہ کے دیہات اور دریائے جمنا کے آس پاس اتر پردیش کا گنگا اور جمنا کے بیچ کا علاقہ ہے۔

91 تاریخ وفات میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ فوجوں کی مڈبھیر 4/ربیع الاول 637ھ/1238 کو ہوئی تھی اور رضیہ اور التونیہ دونوں اس ماہ کی 25 تاریخ کو قتل کردیے گئے تھے چوں کہ رضیہ 634ھ میں تخت نشین ہوئی تھی اس لیے 637ھ سن وفات صحیح معلوم ہوتا ہے۔

92 فرشتہ کے نزدیک دو ترک شراب میں مست تھے۔

93 طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ ایک درویش کی چال بازیوں اور حیلہ سازیوں کا یہ نتیجہ تھا جو حسد کے مارے قاضی مارہرہ کی مقبولیت برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

94 ہفتہ 19 شعبان 639ھ کو محاصرہ کیا جو شعبان کے مہینے تک رہا۔ (طبقات ناصری)

95 اگرہ۔ غلط ہے۔ اس کے بجائے کڑہ ہونا چاہیے جو دریائے گنگا کے کنارے آباد تھا۔ یہ مقام اکبر بادشاہ سے پہلے پایہ تخت تھا۔ (امپریل گزیٹیئر)

96 قاضی جلال الدین کاشانی۔

سلطان ناصر الدین محمود بن شمس الدین التمش

644ھ/1246ء میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے چھوٹے غیاث الدین جو غیاث الدین خورد کے نام سے مشہور تھا، کو اپنا وزیر بنایا جو وہ اس کے والد کا غلام اور داماد تھا۔ تخت نشینی کے وقت بے شمار تحفے سلطان ناصرالدین کی خدمت میں پیش کیے گیے اور شاعروں نے ان کی مدح میں اشعار پیش کیے۔ ان میں سے چند اشعار یہ ہیں:

آن خداوندی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است
ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است
آن جہان داری کہ سقف چرخ در ایوان او
در علو مرتبت گوئی فرودین پوشش است
سکہ زالقاب میمونش چہ انداز دست نو
خطبہ رازسم ہمایونش چومایہ نازش است

[وہ خداوند جس کا بذل حاتم جیسا اور اس کی سعی رستم مانند ہے وہ دنیا اور دین دونوں کے لیے ناصر (فتح کرنے والا) ہے، اس کا نام محمود

بن التمش ہے۔
اس کے ایوان میں جو چھت ہے وہ جہاں داری کے آسمان جیسی ہے
اس کی عظمت، بڑائی اور شان وشوکت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے
کہ وہ دین کی عظمت وشوکت وشکوہ کا پردہ ہے جس کے زیر سایہ
دین کی عظمت و بزرگی قائم و دائم ہے۔
اس کی صفات کے بارے میں جو کچھ کہا جائے کم ہے کیونکہ اس کے
محمود اور پاک القاب سکّے پر گڑھے ہوئے اور نقش ہیں اور جو نماز
کے پہلے خطبہ دیا جاتا ہے وہ اس کے بیانات اور اس کی شاہی سے
پُر ہے جو مایۂ ناز ہے۔]

اس کے عدل و انصاف اور اخلاق حمیدہ کی یادگار کتاب ''طبقات ناصری'' ہے جو اس کے نام سے موسوم ہے۔ سلطان نے جمیع امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے سپرد کر کے اسے ''الغ خانی'' کے خطاب سے نوازا، ساتھ ہی اختیارات دے کر یہ تاکید کی کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اسے اور سلطان کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔ سلطان اپنے بیشتر اوقات حجرے میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دربار عام میں خاکساری سے جاتا اور بے حد سادہ لباس پہنتا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا گزارا قرآن مجید کی کتابت کی آمدنی سے کرتا۔ سلطان ناصرالدین محمود کے بارے میں اور بہت سی باتیں لوگوں کی زبانوں پر عام تھیں جن سے خلفائے راشدین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک کتاب میں راقم الحروف [مؤلف منتخب التواریخ مُلّا عبدالقادر بدایونی] نے یہ پڑھا کہ ایک روز اس کی بیوی نے شکایت کی کہ اس کے پاس کوئی کنیز نہیں، جس کی وجہ سے روٹی پکاتے پکاتے اس کے ہاتھ میں چھالے پڑ گیے ہیں۔ اس کے جواب میں سلطان نے روکر جواب دیا کہ دنیا فانی ہے کچھ دن اور صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن ایک حور اس کے عوض میں عطا کرے گا۔ اس وقت یہ ممکن نہیں ہے کہ بیت المال سے کوئی کنیز خریدی

جائے۔اس جواب کو سن کر سلطان کی بیوی مطمئن ہوگئی:

جہان خوابی است نزد چشم بیدار
بخوابی دل نبندد مرد ہشیار

[ہوشیار اور جاگتی آنکھوں کے لیے دنیا کسی خواب سے زیادہ کی حقیقت
نہیں رکھتی۔اس لیے تجھے چاہئے کہ اگر تو خود کو ہوشیار مرد سمجھتا ہے تو
اس خواب سے دل مت لگا یعنی دنیا سے زیادہ تعلق قائم مت کر]

سلطان رجب ماہ میں فوج کے ساتھ ملتان کے لیے روانہ ہوا اور ماہ ذی قعدہ میں اس نے راوی ندی کو پار کیا۔الغ خاں کو اپنے نائب کی حیثیت سے جود کی پہاڑیوں اور نندنہ کی مہم کے واسطے بھیجا اور خود سندھ ندی کے کنارے سکونت اختیار کی۔

اسی دوران الغ خاں نے اس علاقے کے سرکشوں کی سرکوبی کی اور انھیں زیر کیا۔اس نے کھوکھروں اور دوسرے شورش پسندوں کو بھی پامال کیا۔اس کے بعد سلطان کے ساتھ آملا اور پھر دونوں ایک ساتھ دہلی واپس آگیے۔ 645ھ/ 1247ء سلطان نے میوات کی مہم کا ارادہ کیا اور اسے جیتنے کے بعد دوآبہ 1 کی جانب بڑھا۔اسی سال الغ خاں کو کٹرہ کی حدود سے باغیوں کو نکالنے کے کام پر مامور کیا اور وہ بے شمار مال غنیمت لے کر دہلی لوٹا۔

646ھ/ 1248ء میں سلطان نے رنتھمبور کی جانب مہم چلائی اور اس علاقے کے باغیوں کو کچل کر واپس آیا۔ 1249/647ء میں اس نے الغ خاں کی بیٹی سے نکاح کرلیا۔

648ھ/ 1250ء میں اس نے ملتان پر چڑھائی کی۔چند روز بعد جب ملک عزالدین یعنی بڑے بلبن جو ناگور کا حاکم تھا، نے بغاوت کی تو سلطان ادھر متوجہ ہوا۔اس نے جان کی امان چاہی اور وہ پھر وفادار امراء کی فہرست میں شامل ہوگیا۔

649ھ/ 1251ء میں سلطان نے گوالیار، چندیری اور مالوہ کی جانب کوچ کیا۔راجہ جاہر دیو پانچ ہزار سوار اور دو لاکھ پیادہ فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے باہر نکلا مگر شکست

کھائی اور نرور کا قلعہ فتح کرلیا۔ اسی سال شیر خاں جو ملتان کا حاکم تھا، عزالدین نے بڑے بلبن کے ساتھ مل کر ناگور ہوتے ہوئے اُچہ کا قلعہ فتح کرلیا۔ شیر خاں نے اسی قلعے میں سکونت اختیار کرلی مگر عزالدین (بڑا بلبن) سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ سلطان نے اسے بدایوں کا حکمراں بنا دیا اور کشلو خاں کے لقب سے نوازا۔

650ھ/ 1252ء میں سلطان نے دہلی سے لاہور کا ارادہ کیا، وہاں سے ملتان اور اُچہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس سفر میں کشلو خاں بیاہ ندی تک اس کے ساتھ تھا۔

651ھ/ 1253ء میں سلطان دہلی سے کوچ کر کے تبر ھندہ، اُچہ اور ملتان پہنچا۔ یہ علاقہ شیر خاں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور سندھی اس پر قابض تھے۔ اس نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا پھر اس کو ارسلان خان کے حوالے کردیا اور خود دہلی لوٹ آیا۔

652ھ/ 1254ء میں سلطان نے بجنور کے پہاڑوں کے دامن میں لشکر جمع کیا اور جوالاپور کے پاس سے گنگا ندی پار کی۔ پھر پہاڑ کے دامن کے ساتھ چلتے چلتے رہاب ندی تک پہنچا۔ راستے میں جہاں کہیں بھی گیا کامیابی ملتی گئی اور عوام کی ایک کثیر تعداد کو گرفتار کیا پھر کٹھیر کی جانب بڑھا، وہاں سے بدایوں اور اودھ پہنچا اور اس کے بعد پایۂ تخت کو روانہ ہوا۔ ابھی زیادہ وقفہ نہیں گزرا ہوگا کہ اسے خبر ملی بعض امراء مثلاً الغ خان اعظم، ارسلان خان وغیرہ جن کو سلطان کے پاس سلطان کے بھائی ملک جلال الدین کی حمایت حاصل تھی، ان سب نے مل کر مخالفت شروع کردی ہے۔ خبر ملتے ہی سلطان نے دہلی سے کوچ کیا مگر جب وہ تبر ھندہ، کہرام اور کیتھل 2 کے علاقہ میں پہنچا تو چند امراء کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ مخالفین صلح کے واسطے آمادہ ہوگیے۔ اور اُن سب نے قسمیں کھا کھا کر اپنے جان و مال کی سلامتی چاہی اور وعدہ کیا کہ وہ سلطان کے وفادار رہیں گے۔

653ھ/ 1255ء میں سلطان کا مزاج اپنی والدہ ملکہ جہاں کی طرف سے کچھ بدل سا گیا۔ چنانچہ قتلغ خان کو جس کے حبالہ عقد میں ملکہ جہاں تھی کچھ جاگیر عطا کی اور چند روز بعد اسے وہاں سے بہرائچ بھیج دیا۔ مگر بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر وہ اتنا خائف تھا کہ بہرائچ میں زیادہ قیام نہ کر سکا اور سرمور کے پہاڑ کی جانب چلا گیا۔ جہاں ملک

عزالدین، کشلو خان اور بعض دوسرے امراء نے اس کی ہمت افزائی کی، پھر سب نے مل کر بغاوت شروع کی۔ سلطان نے الغ خان کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ادھر بھیجا۔ جب فریقین ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو شیخ الاسلام سید قطب الدین، قاضی شمس الدین بہرائچی اور کچھ دوسرے امراء نے قتلغ خاں کو ہدایت دی کہ وہ دہلی پر دھاوا بول دیں اور اس پر قبضہ کرلیں۔ دہلی کے باشندوں نے بھی اس سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جب الغ خاں نے سلطان کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے قتلغ خاں کی حوصلہ افزائی کی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اپنی جگہ چھوڑ کر منتشر ہو جائیں۔ قتلغ خاں اور عزالدین کشلو خاں نے سوکروہ 3 کی مسافرت دو دن میں طے کی اور سامانہ سے دہلی پہنچے، مگر دہلی کی جس جماعت نے ان کو طلب کیا تھا اس کے آدمیوں کا کہیں نام ونشان بھی نہ ملا۔ یہ دیکھ کر دونوں کو بے حد افسوس ہوا اور انھوں نے الگ الگ راہ سے بھاگ جانا مناسب سمجھا۔ جدھر منھ اٹھا چل دیے۔ 4 مگر بعد میں الغ خاں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

655ھ/1257ء 5 میں سلطان نے دہلی کے چند اکابر و اعیان کو شہر سے باہر جانے کا حکم صادر کیا۔ اسی سال کے آخر میں مغل اُچہ اور ملتان کی حدود میں داخل ہوئے۔ جب کہ عزالدین کشلو خاں ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انھیں روکنے میں مصروف تھا۔ سلطان بھی تیزی سے آ پہنچا۔ مغل ان دونوں کا مقابلہ ایک ساتھ نہیں کر سکے۔ اس لیے وہ خراسان کی جانب لوٹ گیے۔ اس کے بعد سلطان نے بھی سکون کی سانس لی اور اپنے پایۂ تخت کی جانب لوٹ گیا اور ملک جلال الدین جانی کو خلعت عطا کر کے لکھنوتی بھیج دیا۔

656ھ/1258ء میں ترکستان سے کچھ ایلچی سلطان کے پاس آئے جنھیں سلطان نے بے شمار انعام وکرام کے ساتھ واپس بھیجا۔ اسی سال حضرت گنج شکر 6 اصلح 7 اللہ اعلی ذکرہ کا وصال ہوا۔

658ھ/1260ء میں لکھنوتی سے بے شمار ہاتھی اور خزانے اور بے حساب جواہرات بطور تحفہ بھیجے گیے۔ اسی سال رجب کے مہینے میں ملک عزالدین کشلو خاں بلبن کا انتقال ہو گیا

اور اسی سال غوث العالم حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ نے بھی خیمۂ وصال ذوالجلال عز شانہ کے جوار قدس میں انتقال کیا۔ ایک عزیز نے یہ مصرعۂ تاریخ کہا ہے:

زتیر عشق ربانی یکی زخمی، دیگر خون شد

[عشق ربانی کے تیر سے ایک زخمی ہوا دوسرا خدا کو پیارا ہوگیا۔]

658ھ/1259ء میں سلطان ناصرالدین محمود نے میوات کے علاقوں کی مہم کی اور جب ان پر وہ پوری طرح قابض ہوگیا تو 664ھ/1265ء میں بیمار ہوگیا اور دنیا کی رونق سے دور کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس کا کوئی وارث نہ تھا جو کہ تخت پر دعویٰ کرتا اور تخت کی عظمت آگے بڑھاتا۔ اس نے 19 سال3 ماہ اور چند روز حکومت کی۔ اس کی قبر دہلی میں ہے، ہر سال اس کی قبر پر ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے:

بیاد یک نظر اعتبار کن در خاک
کہ خاک تکیہ گہ خسروان معتبر است

[زمین پر ایک نظر سے اعتبار کر کیوں کہ شاہوں اور بزرگوں کے مزارات کی مٹی بھی اعتبار اور سند کا مرتبہ رکھتی ہے۔]

اس جماعت میں سے جس نے عہد ناصری میں شاعری کا ڈنکا بجایا اور ملک العلامی کے درجے پر پہنچا، ایک شاعر شمس الدین دبیر تھا جس کی جتنی تعریف کی جائے وہ اس کے شان میں کم ہوگی۔ امیر خسرو قدس اللہ سرہٗ نے اپنے اشعار کا معیار اس کے کلیہ کو قرار دیا اور اس پر بے حد فخر و مباہات کیا۔ دیباچہ عزۃ الکمال اور اپنے کلام ہشت بہشت کے خاتمے پر انھوں نے شمس الدین دبیر کی خوبیوں کے ذکر اور اس کے اوصاف کے اظہار سے اپنی کتابوں کو سجایا اور سنوارا۔ سلطان غیاث الدین عرف چھوٹے بلبن نے جب کہ شمس الدین

دبیر کی عمر کے آخری حصہ تھا، اسے بنگالہ اور کامروپ کا منشی مقرر کر کے اپنے بڑے بیٹے نصیرالدین بغرا خاں کے پاس بھیج دیا تھا۔

ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین عمید تو کلی نے بھی قصیدہ میں لکھا ہے:

چو بردارد نگارم چند بند و زخم بر ناخن
زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

جب کہ عمید کا ذکر درمیان میں آ گیا جو جملہ ممالک ہند کا کنٹرولر تھا، تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کچھ اور نادرالوجود اشعار درج کیے جائیں، چنانچہ ذیل میں چند اشعار درج ہیں:

برخیز عمید ارنہ فرداست دل تو
بگور زغزل حمد خداوند جہان گو
مداحی درگاہ خدا کن کہ برافراشت
بی زحمت آلات بسی گنبد مینو
دوشاہ روان کرد برین طارم ارزق
پس داد ز سیارہ شان فیل زہرسُو

سلطان غیاث الدین بلبن خورد

الغ خانی خطاب تھا 664 ھ/ 1265ء میں تمام امراء اور ملوک کی رائے سے قیصر سفید میں اس نے تخت سلطنت کو زینت بخشی۔ یہ سلطان التمش کے ان چالیس غلاموں میں سے تھا جن میں سے ہر ایک منصب امارت پر فائز ہوا۔ جب کہ وہ ابھی الغ خاں تھا اور مملکت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی اس نے حکمرانی پر بخوبی قابو پالیا تھا۔ وہ رذیلوں کو کبھی اپنے حکمرانی اور دیگر معاملات میں مداخلت کا موقع نہیں دیتا تھا۔ کہتے ہیں کہ فخر نامی ایک رئیس سالہا سال تک اس کی ملازمت میں رہا ایک مرتبہ اس نے سلطان کے مقربین میں سے ایک تک کسی طرح رسائی پیدا کرلی اور اس سے یہ التجا کی کہ اگر اسے ایک بار سلطان غیاث الدین کے ساتھ بات کرنے کا موقع مل جائے تو وہ اپنی تمام قیمتی چیز خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان اس کے بدلے میں دے دے گا۔ جب اس التجا کی خبر سلطان کے کانوں تک پہنچی تو اس نے اسے گوارہ نہیں کیا۔ اسؒ نے یہ کہلا بھیجا کہ سفلوں اور رذیلوں کے ساتھ بات کرنا اس کی شان کے خلاف ہے وہ ظلم و تشدّد کے سخت خلاف تھا۔ ان میں سے ایک دو کو تو مدعیوں کے حوالے کر دیا گیا تا کہ وہ خود اُن سے قصاص لیں۔ جن امیروں نے زر قصاص ادا کر دیا وہ جب تک زندہ رہے شرم کے مارے اپنے گھر سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گیے:

نامداری بعدل و داد بود
ظلم و شاھی چراغ و باد بود

[اس کے عدل و انصاف و داد کی شہرت ایک مثال ہے کیونکہ بادشاہت اور ظلم میں وہی تعلق ہے جو چراغ اور ہوا میں ہوتا ہے۔]

اس کے تمام اوصاف حمیدہ کا اس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی بے طہارت نہیں رہتا تھا اور مجالس وعظ میں بے حد گریہ و زاری کیا کرتا۔ مگر ان تمام باتوں کے ساتھ ہی وہ سرکشوں اور باغیوں کا سر کچلنے میں بڑی سختی کرتا تھا:

فرّ کیخسروی ازین جاہ نواست
کہ جہان را بہ علم و عدل آراست
روز خلوت گلیم پوشیدی
ھم نازو نیاز کو شیدی
روی برریگ و دل چو دیگ بجوش
دل سخن گستر و زبان خاموش
تابدیدی دلش بدیدہ راز
دید پنہانی این نشیب و فراز

[اس کی عظمت اور بزرگی و بادشاہی کا شکوہ قابل بیان ہے کہ جس نے دنیا کو اپنے علم و انصاف سے سنوارا ہے جب وہ تنہائی میں ہوتا ہے تو گلیم (فقیری لباس) پہنتا ہے اور ناز و نیاز میں مشغول رہتا ہے دل کو معاملات دنیا سے جدا اور دل کو دنیا سے بیزار اور جس طرح کہ کسی دیگ میں جوش آتا ہے اسی طرح سے خود کو الگ تھلگ کیے رہتا

ہے دل سے وہ سب کچھ بیان کر دیتا ہے مگر زبان خاموش رہتی ہے تم
جب تک اپنی آنکھوں سے اس کے دل تک پہنچو گے تو اس کے
معاملات میں نشیب و فراز کی پوشیدگی پر تمہارری نظر پڑ سکتی ہے۔]

اسی سال تاتار خاں جو ارسلان خاں کا لڑکا تھا، اُس نے لکھنوتی سے 63 ہاتھی بطور تحفہ بھیجے اور اسی سال نیپالی 8 اور کنپلہ 9 جاتے ہوئے بھوجپور 10، کچھ، نیپالی اور کنپلہ کے قلعے مسخر کیے۔ پانچ ہزار سوار کے ساتھ جود پہاڑ کی مہم کی تیاری کے بہانے اس نے دریائے گنگا عبور کیا۔ دہلی کی روانگی سے دو روز قبل وہ کاتیر 11 کے علاقے میں پہنچ گیا جہاں اس نے ہر مرد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ آٹھ سال کے بچے کو بھی نہیں چھوڑا اور عورتوں کو قید کر دیا۔ اس علاقے کے باشندوں کو اس نے ایسی سزائیں دیں کہ جلال الدین کے عہد تک بدایوں اور امروہہ کی مملکت کاتیھروں کے شر سے محفوظ رہی۔ بہار، جونپور اور مشرقی ہندستان جانے والے تمام راستے جو پہلے بند تھے، اس نے ان سب کو کھول دیا نیز میوات کی مملکت جو دوآبہ کے درمیان واقع ہے اسے طاقتور سرداروں کے سپرد کیا اور ان کو حکم دیا کہ باغیوں کو قتل کر دیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور کچھ باغیوں کو قید بھی کیا گیا اس کے بعد سلطان نے سنتور کی پہاڑی کے دامن میں آباد علاقے پر چڑھائی کی اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سلطان معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں یہ علاقہ مغلوں کے ہاتھوں بری طرح ویران ہوا تھا اور اس وقت تک اسی حالت میں برقرار تھا اور یہیں سلطان بیمار پڑ گیا۔ اس کی بیماری کی خبر جب لکھنوتی پہنچی تو طغرل خان جو نائب امین خان جسے شیر خان کے بعد وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، سرکشی کی اور اپنے مالک امین خان کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ امین خان نے اسے شکست دی اور اسے قید کرنے کے بعد شان و شوکت سے شاہی سازوسامان، پر قبضہ کر لیا اور اس نے اپنا لقب سلطان معزالدین رکھا۔ سلطان غیاث الدین بھی طغرل کے خلاف فوج لے کر پہنچا تھا مگر وہ جاج نگر اور تار کیلہ کی جانب نکل گیا اس لیے ملک اختیارالدین برلاس کو اس کے تعاقب کا حکم دیا گیا۔ سنارگاؤں کے راجہ دھنوج

نے سلطان کو یہ پیش کش کی کہ وہ طغرل اور ملک اختیارالدین کو پکڑ کر لائے گا۔ طغرل جنگل کی جانب بھاگ گیا تھا۔ ایک روز غفلت میں پا کر اس کا سر کاٹ دیا اور اسے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے وہ مملکت اپنے بڑے بیٹے بغرا خان، جو کہ سامانہ کا حاکم تھا اُس کو چتر اور عصائے اختیار کے ساتھ دے دی۔ بغراخان بعد میں سلطان ناصرالدین کے خطاب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد سلطان پایہ تخت کو واپس لوٹ گیا۔ چونکہ شیرخان کی وفات کے بعد مغلوں کی آمد و رفت کا راستہ کھل گیا تھا۔ واضح رہے کہ بغرا خاں شیر خان کا چچا زاد بھائی اور سلطان شمس الدین التمش کے چالیس غلاموں میں سے تھا۔ 12 اسے لاہور اور دیپال پور کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور اس نے غزنی میں سلطان ناصرالدین کے نام کا خطبہ بھی پڑھوایا تھا۔ اس کے عہد میں مغلوں کی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ ہندستان کا رخ کرتے مگر اس کی وفات کے بعد وہ بات قائم نہ رہ سکی اس لیے سلطان بلبن نے اس فتنے کے تدارک کے لیے اپنے بڑے بیٹے سلطان محمد کو جو خان شہید اور قآن ملک کے خطاب سے نوازا تھا۔ چتر، عصا و اختیار سلطنت کے دوسرے امتیازی نشانات اور ساز و سامان دے کر ولی عہد بنایااور سندھ اس کے سپرد کر کے ملتان بھیجا۔ ٹھٹھہ تک کا تمام علاقہ اور سمندری کنارہ اس کے قبضے میں تھا۔ امیر خسرو دہلوی اور امیر حسن دہلوی ملتان میں پانچ سال تک اس کی خدمت میں رہے اور ان کا شمار قریبی دوستوں کے زمرے میں ہوتا تھا۔ سلطان نے ملتان سے دو مرتبہ بے شمار سونے اور دوسرے قیمتی چیزیں شیراز بھیجیں اور شیخ سعدی سے آنے کی درخواست کی۔ شیخ نے پیرانہ سالی کا عذر کیا اور خط میں اس نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ امیر خسرو کی اچھی طرح خاطر و مدارات کی جائے اس کے علاوہ امیر خسرو کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ سے تعریف کے اشعار لکھ کر بھیجے۔ سلطان محمد کا معمول تھا کہ ہر سال سلطان بلبن کو دیکھنے کے لیے دہلی آتا اور خلعت اور انعام واکرام سے مالا مال ہو کر واپس جاتا۔ آخری بار جب کہ ان کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی سلطان نے خلوت میں سلطان محمد کو کچھ نصیحتیں کیں اور اسے لاہور روانگی کی اجازت دے کر ملتان روانہ کیا۔ اسی سال ایتمر مغل نے تیس ہزار سواروں کے ساتھ دریائے راوی کو لاہور کے پُل کے ذریعہ

عبور کیا اور اس شہر میں ایک بڑے فتنے کو انجام دیا۔ لاہور کے حاکم نے اس بات کی اطلاع خان شہید کو لکھ بھیجی مگر اس نے اپنی مجلس میں جب خط پڑھ کر سنایا تو بجائے تیس ہزار بڑی فوج لے کر تیزی سے سریہ 13 پہنچا۔ جو راوی ندی پر تھا وہ کفر سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ 683 ھ/1283ء 14 میں رونما ہوا تھا۔ اس سلسلے میں امیر حسن دہلوی 15 نے ایک مرثیہ میں لکھ کر دہلی بھیجا۔

امیر خسرو کی گرفتاری

اس لڑائی میں امیر خسرو بھی سلطان محمد کے ساتھ تھے۔ انھیں ایک مغل سردار کے غلام نے گرفتار کر لیا۔ وہ ظالم ان کے سر پر اپنے گھوڑے کے کھانے کا جھول اٹھوایا کرتا تھا۔ اس سارے واقعہ کو انھوں نے نہایت پر اثر انداز میں قلم بند کیا ہے۔ انھوں نے سلطان کی شہادت کے متعلق دو مرثیے بھی لکھے ہیں۔16 ان کی پہلی نظم کا مطلع ہے:

منکہ بر سر نمی نہادم گل
بار بر سر نہاد و گفتا جل

[میں نے سر پر کوئی پھول نہیں ڈھویا ہے سچ بات تو یہ ہے کہ میں نے
سر پر بوجھا اٹھایا ہوا تھا جس طرح سے گھوڑے اور گدھے جھول میں
سامان ڈھوتے ہیں۔]

جب یہ دہلی پہنچا تو ایک مہینے تک لوگ انھیں مجلسوں میں پڑھتے اور اپنے ہلاک ہونے والے عزیزوں کو یاد کر کے روتے رہے۔

بلبن کی وفات

جب سلطان بلبن کو اس شکست اور سلطان محمد کی شہادت کی اطلاع ملی تو اسے بہت صدمہ ہوا اور بہت دنوں تک اس کے ماتم میں کھویا رہا۔ ان مراسم سے فراغت ہوئی تو اس نے اپنے دوسرے لڑکے بغرا خاں۔ جسے ناصر الدین کا خطاب دے کر لکھنوتی کی حکومت عطا کی تھی خط لکھا کہ ''تمہارا بھائی اس طرح مارا گیا اب تم ہی اس کے قائم مقام ہو اور اب تمہاری ہی صورت دیکھ کر اس غم کو بھلانا چاہتا ہوں اس لیے تم فوراً ہی یہاں چلے آؤ۔'' بغراخاں کو لکھنوتی میں مستقل حکومت ملی ہوئی تھی اور وہاں اس کا دل لگ گیا تھا اس لیے اس نے باپ کے بلانے پر پس وپیش کیا اور آنے میں کافی دیر کردی۔ بادشاہ نے اسے تاکیدی خطوط لکھے تو وہ دل برداشتہ دہلی پہنچا لیکن حوصلہ آزمائی کی امنگ اور حکومت کی چاٹ ایسی لگی تھی کہ جب تک دہلی میں رہا اس کا دل گھبراتا ہی رہا۔ آخر ایک مرتبہ شکار کا بہانہ کر کے چند سرداروں اور مصاحبوں کے ساتھ شہر سے باہر آیا اور شکارگاہ سے سیدھا لکھنوتی چلا گیا۔

بیٹے کی موت نے بوڑھے بلبن کو بہت حد تک توڑ دیا تھا اس کی عمر بھی اَسّی سے کچھ اوپر ہی ہو چکی تھی چنانچہ اس نے محمد خان شہید کے بیٹے کیخسرو کو خسرو خاں کا خطاب اور تمام لوازمات سلطنت عطا کیے اور اپنا ولی عہد بنا لیا۔ ملتان کا علاقہ اسے بطور جاگیر کے دے دیا اور وصیت کی کہ بغراخاں کے بیٹے کیقباد کو اس کے باپ کے پاس لکھنوتی بھیج دیا جائے۔ اس سارے انتظامات سے فراغت کے بعد وہ صرف تین دن اور زندہ رہا اور بائیس سال چند ماہ کی حکمرانی کے بعد 686ھ/1287ء میں عالم جاودانی کو کوچ کر گیا۔

سلطان معزالدین کیقباد

سلطان بلبن نے خسرو خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن ایک امیر ملک جسے ایتمر بھی کہتے تھے کچھ اور امراء کے ساتھ مل کر (جو خسرو خاں کے باپ شہید کے مخالف تھے) خسرو کے بجائے بغراخاں کے لڑکے معزالدین کیقباد کو تخت پر بیٹھا دیا۔ اس وقت کیقباد کی عمر

صرف 18 سال کی تھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد کیقباد نے سب سے پہلی کاروائی یہ کی کہ خسرو خاں اور اس کے متعلقین کو ملتان روانہ کر دیا اور وہاں کی عملداری اس کے نام بحال رکھی۔ خسرو خاں کے جتنے ہوا خواہ اور حامی تھے سب کو جلاوطن کر دیا۔ جب ملک کا نظم و نسق حسب مرضی ترتیب پا گیا تو کیقباد نے ملک قیام الدین کو ''دادبیگی'' اور ملک قیام الدین کو ''وکیل'' مقرر کیا اور باقی امراء کو ان کے پرانے عہدوں پر ہی بحال رکھا۔

تخت نشینی کا دربار

چھ ماہ بعد سلطان کی سواری دہلی سے قصبہ کیلو کھڑی پہنچی۔ اس موقعے پر کیلو کھڑی کو خوب آراستہ کیا گیا تھا۔ سلطان نے یہاں اپنا پہلا دربار عام منعقد کیا۔ اسی دربار میں خواجہ خطیر الدین کو ''خواجہ جہانی'' اور ملک شاہک امیر حاجب کو ''وزیر خانی'' کے خطابات ملے۔ ملک نظام الدین 17 وزیر کے کہنے سے سلطان نے دربار میں نومسلم مغلوں کو پکڑ کر بلوایا اور ان سب میں سے اکثر کو قتل کروا دیا۔

کیقباد نے ملک چھجو 18 کی لڑکی سے شادی کی ملک چھجو کو صلے میں سامانہ کی جاگیر ملی۔ اسی سال ماہ ذی الحجہ کے آخر میں سلطان کو خبر ملی کہ تاتاریوں نے ایتمر کی قیادت میں ملتان اور لاہور کے علاقے میں فتنہ و فساد مچا رکھا ہے۔ بادشاہ نے شاہک باربک کو ''خان جہانی'' کا خطاب عطا کیا اور تین ہزار سوار دے کر تاتاریوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ شاہک باربک نے تاتاریوں پر دلیرانہ حملے کیے اور ان کو بھگا کر جود کی پہاڑیوں تک پیچھا کیا بہت سے تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ان کی ایک بڑی جماعت کو گرفتار کر کے دارالسلطنت میں لے آیا۔

کیقباد کی عیش پسندی

سلطان معز الدین کیقباد اپنے دادا کے زمانے میں معلموں اور اتالیقوں کی سخت نگرانی

اور تربیت میں پرورش پاتا رہا تھا، اب غیر متوقع طور پر عین عالم شباب میں ایک بہت بڑی سلطنت اس کے ہاتھ آ گئی تھی، ملک میں چاروں طرف امن وامان تھا، فارغ البالی اور خوش حالی کی وجہ سے لوگ نہایت اطمینان اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان حالات میں نوجوان بادشاہ بہت جلد ہی عیش عشرت کا شکار ہو گیا اور اس کے اوقات رنگ رلیوں میں بسر ہونے لگی، اس کے دادا کے عہد کے برخلاف بھانڈوں، قوالوں اور بازیگروں نے بادشاہ کے مزاج میں دخل پا لیا اور علم و زھد کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

بادشاہ کا یہ رنگ دیکھ کر ملک نظام الدین کی بن آئی وہ شاہی خاندان کو ختم کر کے اپنی سلطنت کے سنہرے خواب دیکھنے لگا۔ اس غرض کے لیے اس نے بادشاہ کو بہکا کر کئی فساد برپا کیے۔ پہلے تو اس نے بادشاہ کو خان شہید کے لڑکے کیخسرو کے قتل پر آمادہ کیا، چنانچہ سلطان نے خسرو کو ملتان سے بلوا کر قصبۂ روہتک میں شہید کرا دیا اس کے بعد خاں جہان پر جھوٹی تہمت لگوا کر اس کی بے عزتی کروائی اور ان تمام امیروں کو جن کی نو مسلم مغلوں سے قرابت داری تھی قید کر کے دور دراز کے قلعوں میں بند کروا دیا۔ بادشاہ کی ان حرکتوں کی وجہ سے دربار کی وہ رونق و سطوت نہیں رہی جو بلبن کے زمانہ میں تھی۔

باپ اور بیٹے کی ملاقات

جب بغرا خاں ناصرالدین نے لکھنوتی میں اپنے بیٹے کا یہ حال سنا تو اس نے ایک نصیحت آمیز خط لکھا اور اشارتاً نظام الملک کی شرارت کی طرف اسے توجہ دلائی لیکن وہ بادۂ جوانی کے سرمستیوں میں ایسا سرشار تھا کہ باپ کی ایک نہ سنی، آخر کار طویل مراسلت کے بعد طے پایا کہ باپ بیٹا دونوں اودھ میں ملاقات کریں19۔

یہ ملاقات کافی دیر تک چلی اور دونوں نے تفصیلی طور پر آپس میں مشورے کیے۔ ناصرالدین بادشاہ سے مل کر اپنے خیمہ میں آیا تو اس نے لکھنوتی کے نفیس تحفے بیٹے کے پاس بطور پیش کش روانہ کیے۔ معزالدین نے بھی باپ کی نذر کے لیے عراقی گھوڑے اور طرح طرح کا عمدہ اسباب روانہ کیا۔ اس وقت دونوں طرف کے لشکروں نے بڑی خوشیاں منائیں

اور ان کے افسر بھی ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے آتے جاتے رہے۔ امیر خسرو نے ''قران السعدین'' میں ان صحبتوں کا پورا پورا نقشہ کھینچا ہے:

زھی ملک خوش چون روسلطان یکی شد
زھی عہدش جود و پیمان یکی شد

[سلطان کے چہرے سے ملک کی خوشحالی اور بھلائی ہویدا تھی وہ عہد تھا کہ جس میں جود و پیمان ایک ہونے کے مصداق تھے۔]

اس نظم کا ایک شعر ہے۔

سلطان معزالدین وابن کیقباد بادشاہ
یک دیدہ دو مردمک چار بادشاہ

[سلطان معزالدین بن کیقباد بادشاہ کہنے کو ایک مرد کی آنکھ جس میں دو پتلیاں اور چار بادشاہ بستے تھے۔]

آخری نصیحت

دوسرے دن سلطان ناصرالدین الوداعی ملاقات کے لیے بادشاہ کے پاس آیا۔ نظام الملک اور قوام الملک دونوں سرداروں کے سامنے بادشاہ کو بڑی نصیحتیں کیں اور کثرت شراب نوشی، عیاشی، نظم ونسق سے بے پروائی، بعض پرانے سرداروں اور کیخسرو کے قتل پر اسے سرزنش کی اور نماز، روزہ، زہد وتقوی کی طرف رغبت دلائی اور جہاں بانی کے قاعدوں اور ضابطوں سے آگاہ کیا۔ بغل گیر ہوتے وقت چپکے سے کان میں کہا کہ ''نظام الملک کا قصہ جلد ختم کر دو۔ اگر اس نے قابو پالیا تو تمہاری خیر نہیں۔'' دونوں نے بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ ایک دوسرے کو رخصت کیا[20] معزالدین چند دنوں کے لیے اپنے باپ کی نصیحتوں

پر کاربند رہا آخر کار حسین و جمیل لڑکیوں، خوب صورت مطربوں (بجانے والے) اور بازی گروں نے بادشاہ کو اپنی عشوہ گری کے جال میں پھنسا لیا اور نوجوان بادشاہ کی توبہ شیشۂ نازک کی طرح چور چور ہوگئی۔

چنانچہ چند ہی منزل آگے بڑھا تھا کہ وہ اس طرح رنگ رلیوں 21ے میں مصروف ہوگیا۔ دہلی تک یہ سارا سفر اسی عیش وعشرت میں کٹ گیا۔ دہلی میں سلطان کی واپسی 689ھ/1289ء میں ہوئی۔

بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر بعض سردار بددل ہوکر پہاڑی علاقوں میں چلے گیے۔ ان میں سے شیر خان پشیمان ہوکر بعد میں لوٹ آیا تھا لیکن بادشاہ نے اسے قید کردیا اور وہ اسی قید میں مرگیا۔ بادشاہ نے فیروز خان یغرش خلجی کے بیٹے کو شائستہ خاں 22ے کا لقب دے کر برن (بلند شہر) کے علاقے پر مامور کیا۔

شمس الدین کی تخت نشینی

ملک ایتمر نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی۔ سلطان نے اسے بڑی حکمت عملی سے گرفتار کرواکے قتل کر ڈالا۔ باپ کی فرمائش کے مطابق اس نے نظام الملک کی بھی فکر کی اور اس کو ملتان جانے کا حکم دیا مگر نظام الملک سلطان کے ارادے کو بھانپ گیا اور وہاں جانے میں پس و پیش کرنے لگا۔ اس دوران بادشاہ نے خفیہ طور پر زہر دلواکر اس کا بھی قصہ ختم کردیا۔ نظام الملک کی ہلاکت کے بعد نظم ونسق میں کافی انتشار پیدا ہوگیا تھا۔ ادھر بادشاہ کا یہ حال تھا کہ شب و روز حالت مستی میں گزارتے تھے اور شراب ومعشوق کے سوا اسے کسی بات کی فکر نہ تھی۔ چنانچہ عیاشی کی وجہ سے وہ لقوہ کے عارضے میں مبتلا ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نہایت ضعیف اور کمزور ہوگیا اس کے قویٰ اور اعصاب بالکل ناکارہ ہو چکے تھے۔ سلطنت کا کاروبار بری طرح درہم برہم ہو چلا تھا۔ یہ حال دیکھ کر چند خیر خواہ امیروں نے اس کے ایک کم عمر لڑکے کیکاؤس کو شمس الدین کا خطاب دے کر تخت پر بیٹھا دیا۔

شائستہ خان کی بغاوت

688ھ/ 1289ء میں شائستہ خان خلجی نے بہت سے امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنی عملداری ''برن'' سے ایک بڑی فوج لے کر دہلی پر چڑھائی کردی۔ بادشاہی امراء بھی فوجی تیاریاں کر کے مقابلے پر روانہ ہوئے اور سلطان معزالدین کو جو بیماری اور کمزوری کی وجہ سے ایک بے جان تصویر بن کر رہ گیا تھا قصر کیلوکھڑی کی چھت پر چتر شاہی کے نیچے بٹھادیا۔ ملک چھجو غیاث الدین کے بھتیجے نے بلند آواز کے ساتھ اعلان کیا کہ ہم چاہتے ہیں معزالدین کو کشتی میں سوار کر کے لکھنوتی میں اس کے باپ کے پاس بھجوا دیں اور سلطان شمس الدین کیکاؤس کی خدمت میں حاضر رہیں۔ اس اعلان پر دہلی والے شمس الدین کیکاؤس کی حمایت کے لیے شائستہ خاں کے مقابلے پر تیار ہوگیے اور بدایونی دروازہ کے سامنے جمع ہوگیے۔

کیقباد کا انجام

لڑائی کا فیصلہ شائستہ خاں کی جانب رہا۔ ملک الامراء فخرالدین کوتوال کے لڑکے قید کر لیے گیے اور ملک ایتمر سرخہ جس نے شائستہ خاں کے قتل کا وعدہ کیا تھا شائستہ خاں کے بیٹے اختیار الدین کے ہاتھ مارا گیا۔ ملک الامرا نے جب اپنے آپ کو مقابلے سے عاجز پایا تو اپنی جمعیت کو پیچھے ہٹالیا اور فاتح سپاہیوں نے شمس الدین کیکاؤس کو تخت سے اٹھا کر شائستہ خاں کے پاس بہادر پور روانہ کردیا۔ شائستہ خاں نے ایک شخص کو جس کے والد کو معزالدین نے قتل کردیا تھا قصر کیلوکھڑی پر قبضہ کے لیے بھیجا۔ وہ جب اس بدنصیب سلطان کے پاس پہنچا تو اس کا حال یہ تھا کہ وہ گم سم بیٹھا تھا اور بس اس کی سانس ہی باقی رہ گئی تھی۔ اس شخص نے دو تین لاتیں مار کر اسے جمنا 23 میں ڈھکیل دیا۔ یہ واقعہ نصف ماہ محرم 689ھ/ 1260ء میں پیش آیا۔ سلطان معزالدین نے تین سال چند ماہ تک حکومت کی اور اس پر خاندانِ غلامان غوری یعنی غیاث الدین کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ اس مہم میں شائستہ خاں

خلجی کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تھی اس نے ایتمر سرخہ کی ہلاکت اور دہلی والوں کے فتنے کو ختم کرنے کے بعد شاہزادہ کیکاؤس کو تخت پر بیٹھا کر مملکت کا انتظام ہاتھ میں لے لیا۔

سلطان شمس الدین کیکاؤس

کیکاؤس برائے نام بادشاہ تھا۔ اسے کم سنی میں شائستہ خاں اور ملک چھجو کشلی خاں نے 689ھ/ 1290ء میں تخت پر بیٹھایا تھا۔ ان دنوں شائستہ خاں کے چچا ملک حسین نے جو کیلوکھڑی میں معز الدین کا محافظ تھا کافی اثر ورسوخ پیدا کرلیا تھا۔ جب سارے انتظامات حسب مرضی طے پا گیے تو شائستہ خاں نے ملک چھجو کشلی خاں سے کہا کہ تم بادشاہ کے نائب کی حیثیت سے دارالخلافہ میں رہو۔ تبرہندہ اور دیپال پور کو میں اپنی جاگیر قرار دے کر یہاں سے رخصت ہو جاتا ہوں، ملک چھجو نے اس ذمے داری کو اپنے سر لینے سے انکار کردیا اور شائستہ خاں کا نائب رہنے کے لیے اصرار کرنے لگا اور اپنے لیے کڑہ علاقہ جاگیر میں دینے کی درخواست کی۔ ملک الامراء فخر الدین نے شائستہ خاں کو سمجھایا کہ چھجو کو جانے دو، وہ نکل گیا تو پھر سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ چنانچہ شائستہ خاں نے ملک چھجو کی تجویز فوراً ہی قبول کرلی۔

شائستہ خاں کیکاؤس کو تخت پر بیٹھا کر تقریباً دو ماہ تک ملک کا نظم ونسق چلاتا رہا اس کے بعد وہ نوعمر بادشاہ کو سوار کرا کے کیلوکھڑی لے آیا اور وہاں اسے قید کردیا، پھر چند دن بعد ہی اسے قتل کرادیا۔ سلطان شمس الدین کیکاؤس کی کل مدت حکومت تین مہینے اور کچھ دن ہے۔

خلجی خاندان — خلجی حکمراں

سلطان جلال الدین بن یغرش خلجی

سلطان جلال الدین کا اصلی نام ملک فیروز اور خطاب شائستہ خاں تھا۔ کیکاؤس کو قتل کرنے کے بعد وہ ملک چھجو خاں کی مدد کے باعث تخت پر بیٹھا۔ ''تاریخ طبقات محمود شاہی'' کے مصنف شہاب الدین حکیم کرمانی جونپوری نے سلطان جلال الدین اور سلطان محمود مالوی کو چنگیز خاں کے داماد قالج خاں کی اولاد بتایا ہے اور اس بارے میں ایک طویل قصہ بھی نقل کیا ہے۔ لیکن یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ ''قالج'' اور ''خلج'' میں کوئی مناسبت نہیں۔ ''قالج'' ترکی زبان کا لفظ بھی نہیں ہے، اگر ہو بھی تو اس لفظ کے معنی تلوار کے ہوں گے۔ دوسری بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ یافث بن نوح علیہ السلام کے کسی لڑکے کا نام ''خلج'' تھا اور خلجی اس کی طرف منسوب ہے۔

شہرنو کی تعمیر

سلطان جلال الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد حکومت کے بڑے بڑے عہدے اپنے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم کردیے۔ بڑے بیٹے کو خان خاناں اور منجھلے کو ارکلی خاں اور چھوٹے کو قدر خاں اور اپنے چچا ملک حسین کو ''تاج الملک'' کے خطابات سے نوازا۔ سلطان جلال الدین نے جمنا کے کنارے معزالدین کے محل کے مقابل ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی، اس میں ایک مضبوط قلعہ اور باغ بنوایا، جب شہر بن گیا تو اس کا نام ''شہرنو'' رکھا۔

ملک چھجو کی بغاوت

سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کے بعد حسب قرار داد ملک چھجو کشلی خاں کڑہ کی جاگیر پر چلا گیا لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی سال ماہ شعبان میں خود سری اختیار کی اور اس نواح کے اکثر جاگیردار جو غیاث الدین کے امراء تھے اس سے مل گیے اور لشکر تیار کرکے یہ سب امیر اپنے اپنے مقام سے بدایوں میں آکر جمع ہوگیے۔ گنگا کو نجلانہ کے گھاٹ سے عبور کرکے وہاں ملک چھجو کے انتظار میں رکے رہے تاکہ وہ آجائے تو پھر دہلی پر یورش کریں۔

سلطان جلال الدین کو جب اس شورش کی خبر ملی تو اس نے خان خاناں کو دہلی میں چھوڑا اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک حصہ فوج کے ساتھ خود کول کے راستے سے بدایوں روانہ ہوا اور دوسرے حصہ کو ارکلی خاں کی قیادت میں ملک چھجو کے مقابلے کے امروہہ روانہ کردیا۔

ارکلی خاں رہب کے کنارے ملک چھجو کی فوج سے چند دن تک برسرپیکار رہا۔ اسی اثنا میں راجہ برم دیو کولہ نے اس کو کوئلہ بھی کہتے ہیں ملک چھجو کو اطلاع دی کہ ارکلی خاں کی مدد کے لیے سلطانی لشکر بھی آرہا ہے یہ سنتے ہی وہ ایسا حواس باختہ ہوا کہ راتوں رات بھاگ گیا لیکن راستہ میں گنواروں نے گھیر کر اسے پکڑ لیا۔

ارکلی خاں نے رہب ندی کو عبور کر کے غنیم کی بھاگتی ہوئی فوج پر حملہ کیا اور برم دیو کو قتل کردیا ۔ ملک چھجو اور دوسرے باغی امیروں کو حراست میں لے کر بہادری اور کسم کور (شمس آباد) کی طرف کوچ کیا۔

جب ملک چھجو اور بلبن کے وقت کے بہت سے امرا زنجیر میں گرفتار سلطان جلال الدین کی بارگاہ میں پیش کیے گیے تو انھیں دیکھ کر سلطان کو اپنا اور ان کا گزرا زمانہ یاد آ گیا اور وہ اتنا متاثر ہوا کہ انھیں فوراً رہا کر کے حمام میں بھجوا دیا اور خلعتیں عطا کیں اور ان سب کے قصور کو معاف کر کے اپنا ہم نشین بنا لیا۔ ملک چھجو نے انھیں بڑے احترام اور عزت کیساتھ ملتان بھیج دیا اور کڑے پر اس کی جگہ اپنے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین کو جو اس وقت بدایوں میں مامور تھا، روانہ کردیا۔ اس کے بھائی الماس بیگ کو آخور بیگی 24ے کا عہدہ عطا کیا۔

اس دوران بڑے شاہزادے خان خاناں کاانتقال ہوگیا ،اس کی موت کا سلطان کو بہت رنج ہوا امیر خسرو نے اس کا مرثیہ کہا ہے:

چہ روز است این کہ من خورشید تابان را نمی بینم
دگر شب چرا ماہ درخشان را نمی بینم

[یہ کون سا دن ہے کہ میں چمکتے سورج کو بھی نہیں دیکھ پا رہا ہوں اور دن تو دن ہے رات کو بھی پتہ نہیں کیوں میں چمکتے چاند کی روشنی بھی دیکھنے سے قاصر ہوں (یعنی خسرو پر غم کی یہ کیفیت تھی کہ وہ دن رات دونوں میں بینائی سے محروم ہو گیے تھے۔]

دوسرے سال جب ارکلی خاں ملتان سے دہلی آیا تو بادشاہ نے اسے دہلی میں چھوڑ کر منداور کا رخ کیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اسے غدر کی اطلاعات ملیں اس کی فوج میں غیاثی امراء بھی شامل تھے۔ ان امیروں کی طرف سے اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں غدر کی خبر سن کر یہ

کوئی سازش نہ کریں۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی ملک مغلتگی کو بدایوں، ملک مبارک کو تبرہندہ کی طرف رخصت کر دیا اور جب منداور کا قلعہ فتح ہوگیا تو بلاتاخیر شب و روز کوچ کرتا ہوا دہلی واپس آ گیا۔ سلطان کو اطلاع ملی تھی کہ دہلی میں بغاوت کی تیاریاں ہورہی ہیں اور اس غدر کا بانی سیّدی مولہ ہے چنانچہ دہلی آ کر اس نے سیدی مولہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

سیدی مولہ درویش

سیدی مولہ نہایت عابد و زاہد اور صاحب کرامات بزرگ تھے وہ عجم سے ہندستان آئے اور پہلے اجودھن میں حضرت قطب الاولیاء مخدوم شیخ فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے پھر ان سے رخصت ہوکر ہندستان کے شہروں کی سیر کرتے ہوئے، دہلی آ کر قیام کیا۔ شیخ فرید نے رخصت ہوتے وقت ان کو وصیت کی تھی کہ ''لوگوں کے ہجوم اور امراء وملوک کی صحبت سے بچتے رہنا۔'' دہلی میں سیدی مولہ نے بہت جلد شہرت عام حاصل کر لی اور بڑے بڑے امراء ان کے مریدوں میں شامل ہوگیے۔ یہاں تک کہ سلطان کا بڑا لڑکا شاہزادہ خان خاناں مرحوم بھی ان کا عقیدت مند تھا۔ بلبن کے عہد کے اکثر معزول امراء بھی ان کے یہاں آتے رہتے تھے کہ دونوں وقت اس کے دسترخوان پر بہت سے امیر حاضر رہتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں روزانہ ہزار من میدہ اور پانچ سو من گوشت اور تین سو من شکر خرچ ہوتی تھی۔ امیر وغریب سب کے لیے ان کا دسترخوان عام تھا۔ محتاجوں کو لنگر بٹا کرتا تھا۔ وہ کبھی کسی سے کوئی تحفہ یا معاوضہ قبول نہیں کرتے تھے۔ اس خرچ پر لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ کیمیا[25] بناتے ہیں۔ سیدی مولہ نماز روزہ کے نہایت پابند تھے لیکن جمعہ[26] میں حاضر نہیں ہوتے تھے کہ جو بڑے بڑے لوگ ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان میں قاضی جلال الدین کاشانی اور قاضی لشکر بھی شامل تھے۔

سیّدی مولہ کی شہادت

سلطان کو جب اس قسم کی اطلاعات ملیں کہ سیدی مولہ کی خانقاہ میں بغاوت کی سازشیں ہوتی ہیں تو ایک دن وہ خود بھیس بدل کر خانقاہ میں گیا اور جیسا سنا تھا اس سے زیادہ لوگوں کو سید کا معتقد پایا اور اس کے شبہات قوی ہو گیے۔ چنانچہ اس نے دوسرے دن صبح ایک بڑی مجلس منعقد کی اور بے گناہ سیّد ان کے معتقد امیروں اور قاضی کو پابہ زنجیر حاضری کا حکم دیا۔ ان کو بڑی بے عزتی کے ساتھ دربار میں لایا گیا اور ان پر سلطنت سے دغا اور بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ سلطان نے ہر ایک سے ان کی تحقیق کی۔ سیدی مولہ نے انکار کیا اور قسم بھی کھائی۔ قاضی جلال الدین کو بھی سلطان نے بہت اذیتیں دیں لیکن اس نے بھی اس الزام سے انکار کیا۔ سلطان نے ان کو دہلی کے عہدۂ قضاء سے معزول کر کے بدایوں تبادلہ کر دیا۔ سیدی مولہ کا امتحان لینے کے لیے نمرود کی طرح بہت سی آگ جلوائی، ان کو مع ساتھیوں کے اس آگ میں جھونک دینے کا حکم دیا مگر حق گو علماء نے فتویٰ دیا کہ ''یہ شرعاً جائز نہیں، آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اس طرح کے امتحان کا کوئی اعتبار نہیں'' اس فتویٰ کی وجہ سے سلطان اس وحشیانہ حرکت سے باز رہا۔ اسی مجلس میں سید کے معتقد اکثر امیروں کو سزا دی اور بعض کو جلاوطن کر دیا۔ سلطان نے خود بالمشافہ سیدی مولہ سے مباحثہ کیا اور سخت جرح کی۔ سید نے ہر بات کا معقول جواب دیا اور سلطان ان پر کسی شرعی الزام کو ثابت نہ کر سکا۔ بیزار ہو کر اس نے ابو بکر طوسی کو جو آزاد قلندروں کا سرغنہ تھا مخاطب کر کے کہا ''فقیر تم ہی اس ظالم سے میرا انصاف لو'' یہ سن کر ایک قلندر کود کر آگے آیا اور اس نے ان کو زخم لگائے، داڑھی مونڈلی اور سوئیاں چبھوئیں۔ اتنے میں ارکلی خاں کے اشارے پر ایک فیل بان نے مست ہاتھی ان پر چھوڑ دیا۔ غرض وہ حق پسند مرد درویش بڑی اذیتوں سے شہید ہوا۔ مشہور ہے کہ سیدی مولہ اس حادثہ سے دو سال پہلے ہی سے اکثر یہ دو شعر پڑھ کر ہنسا کرتے تھے:

در مطبخ عشق جز نکورا نکشند
لاغر صفتان زشت خود را نکشند

گر عاشق صادقی زکشتن مگریز
مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

[عشق کے مطبخ میں نیک لوگوں کے سوائے کسی اور کو نہیں مارا جاتا ہے جو کمزور صفت ہوتے ہیں انھیں اپنی بُرائی نظر نہیں آتی ہے اگر تو خود کو عاشق صادق سمجھتا ہے تو پھر مرنے سے کیوں ڈرتا ہے؟ تو خود کو زندہ سمجھ کیوں کہ مرے ہوئے لوگوں کو کوئی نہیں مارتا۔)

جس دن سیدی مولہ کو شہید کیا گیا اس دن بڑی سخت سیاہ آندھی 27 آئی۔ اس سال بارش بھی نہیں ہوئی اور ایسا سخت قحط پڑا کہ دیہات اجڑ گیے اور دیہاتوں سے ہندو جوق در جوق شہر میں آگیے، فاقہ کی تاب نہ لا کر بیس بیس، تیس تیس آدمی ہاتھ میں ہاتھ دے کر جمنا میں کود کود کر خودکشی کرنے لگے۔ ہزاروں مسلمان بھی قحط سے بے حال ہو کر مر گیے۔ ان حادثوں سے لوگوں کو عام طور پر یقین ہو گیا تھا کہ یہ اس بے گناہ شہید پر ظلم 28 کا وبال ہے لیکن یہ باتیں زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ اتفاقی طور پر ایسے حادثے ہوتے ہی رہتے تھے۔ سیدی مولہ کے ساتھ بہت سے بے گناہ پکڑے گیے، ان میں سے بعض کو ارکلی خاں کی سفارش پر رہائی مل گئی۔

اسی سال سلطان نے دوبارہ رنتھمبور کا قصد کیا اور اس کے گرد و نواح کو تباہ و برباد کر دیا اور وہاں کے بت خانوں کو بالکل نیست و نابود کر دیا لیکن وہ قلعے کو فتح نہیں کر سکا اور ویسے ہی لوٹ آیا۔ اسی سال ارکلی خاں بادشاہ کی اطلاع و اجازت کے بغیر دہلی سے ملتان چلا گیا۔ شہزادے کی اس حرکت سے سلطان کو بہت رنج پہنچا۔

نومسلم مغل

691ھ / 1292ء میں چنگیزی مغلوں نے ہندستان پر حملہ کیا 29 سنام کے قریب

ہندستانی فوج سے ان کا مقابلہ ہوا۔ ہندستانی فوج کی قوت دیکھ کر انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صلح کی گفتگو کی۔ ان کے سردار نے بادشاہ کو باپ کہہ کر فرزندی اختیار کرنے کی خواہش کی، بادشاہ نے بھی صلح کر لی اور اسے بیٹے سے مخاطب کیا۔ دونوں طرف سے بہت سے تحائف کا تبادلہ ہوا اور مغل ہندستان کی سرحد سے لوٹ گیے۔ اسی دوران چنگیز خاں کا نواسہ الغو کئی ہزار مغلوں کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور سلطان کی حمایت میں آ گیا، سلطان نے اسے غیاث پور 30 میں رہنے کی جگہ دے دی اور اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ ان مغلوں کو لوگ نومسلم کہنے لگے۔

اسی سال کے آخر میں بادشاہ نے منداور پر حملہ کیا اور اس کے مضافات کو تباہ کر کے لوٹ لیا۔ بادشاہ کے داماد اور بھتیجے علاء الدین نے جو کڑہ کا حاکم تھا بھیلسہ پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی اور اس کو فتح کر کے کافی مال وغنیمت لے کر سلطان کی خدمت میں لوٹ آیا۔ علاء الدین بھیلسہ سے ایک بت بھی اٹھا لایا تھا جس کو ہندو بہت زیادہ پوجا کرتے تھے، اسی بت کو اس نے بدایوں کے دروازے کے سامنے راستے میں ڈال دیا۔ علاء الدین کے اس کارنامہ پر سلطان بہت خوش ہوا اور اودھ کا علاقہ بھی اس کی جاگیر میں دے دیا۔

علاء الدین کی مہم پسندی

علاء الدین کو اپنی بیوی اور ساس سے بڑی رنجش تھی وہ دونوں بادشاہ کے سامنے ہی اس کی برائی کرتی رہتی تھیں۔ اس لیے اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ دونوں بادشاہ کو اس کے خلاف کر کے اس کو کسی خطرے میں مبتلا نہ کر دیں۔ اس لیے وہ بادشاہ کی عملداری سے کسی اور طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر میں نئے آدمیوں کو بھرتی کیا اور سلطان سے چندیری پر حملے کی اجازت لے کر کڑہ آیا۔ وہاں اس نے اپنے ایک نائب علاء الملک کو متعین کر کے اسے ہدایت دی کہ کوئی ایسی کاروائی نہ ہو جو بادشاہ کی ناراضگی کا باعث بنے۔ پھر وہ کڑہ سے چل کر ایلچ پور آیا لیکن یہاں بجائے چندیری کے دیوگڑھ کے راستے پر روانہ ہوگیا۔

دکن کی فتح

چند دن تک بادشاہ کو علاء الدین کی کوئی خبر نہیں ملی جس کی وجہ سے وہ بڑی تشویش اور فکر میں مبتلا رہا۔ ایک عرصے بعد خبر آئی کہ علاء الدین نے دیوگیر اور تقریباً سارے دکن کو فتح کرلیا ہے اور وہاں سے وہ بہت مال و دولت، ہزاروں گھوڑے، ہاتھی اور تحائف و اسباب لے کر کڑہ واپس آرہا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا لیکن لوگوں کو گمان تھا کہ علاء الدین نے اپنی ساس اور بیوی کے ہاتھوں بہت رنج اٹھایا ہے اور وہ دیوگڑھ بغیر اجازت کے ہی چلا گیا تھا۔ اب اس کے پاس کافی مال و اسباب بھی جمع ہوگیا ہے ممکن ہے وہ کوئی فتنہ برپا کرنے کی فکر میں ہو لیکن کسی کو جرأت نہیں تھی کہ بادشاہ کے سامنے ان اندیشوں کو ظاہر کرے، نہ بادشاہ کو ہی اطلاع تھی کہ اس کو ساس اور بیوی کے خلاف اتنا شدید رنج ہے۔ وہ اس کے خلاف جب بھی کچھ کہتی تھیں بادشاہ ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا اور ٹال دیا کرتا تھا۔

علاء الدین کی واپسی

جس وقت بادشاہ کو علاء الدین کی واپسی کی خبر ملی تو وہ گوالیار میں تھا۔ اس نے امراء کی مجلس مشاورت طلب کی اور ان سے کہا کہ علاء الدین اس شان وشوکت کے ساتھ آرہا ہے اب ہم چندیری کے راستے پر آگے اس کا استقبال کریں یا اس سے اسی جگہ ملیں یا دہلی واپس چلے جائیں۔

ملک احمد چپ جلال الدین کا نہایت خیرخواہ اور دانش مند وزیر تھا۔ اس نے بادشاہ کو سمجھایا کہ میری رائے میں تو یہی مناسب ہے کہ سلطان مع لشکر چندیری کی طرف کوچ کرے اور علاء الدین کو راستہ ہی میں روک لے اور جو کچھ ساز و سامان وہ لے کر آرہا ہے اس سے لے لے اور اتنی قوت رہنے نہ دے کہ وہ بغاوت کا خیال کرسکے، اس نے اپنی تائید میں ملک چھجو کی سرکشی کا بھی حوالہ دیا لیکن بادشاہ نے اس کی تجویز نہیں مانی اور یہی کہتا

رہا کہ علاء الدین میرے ہی نمک کا پروردہ ہے اور میں نے ہی اسے اس بلند مرتبے پر پہنچایا ہے، میں نے اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی کہ جو وہ کسی فاسد خیال کو اپنے دل میں جگہ دے۔ بعض امیر بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے حالانکہ احمد چپ کی رائے نہایت معقول اور دوراندیشی پر مبنی تھی۔ ملک احمد نے جب مجلس کا یہ رنگ دیکھا تو وہ غصہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے جاتے کہہ گیا کہ ''اگر خدانخواستہ علاء الدین کڑے میں آنے کے بعد سریوندی عبور کر کے لکھنوتی کا ارادہ کرے تو میں کسی میں بھی یہ جرات نہیں پاتا کہ اس کو روک سکے''۔ بہرحال بادشاہ اس خطرے کا اندازہ نہیں کر سکا جس کو احمد چپ بھانپ چکا تھا اور وہ وہاں سے کوچ کر کے دہلی چلا گیا۔

علاء الدین کی سازش

علاء الدین نے کڑے میں پہنچ کر بادشاہ کو متعدد عرضیاں لکھیں اور بہت سے ہاتھی اور تحائف روانہ کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ بھی لکھا کہ اگر میری طلبی کا فرمان صادر ہو تو حاضر ہو کر باریابی کا شرف حاصل کروں۔ لیکن ان سب باتوں سے اس کی غرض صرف یہ تھی کہ اسے کچھ مہلت مل جائے۔ اس عرصے میں اس نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں پوری کر لیں اور اپنے چھوٹے بھائی ظفر خاں کو اودھ رخصت کر دیا کہ وہ سریوندی میں کشتیاں تیار رکھے۔

جلال الدین کا پھنسنا

سادہ لوح بادشاہ نے حسب تحریر عماد الملک اور ضیاء الدین دو سرداروں کے ذریعے حاضری کا فرمان ارسال کیا۔ علاء الدین نے ان کو فوراً ہی حراست میں لے کر قید میں ڈال دیا۔ اپنے دوسرے بھائی الماس بیگ کو جو دہلی میں تھا ایک خط لکھا کہ ''میں نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر دیوگیر پر حملہ کیا تھا اس کو بہانہ بنا کر لوگوں نے بادشاہ کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے حالانکہ میں ان کا ویسا ہی فرمانبردار فرزند اور غلام ہوں اگر وہ خود تنہا آکر مجھے لے

جائیں تو میں اطاعت کے لیے موجود ہوں اور اگر بادشاہ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا ہے اور وہ اس کو صحیح سمجھتے ہیں جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے تو میں مایوس ہوکر جس طرف سینگ سمائیں گے چلا جاؤں گا پھر میرا پتہ تک نہیں ملے گا'' الماس بیگ نے یہی خط بادشاہ کو سنا دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت الماس بیگ کو علاء الدین کے پاس روانہ کردیا اور کہا کہ تم چلو میں بھی پیچھے آرہا ہوں۔ الماس بیگ کشتی کے ذریعے ساتویں دن علاء الدین کے پاس پہنچ گیا، اس کو لکھنوتی چلے جانے کا مشورہ دیا لیکن بعض ہوشیار خیر خواہوں نے کہا کہ لکھنوتی جانے کی کیا ضرورت ہے؟ دیوگڑھ کے ہاتھیوں، گھوڑوں اور مال و اسباب کا لالچ بادشاہ کو اسی برسات میں یہاں کھینچ لائے گا، اس وقت وہ تمہارے قابو میں ہوگا، جو چاہو اس سے سلوک کرو۔ ان کا یہ خیال ٹھیک تھا۔ سلطان جلال الدین کی قضا اسے کشاں کشاں اپنے بھتیجے کے پاس کھینچ لائی اور مال کی لالچ میں اس نے آگے پیچھے کا کوئی خیال نہیں کیا اور اپنے سرداروں کے ساتھ ایک ہزار سوار لے کر کڑے کی طرف کوچ کردیا۔ ملک احمد چپ کو خشکی کے راستہ لشکر لے آنے کا حکم دیا۔ احمد چپ نے بادشاہ کو اس ارادے سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ حاصل نہ ہوا اور وہ بڑی تیزی سے کوچ کرتے ہوئے رمضان کی سترہ تاریخ کو کڑہ پہنچ گیا۔

سلطان جلال الدین کا قتل

علاء الدین کڑے اور مانک پور کے درمیان گنگا میں اتر کر اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑا تھا۔ جب بادشاہ کے قریب آنے کی خبر سنی تو اس نے الماس بیگ کو بادشاہ کے لیے کچھ جواہر نذرانہ دے کر بھیجا کہ کسی تدبیر سے وہ اسے تنہا لشکر میں لے آئے۔ مکار الماس بیگ نے بادشاہ کے پاس جاکر بڑی چاپلوسی کی باتیں کیں اور کہا کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو علاء الدین تو ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا کیوں کہ دشمنوں نے آپ کی طرف سے اسے بہت بدگمان کردیا تھا، میں نے بہت کچھ اس کی دل جمعی کردی ہے لیکن آپ کی ہیبت اس کے دل پر اس طرح چھائی ہوئی ہے، حضور سے التماس ہے کہ شفقت و عنایت کا اظہار کریں اور تنہا جاکر اس کا ہاتھ پکڑ

کر لے آئیں۔ بادشاہ کی تو عقل پھر چکی تھی وہ ان جھانسوں میں آ گیا اور ایک ہزار سواروں کو وہیں چھوڑ کر چند مسلح محافظوں کو لے کر الماس بیگ کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ دور جانے کے بعد الماس بیگ نے پھر عرض کی میرا بھائی اس قدر خوفزدہ ہے کہ وہ جب حضور کے ساتھ ان ہتھیار بند آدمیوں کو دیکھے گا تو دہشت کے مارے بھاگ جائے گا۔ بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو ہتھیار کھول دینے کا حکم دیا۔ حالاں کہ لوگوں پر یہ بہت گراں گزرا لیکن وہ کچھ نہ کر سکے۔ جب آگے بڑھے تو ایک بڑے لشکر کو وہاں صف آرا پایا۔ محافظ سرداروں نے الماس بیگ سے کہا آخر یہ کیا معاملہ ہے تم نے ہم سے ہتھیار رکھوا لیے اور یہاں یہ فوج لڑائی کے لیے مستعد دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے کہا اندیشہ نہ کرو اصل میں بھائی مع لشکر کے بادشاہ کو سلامی دینا چاہتے ہیں تا کہ ساری فوج حضور کے ملاحظے سے گزر جائے۔ ان باتوں پر بھی بادشاہ نہیں چونکا۔ اس کو نہ معلوم کیوں ایسا اعتماد تھا کہ وہ کسی وہم میں نہ پڑا اور چلتا رہا۔ اس طرح جب کافی مسافرت طے ہو گئی تو بادشاہ نے الماس بیگ سے کہا ''میں بوڑھا آدمی یہاں تک چلا آیا اور تیرے سنگ دل بھائی کو اب تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ کسی کشتی میں بیٹھ کر میرے پاس آ جاتا''۔ اس نے عرض کیا کہ ''وہ آپ کے حضور خالی ہاتھ کیسے آئے، وہ تو اس وقت پیش کش اور نذرانوں کی ترتیب اور ہاتھی گھوڑوں کے انتخاب میں مشغول ہوگا''۔ بادشاہ نے اس وقت قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی اور عصر کے وقت تک کشتی دوسرے کنارے پہنچی۔ بادشاہ کشتی سے اتر کر جب مقررہ مقام پر پہنچا تو علاء الدین اپنی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ کر آیا اور حکمراں چچا کے قدموں میں گر گیا۔ بادشاہ نے اسے اٹھایا اور مسکرا کر محبت سے اس کے رخساروں پر ایک طمانچہ مارا اور اسے نصیحتیں کیں اور اپنے شوق ملاقات کا حال بیان کیا۔ وہ تسلی آمیز باتیں کرتے ہوئے اس کا منھ چومتا جاتا اور اپنے قریب کھینچتا جاتا تھا۔ اسی عالم میں بدبخت بھتیجے نے بادشاہ کا پنجہ زور سے پکڑ لیا اور اپنے آدمیوں سے جو پہلے سے تیار کھڑے تھے اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر محمود سالم ایک کمینے شخص نے جو سامانہ کا رہنے والا تھا بادشاہ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ بادشاہ زخمی ہو کر کشتی کی طرف بھاگا اور کہا علاء الدین نامراد یہ تو نے کیا کیا؟ اتنے میں اختیار الدین نے جو بادشاہ کا پروردہ تھا پیچھے سے ایسا کاری ہاتھ

مارا کہ اس کا کام تمام ہوگیا اور سر کاٹ کر علاء الدین کے پاس لے آیا۔ اس کے حکم سے بادشاہ کا سر ایک نیزہ پر چڑھا کر کڑے اور مانک پور میں گھمایا گیا۔ اس کے بعد بریدہ سر کو اودھ بھیج دیا گیا بادشاہ کے تمام ساتھیوں کو بھی وہیں قتل کر دیا گیا، ان میں سے کچھ دریا میں کود کر ڈوب گیے۔ ملک فخر الدین کو زندہ گرفتار کرلیا گیا۔

قدر خان کی تخت نشینی

جب احمد چپ کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً دہلی لوٹ گیا۔ ارکلی خاں جو بادشاہ کا بڑا بیٹا اور تخت کا وارث تھا ان دنوں ملتان میں تھا۔ احمد چپ نے اس کا انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور چھوٹے شاہزادے قدر خان کو سلطان رکن الدین ابراھیم کا خطاب دے کر ملکہ جہان کے تعاون سے تخت نشین کر دیا۔ مرحوم سلطان کے تمام امراء نے بھی قدر خان کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور مبارک باد دی۔ لیکن قدر خان کی بادشاہت برائے نام رہی۔

دہلی پر قبضہ

علاء الدین نے اسی دن جس دن کہ جلال الدین شہید ہوا تھا چتر شاہی سر پر رکھ کر تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا او بارش کے باوجود وہ دن رات دہلی کی جانب بڑھتا رہا اور دہلی پہنچا۔ راستے میں اس نے کافی اشرفیاں اور دوسرے قیمتی سامان لوگوں میں خیرات اور انعام کے طور پر تقسیم کیے۔ جب وہ بدایوں پہنچا تو اس کے لشکر میں ساٹھ ہزار سوار تھے۔ ملک رکن الدین چونکہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اس لیے وہ ارکلی خاں کے پاس ملتان چلا گیا۔

علاء الدین نہایت اطمینان کے ساتھ دہلی پہنچ گیا 31 وہاں اس نے جمنا کے کنارے ایک باغ میں قیام کیا۔ قدیم امراء اور سردار روپے کے لالچ میں اس سے آ کر مل گیے۔

عہدِ جلال الدین کے شعرا

سلطان جلال الدین کی شہادت کا حادثہ 17 / رمضان 694ھ / 1295ء کو پیش آیا۔ سات سال اس نے سلطنت کی مرحوم سلطان کو شعروسخن کا بھی خاصا ذوق تھا۔ سلطان معز الدین کے قتل کے بعد امیر خسرو کو اس نے اپنی مجلس میں شریک کرلیا تھا۔ بادشاہ کا مصحف ان کی تحویل میں رہتا تھا اور ہر سال ان کو ایک بھاری خلعت ملتی تھی۔ اس کے ندیموں میں امیر حسن، مؤید امیر ارسلان کاتبی، سعد منطقی اور قاضی خطیب جیسے صاحب علم و ادب لوگ شامل تھے۔ اسی عہد کے سب سے بڑے عالم قاضی مغیث ہانسوی تھے۔

جن کی ایک غزل بہت مشہور ہے۔ یہ غزل فن غزل گوئی کا ایک نادر نمونہ تھی اسے اُنیس بحروں میں پڑھ سکتے تھے۔ اس غزل کا مطلع ہے:

دو دُر گوش وقد خوش دو خد خو ب وخط تر
فرتو فری پری وپری وبا کرٓ وفر

سلطان جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا۔ اس کا نمونہ کلام درج ذیل ہے:

آن زلف پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
وآن روئی چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بی پیر منت خواہم یک شب بکناآئی
ھان بانگ بلندست این پوشیدہ نمی خواہم

سلطان نے جس زمانہ میں گوالیار کا محاصرہ کیا تھا تو وہاں اس نے ایک بڑا گنبد تعمیر کرایا تھا اس کے کتبہ کے لیے خود ہی یہ رباعی کہی تھی:

ماراکہ قدم بہ سرگردون ساید
از تودۂ سنگ وگل چہ قدر افزاید
این سنگ شکستہ زان نہادم درست
باشد کہ دل شکستہ آساید

سلطان نے اس رباعی کو ہم نشیں شاعروں، خاص طور پر سعد منطقی کو سنا کر اس پر تنقید و جرح کرنے کا حکم دیا۔ سب نے بے حد تعریف کی اور کوئی غلطی نہیں بتائی۔ سلطان نے کہا تم لوگ میرا پاس ولحاظ کرر ہے ہو اس رباعی کے عیب میں خود ایک دوسری رباعی میں ظاہر کر دیتا ہوں:

باشد کہ درین جا گزر کس باشد
کس خرقہ ردائی چرخ اطلس باشد
شاید کہ زیمن قدم میمونش
یک ذرہ بمارسد ھمان بس باشد

سلطان علاء الدین خلجی

سلطان علاء الدین خلجی دہلی میں 32 ذی الحجہ 695 ھ / 1296ء کو جلوہ افروز ہوا۔ تخت نشینی کی رسم سلطان کے بھائی الماس بیگ کی تائید و اتفاق سے انجام پائی۔ سلطان نے الماس بیگ کو الغ خاں، اپنے سالے سنجر کو جو میر مجلس تھا الپ خاں، ملک نصرت جلیسری کو نصرت خاں اور ملک بدرالدین کو ظفر خاں کا خطاب دیا۔

تخت نشینی کے بعد سلطان نے ایک میدان میں لشکر کا خیمہ لگوایا اور وہاں دربار عام منعقد کر کے عوام و خواص سب کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اس مجلس میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور امیر اور سرداروں کو مناسب جاگیریں عطا کی گئیں۔

ملتان کی مہم

جب پایۂ تخت کا بندوبست بحسن وخوبی ہوگیا تو سلطان نے سب سے پہلے سلطان جلال الدین کے بیٹوں کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور 696ھ/1297ء میں الغ خان اور الپ خاں کو بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کر کے ارکلی خاں اور سلطان رکن الدین کے مقابلے کے لیے بھیجا، یہی مہم ملتان کی مہم کہلاتی ہے۔ دونوں شہزادے ملتان کے قلعے میں بند ہوگیے۔ بادشاہی لشکر نے شہر پر حملہ کردیا لیکن کوتوال شہر اور باشندوں نے امان طلب کر کے صلح کرلی۔ شہزادوں میں بھی مقابلے کی تاب نہیں تھی اس لیے انھوں نے بھی شیخ رکن الدین قریشیؒ کو ذریعہ بنا کر مصالحت کی درخواست کی اور الغ خاں کے پاس آگیے۔ الغ خاں نے نہایت عزت وتوقیر کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور فتح کی خوشخبری دہلی کے لیے روانہ کردی اور خود بھی امیر شہزادوں کو لے کر دہلی کی طرف چلا۔ جب وہ ضلع ہانسی میں بھوہر گاؤں پہنچا تو نصرت خاں اس کے نام ایک شاہی فرمان لے کر آیا جس کے حوالے سے الغ خاں نے دونوں شہزادوں اور مرحوم سلطان کے مغل داماد الغو بیگ اور دانش مند وزیر ملک احمد چپ کو اندھا کردیا۔ ارکلی خاں کے دونوں بیٹوں کو قتل کرادیا اور دونوں شہزادوں کو ہانسی کے کوتوال کی حراست میں دے کر باقی اسیروں کو مع اہل وعیال دہلی روانہ کردیا۔ سلطان نے الغو مغل اور احمد چپ کو قلعہ گوالیار میں بھیج دیا اور دوسروں کو دہلی ہی میں قید رکھا۔ اس زمانے میں اور دوسرے بہت سے قدیم امراء کو بھی اندھا کردیا گیا اور کچھ کو جلا وطنی کا حکم دیا گیا۔ غرض سلطان جلال الدین کا سارا خاندان دیکھتے ہی دیکھتے تباہ وبرباد ہوگیا اور اس طرح قدرت نے حق پسند درویش سیدی مولہ کے خون کا بدلہ پوری طرح چکا دیا۔

697ھ/ 1298ء میں نصرت خاں منصب وزارت پر مامور ہوا۔ اس نے لوگوں سے وہ سارے انعامات بڑی سختی کر کے واپس لے لیے جو علاء الدین نے ابتداء میں تالیف قلب کے لیے عطا کیے تھے۔ اس طرح سرکاری خزانہ میں بے انتہا روپیہ داخل ہوگیا۔ علاء الملک 33 جو دہلی کا کوتوال تھا۔ سلطان نے اسے کڑے کی حکومت عطا کر کے روانہ کردیا تھا

لیکن دوبارہ اسے کڑہ سے بلا کر اس کے قدیم عہدہ پر فائز کر دیا۔ ملتان کا علاقہ الپ خاں کو بطور جاگیر ملا۔

مغلوں کا پہلا حملہ

698ھ/1299ء میں مغلوں نے چتلا نامی مغل سردار کی قیادت میں ہندستان پر حملہ کیا۔ وہ سندھ سے آگے تک بڑھ آیا۔ سلطان نے اس کے مقابلے کے لیے الغ خاں اور تغلق خان غازی الملک کو جو دیپال پور کا حاکم تھا، روانہ کیا۔ شاہی لشکر کی مغلوں سے جارت منجھور کے علاقے میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کار مغلوں کو شکست ہوئی اور کئی ایک مغل میدان میں مارے گیے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور شاہی لشکر مال و غنائم لے کر فاتح اور کامیاب واپس آیا۔

مغلوں کا دوسرا حملہ

مغلوں کا دوسرا حملہ قتلغ 34 خواجہ ولد سلطان داؤد کی قیادت میں ہوا۔ خواجہ ماوراء النہر سے فتح اور کامیابی کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے ہندستان میں داخل ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ دہلی کی سرحد تک آپہنچا۔ حملہ آوروں نے مضافات اور دیہات میں کسی قسم کی غارت گری نہیں کی۔ البتہ دہلی کی پوری طرح ناکہ بندی کر دی جس کی وجہ سے شہر میں غلہ کی کمی ہوگئی اور گرانی کے سبب لوگ تنگ آگیے۔ سلطان نے حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے الغ خان اور ظفر خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ آمادہ کیا اور دہلی کی سرحد پر لڑائی ہوئی۔ اس معرکہ میں ظفر خان 35 مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ہلاکت خود سلطان کی مرضی کے مطابق ہوئی۔ قتلغ خواجہ شکست کھا کر خراسان بھاگ گیا اور وہیں انتقال کیا۔

مغلوں کا تیسرا حملہ

تیسری بار مغلوں نے ترغی مغل کی قیادت میں جو بڑا ماہر تیرانداز تھا ہندستان پر حملہ کیا۔ ترغی کی کمان میں ایک لاکھ پیادہ اور بیس ہزار سوار تھے وہ کوہستانی علاقوں کو فتح کرتا ہوا قصبہ برن تک آ پہنچا۔ برن کا حاکم ملک فخرالدین امیر دار قلعہ بند ہوگیا۔ سلطان نے اس کی مدد کے لیے ملک تغلق غازی الملک کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ جس وقت شاہی لشکر وہاں پہنچا تو ملک فخرالدین بھی قلعے سے نکل کر اس سے آملا دونوں نے مل کر رات کو مغل فوج پر چھاپہ مارا یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ مغل بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ترغی کو زندہ گرفتار کرلیا گیا۔

مغلوں کا چوتھا حملہ

علاء الدین کے عہد میں مغلوں نے چوتھی بار خراسان کے شہزادوں محمد ترباق اور علی بیگ کی قیادت میں ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ اس مرتبہ مغلوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ان کا ایک لشکر ناگور کی طرف بڑھا اور دوسرا سرمور کے پہاڑوں کو فتح کرتے ہوئے بیاہ یعنی کالی ندی کے کنارے پہنچ گیا۔ سلطان نے ملک مانک غلام اور حاکم دیپال پور ملِک تغلق کو ان کے مقابلے پر امروہہ کی جانب روانہ کیا۔ مغل غنیمت میں ملا ہوا کافی مال و اسباب لیے ہوئے رھب ندی کو عبور کر رہے تھے کہ ملک مانک نے ان پر پیچھے سے حملہ کردیا۔ اس موقعے پر بڑی خوں ریز لڑائی ہوئی۔ دونوں مغل شاہزادے خوب جم کر لڑے اور انھوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ لیکن وہ گرفتار ہو کر قتل ہوئے اور ان کا ایک بڑا لشکر گاجر مولی کی طرح کٹ گیا، جو بچے وہ جان بچا کر اپنے ملک کو بھاگ گیے۔ دونوں شہزادوں کے سر قلعہ بدایوں کے کنگرے پر لٹکا دیے گیے۔ 36

کسی شاعر نے اس موقعے پر بدایوں کے جنوبی دروازہ پر یہ قطعہ لکھ دیا:

ای حصن کہ تائید خدا یار تو باد
فتح وظفر شاہ عالم دار تو باد
از نو ملک زمانہ معمار تو شد
ترغی چو علاء بیگ گرفتار تو باد

مغلوں کا پانچواں حملہ

مغلوں نے پانچویں بار وکیک نامی مغل سردار کی قیادت میں حملہ کیا۔ وکیک دونوں شہزادوں کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک بڑا لشکر لے کر ملتان کی طرف آیا۔ سلطان نے اس بار بھی ملک مانک اور ملک تغلق کو ہی ان کے مقابلے پر بھیجا۔ شاہی لشکر عین اس وقت جب کہ مغل ملتان کو لوٹ کر واپس جا رہے تھے ان کے سر پر جا پہنچا۔ اور ایسا بھر پور حملہ کیا کہ مغل سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ لشکر نے ان کا پیچھا کر کے کئی ایک مغل سرداروں اور وکیک کو گرفتار کر لیا۔ کافی مال غنیمت جس میں ملتان کی لوٹ بھی شامل تھی شاہی لشکر کے ہاتھ آیا۔ اس شکست کے بعد مغل ایسے پست ہوئے کہ پھر ہندستان کی جانب رخ کرنے کی ان کی جرات نہ ہوئی۔

شراب کی ممانعت

فتح کی بنیاد پر پورے ہندستان پر سلطان علاء الدین کا رعب چھا گیا اور ملک کی سرحدیں بھی محفوظ ہوگئیں۔ سلطان نے ان فتوحات کی خوشی میں شاہی جشن منعقد کیا اور رات بھر شراب و گانے کی محفل آراستہ کی۔ اس رات جب کافی دیر ہوگئی تو اہل مجلس اٹھنے کے لیے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔ سلطان جو شراب کے نشے میں مدہوش ہو رہا تھا اس کو یہ گمان ہوا کہ لوگ میرے قتل کے لیے اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ گھبرا کر ''غدر غدر'' چلانے لگا اور اپنے محافظوں کو قاضی بہار کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ قاضی بہار سلطان کا

نہایت چھپیتا اور رازدار تھا۔ اسی وقت سب لوگ مجلس سے اٹھ کر چلے گیے۔ جب صبح ہوئی اور بادشاہ کے ہوش ٹھکانے آئے تو اسے خیال آیا کہ رات میں اس نے خواہ مخواہ بدگمانی کی تھی چنانچہ اس نے قاضی بہار کو بلوا بھیجا۔ خدام نے عرض کیا وہ تو اسی وقت قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ سن کر سلطان کو سخت صدمہ ہوا اور ایسی پشیمانی ہوئی کہ اس نے اسی وقت شراب سے توبہ کی اور منادی کرادی کہ پوری مملکت میں کسی جگہ بھی شراب فروخت نہ کی جائے۔ شاہی محل میں جتنے بھی شراب کے ذخیرے تھے سب بہا دیے گیے۔ اس حکم کے بعد جو بھی حالت مستی میں پایا جاتا اسے سزادی جاتی تھی۔ میخانے بند ہو گیے اور محتسبوں کی بن آئی، زہد وتقوی کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔

697ھ/1298ء میں نومسلم مغلوں نے بغاوت کا ارادہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکاری افسران نے ان سے سرکاری روپے اور سلطان کے دیے ہوئے انعامات واپس لینے میں بڑی سختی کی۔ تنگ آکر انھوں نے طے کیا کہ جس دن سلطان شکار میں مصروف ہو وہ غدر برپا کر دیں گے۔ سلطان کو ان کے ارادوں کا علم ہوا۔ اس نے خفیہ احکام جاری کر دیے کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو جو بھی مغل نظر آئے قتل کر دیا جائے، چنانچہ مقررہ دن پورے ہندستان میں بیچارے یہ پردیسی نومسلم اس قدر قتل ہوئے کہ شمار سے باہر ہے۔

علاء الدین کی خام خیالی

دنیاوی کامیابیاں انسان کو اپنے متعلق ایسی ایسی خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ وہ آسمانوں کی پرواز کرنے لگتا ہے۔ علاء الدین کو بھی جب لگاتار کئی کامیابیاں ملتی گئیں اور سارا ملک اس کی حکمرانی کے ماتحت آگیا تو وہ بھی طرح طرح کے خیالی پلاؤ بنانے لگا۔ ایک تو یہ سوجھی کہ دین محمدی کی طرح ایک اور دین ایجاد کرے۔ اس نے خلفائے اربعہ کی طرح الغ خاں، الپ خان، ظفر خان اور نصرت خان کو چار خلفاء بنانا بھی طے کر لیا۔ دوسرا یہ خبط سوار ہوا کہ سکندر کی طرح تمام دنیا کو فتح کر لے۔ چنانچہ اس نے خطبہ میں اپنے نام کے ساتھ سکندر ثانی پڑھنے کا حکم دے دیا۔ لیکن خدا نے اسے گمراہی سے بچالیا۔ سلطان نے ان

دونوں باتوں کے لیے علاء الدین کوتوال شہر سے مشورہ کیا، علاء الملک دانا آدمی تھا، اس نے ان دونوں باتوں سے منع کیا کہ دین کسی بندے کے ایجاد کرنے سے نہیں بن جاتا یہ تو صرف اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ معجزوں کا ہونا بھی ضروری ہے بغیر اس کے صرف دولت اور قوت کے زور سے دین کو بدل دینا ممکن نہیں، ایسے کسی اقدام سے تو طرح طرح کے فتنے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے جن کے نتیجے میں سوائے رسوائی اور پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ البتہ ملک گیری کا ارادہ نہایت معقول اور مناسب ہے لیکن نہ سکندر سا ساز و سامان میسر ہے، نہ ارسطو جیسا وزیر، آپ اگر ہندستان کے قلعوں کو کافروں سے اور دہلی کے علاقے کو سرکشوں سے پاک کردیں تو یہ کارنامہ سکندر کی جہانگیری سے کم نہ ہوگا۔ علاء الدین نے ان کی باتوں پر غور وخوض کرنے کے بعد حالات کی نزاکت کے تحت مشورہ کیا اور علاء الدین کو علاء الملک کا مشورہ پسند آیا اور وہ اپنی ان خام خیالی سے باز آگیا اور خوش ہوکر علاء الملک کو خلعت اور انعامات عطا کیے۔ دربار کے دوسرے امراء جو بادشاہ کی ہیبت اور بدمزاجی کی وجہ سے خلاف مرضی کوئی بات کہنے کی جرات نہیں رکھتے تھے، وہ بھی علاء الملک کی اس بے باکی اور حق گوئی پر بہت خوش ہوئے اور اس کی بہت تعریف و تحسین کی اور اس کے پاس تحفے بھیجے۔ اسی سال بادشاہ نے دیوگیر 37 کو دوبارہ فتح کیا اور اس فتح کے نتیجے میں وہاں سے کافی مال غنیمت اور نفیس تحفے ہاتھ آئے۔

گجرات پر فوج کشی

698ھ / 1298ء میں سلطان نے گجرات کے راجہ کرن پر فوج کشی کے لیے الغ خان 38 کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ رائے کرن تیس ہزار سوار، اسی ہزار پیادے اور اور تیس ہاتھی لے کر مقابلے کے لیے آیا لیکن شاہی لشکر کے مقابلے میں اسے شکست ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ الغ خان نے سروالہ کو لوٹ لیا اور رائے کرن کا تعاقب کیا۔

وہ دیوگیر (دکن) کے راجہ رام دیو کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔ اس کے اہل و

عیال اور گجرات 39 کا خزانہ مسلمانوں کو مال غنیمت کی شکل میں مل گیا۔ رائے کرن کی ایک بیوی دیول رانی نہایت حسین وجمیل عورت تھی۔ سلطان کا بڑا لڑکا خضر خان اس پر عاشق ہوگیا۔ خضر خان نے امیر خسرو سے اس عشقیہ داستان کو نظم کرنے کی فرمائش کی تھی۔ انھوں نے ان دونوں کے عشق کی داستان کو بڑے عمدہ انداز میں نظم کی شکل دی ہے جو بہت مشہور ہے۔ الغ خان نہراوالہ سے ایک بڑا بت جس کی ہندو بہت تعظیم کیا کرتے تھے دہلی لے آیا تھا، اس نے اس بت کو دہلی کی سڑک پر ڈال دیا تھا کہ راہ گیر اس کو پامال کریں۔

جس وقت رائے کرن شکست کھا کر بھاگا تھا۔ الغ خان اس کے تعاقب میں سومنات 40 تک گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اس مشہور بت خانے کو دوبارہ تباہ کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنوائی۔

اس زمانہ میں نصرت خان کے کھمبایت 41 پر جو ساحل سمندر پر ایک مشہور بندرگاہ ہے، حملہ کیا۔ کھمبایت سے نصرت خان کو بے شمار مال و دولت لعل و جواہرات حاصل ہوئے۔ مشہور فاتح کافور ہزار دیناری بھی اس لڑائی میں گرفتار ہوکر آیا تھا جس نے ترقی کرکے سلطان کے نائب کی حیثیت اختیار کرلی۔

الغ خان جب گجرات فتح کر کے الور میں آیا تو اس نے فوجوں پر بڑی سختی کر کے مال غنیمت وصول کیا۔ اس کارروائی سے مغل لشکری بگڑ گیے اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیے لیکن الغ خان نے ان کو شکست دے کر سخت سزا دی 42 اور انھیں منتشر کر دیا۔ ان میں سے کچھ مغل تو رنتھمبور کے قریب جھابن میں راجہ ہمیر دیو کے پاس چلے گیے اور الغ خان مسلسل کوچ کرتے ہوئے دہلی لوٹ آیا۔

رنتھمبور کا معرکہ

الغ خان نے 699ھ/1299ء نے رنتھمبور اور جھابن پر جو نوشہرہ کے نام سے موسوم ہے، حملہ کیا۔ یہاں کا راجہ رائے پتھورا کا پوتا ہمیر دیو تھا وہ دس ہزار سوار، بکثرت پیدل فوج اور بے شمار ہاتھی لے کر مقابلے کے لیے آیا لیکن اسے بری طرح شکست ہوئی وہ

اپنا مال و اسباب سمیٹ کر رنتھنبور کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ الغ خان نے اس مہم کے متعلق تفصیلی رپورٹ دہلی روانہ کی اور سلطان کو رنتھنبور پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

چتوڑ 43 کی فتح

سلطان علاء الدین نے الغ خان کے مشورے پر ایک بڑی فوج لے کر کوچ کیا اور تھوڑی مدت میں ہی اس قلعے کو بڑی آسانی سے فتح کر لیا اور ہمیر دیو کو قتل کروا دیا۔ اس قلعے سے مال و دولت کا ذخیرہ برآمد ہوا۔ سلطان نے اس کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ دار مقرر کیا اور جھابن کا علاقہ الغ خان کے حوالے کر کے چتوڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔

شاہی لشکر نے مختصر وقت میں چتوڑ کو فتح کر لیا۔ سلطان نے اس کا نام خضر آباد رکھا اور خضر خان لعل کو ایک چتر عطا کر چتوڑ کی سربراہی پر مامور کر دیا۔

شاہزادہ کی وفات

اس مہم میں جو واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بادشاہ کی روانگی سے پہلے شاہزادہ نصرت خان نے الغ خان کی مدد کے لیے رنتھنبور کے قلعے کا محاصرہ کر لیا تھا۔ ایک دن قلعہ والے مورچوں پر سنگ باری کر رہے تھے کہ ایک پتھر نصرت خان کو لگا، جس کی چوٹ کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔ اس سے پہلے ظفر خان کے مر جانے سے بادشاہ کا ایک بازو ٹوٹ گیا تھا۔ اب نصرت خان کے شہید ہونے کے بعد اس کا دوسرا بازو بھی کٹ گیا۔

علاء الدین خطرے میں

دوسرا واقعہ خود بادشاہ کے ساتھ پیش آیا۔ جب بادشاہ ہنت کے قصبہ میں پہنچا تو وہ ایک مرتبہ ساری رات قمرغہ 44 میں مصروف رہا، دوسرے دن صبح فوجوں کو تقسیم کر کے مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ اس وقت وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر فوجوں کی روانگی کا معائنہ کر رہا تھا۔

عین اس موقع پر اکت خان ان نومسلم مغلوں کو جو پہرہ پر معین تھے، ساتھ لے کر بادشاہ پر حملے کے ارادے سے بڑھا۔ باغیوں نے تیر برسانے شروع کردیے۔ بادشاہ کے بازو میں بھی ایک تیر لگا اور وہ زخمی ہوگیا لیکن خوش قسمتی سے موسم سرما کی وجہ سے روئی کا موٹا کوٹ پہنے ہوئے تھا اس لیے تیر زیادہ کارگر نہیں ہوا تاہم سلطان نیم جان ہوکر زمین پر گر پڑا ۔اکت خان نے گھوڑے سے اتر کر چاہا کہ سلطان کا سر کاٹ لے تاکہ سارا قصہ ہی ختم ہوجائے لیکن سرداروں نے اکت خان کا استقبال کرتے ہوئے دوستانہ باتیں کیں اور عرض کیا بادشاہ کا کام تمام ہوا اب سر کاٹنے کی کیا جلدی ہے۔ اکت خان پس و پیش میں پڑ گیا اور سیدھا شاہی خیمے میں جاکر سلطان کے تخت پر بیٹھ گیا، کسی امیر نے کوئی عذر نہ کیا بلکہ سب نے نذرانے پیش کیے۔ اکت خاں کم حوصلہ آدمی تھا۔ اس سے صبر نہ ہوسکا اور وہ اسی وقت شاہی حرم سرا میں گھسنے لگا۔ ملک دینار (کافور) اپنی جمعیت کے ساتھ پہرے پر تھا اس نے اسے روک دیا اور کہا جب تک تم بادشاہ کا سر نہ لاؤ گے میں اندر نہیں جانے دوں گا۔ ادھر علاء الدین کو جب ہوش آیا تو اس کی مرہم پٹی ہوئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ یقیناً امراء اکت خان سے مل گیے ہیں۔ ان کی موافقت کے بغیر اکت خان کی یہ جرأت نہیں ہوسکتی، اس لیے اس وقت لشکر گاہ میں جانا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ اب جو پچاس ساٹھ ہمراہی رہ گیے ہیں ان کے ساتھ الغ خان کے پاس جھابن میں چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔ لیکن بعض سرداروں نے اس کی تائید نہ کی اور اسے مجبور کر کے لشکر گاہ کی طرف لے چلے۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ پچاس سوار اور آکر بادشاہ کے ہمراہ ہوگیے ۔جیسے ہی اکت خان کو یہ خبر ملی کہ بادشاہ مرا نہیں بلکہ زندہ ہے، وہ حواس باختہ ہوکر افغان پور کی طرف بھاگ نکلا۔ لشکر والوں نے اس کا پیچھا کیا اور اسے گرفتار کرلیا اور بادشاہ کے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے اس کے سارے کنبے کو قتل کردیا۔ اس حادثہ میں اس کا بھائی قتلغ خان بھی مارا گیا، اسی زمانہ میں بادشاہ کے دو بھتیجوں عمر خان اور منگو خان نے بدایوں 45 میں بغاوت کی تو دو تین شاہی سردار وہاں جاکر ان دونوں کو پکڑ لائے، ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔

حاجی مولا کی بغاوت

محاصرہ رنتھنبور کے موقعے پر بھی ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا تھا۔ ملک الامرء کوتوال کے ایک غلام حاجی مولا نے چند فتنہ پردازوں کو ساتھ لے کر ایک سازش کی۔ وہ بادشاہ کا ایک جعلی فرمان لے کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بدایوں دروازے سے دہلی میں آیا اور وہ فرمان دکھا کر شہر کے کوتوال ترمذی کو قتل کر دیا اور شہر کے دروازے بند کر دیے پھر اپنے آقا علاء الملک کو جو قلعے کے کوتوال تھے کہلایا کہ بادشاہ کے پاس سے فرمان آیا ہے اسے آکر پڑھو۔ علاء الملک ہوشیار آدمی تھا وہ اس کے پاس نہیں گیا۔ حاجی مولا نے کوشک لعل میں جتنے قیدی تھے سب کو رہا کر کے انھیں مسلح کر دیا اور انھیں شہر کے خزانے سے رقم دے کر اپنا موافق بنا لیا اور ایک علوی سید ہنسہ نامی کو جس کی ماں شمس الدین التمش کی اولاد میں سے تھی کوشک لعل میں تخت سلطنت پر بٹھا کر تمام امیروں سے جبراً نذر دلوائی۔ حاجی مولا کی ان سب حرکتوں کی خبر بادشاہ کو پہنچتی رہی لیکن اس نے سب خبروں کو راز میں رکھا اور پایہ تخت کے اس ہنگامے پر کچھ زیادہ پریشان نہ ہوا اور پوری دل جمعی کے ساتھ فوج کشی میں لگا رہا۔ حاجی مولا کی سرکشی کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ملک حمید الدین نے جو میر کوٹی کے عہدہ پر فائز تھا اپنے بیٹے اور ظفر خان کے کچھ سواروں کو جو امروہہ 46 سے آئے تھے ساتھ لیا۔ یہاں تک ہم نے جو واقعات تحریر کیے ہیں تاریخ کی کتابوں میں ان کی سن بہ سن ترتیب قابل اطمینان نہیں ہے جس طرح لکھا ہوا تھا ہم نے اسی طرح بیان کر دیا۔

مالوہ پر حملہ

700 ھ/ 1300ء میں سلطان نے عین الملک شہاب ملتانی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مالوہ فتح کے لیے روانہ کیا۔ مالوہ کی رانی کوکا نے چالیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادہ کی کثیر فوج کے ساتھ عین الملک شہاب ملتانی کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر وہاں سے بھاگ گئی۔ عین الملک نے رانی کے علاقے کو خوب لوٹا اور بہت زیادہ مال غنیمت لے

دارالسلطنت واپس آیا۔ اس واقعہ کو عین الملک نے نظم بھی کیا ہے:

بعین الملک اشارت کرد زابرو
کہ تا آرد بسوئی مالوہ 47 رو

سورت کے قلعے پر حملہ

اسی سال بادشاہ شکار کے ارادے سے سورت 48 کی طرف گیا۔ سورت کے قلعے میں ایک فتنہ پرداز ستلایو نامی شخص نے ایک کثیر جمعیت فراہم کر کے ہنگامہ مچا رکھا تھا اور شاہی لشکر کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ سلطان نے سب سے پہلا شکار اس شخص کا کیا اور اسے گرفتار کر کے جہنم پہنچا دیا۔

دکن پر ملک کافور کا حملہ

701ھ / 1301ء میں جالدیو کے قلعے کو شاہی سردار کمال الدین کرک نے فتح کیا اور وہاں کے باغی کنہیر دیو کو قتل کرادیا۔ 702ھ / 1302ء میں سلطان نے ملک کافور نائب کو کافی ساز و سامان اور بڑے لشکر کے ساتھ مرہٹوں اور تلنگوں کے وطن پر حملے کے لیے روانہ کیا۔ ملک کافور نے وہاں سے کافی بڑا خزانہ، ہاتھی، گھوڑے، جواہرات اور قیمتی کپڑے مال غنیمت کی شکل میں حاصل کیے۔

وارنگل کا گھیرا

709ھ / 1309ء میں ملک کافور نے دوبارہ ارنگل 49 پر حملہ کیا اور وہاں کے راجہ اندر دیو کو شکست دے کر قیمتی ساز و سامان کا ذخیرہ، بہتر ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے اس سے بطور ہرجانہ لیے اور سالانہ خراج مقرر کیے اور پھر دوسرے علاقے کو اپنی گرفت میں کرتا ہوا

پورے دکن کے علاقے کو فتح کرلیا50۔

711ھ/1311ء میں ملک کافور دکن کی فتوحات سے فارغ ہو کر دہلی واپس پہنچا اور تین سو بارہ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، 96 ہزار من سونا، جواہرات اور مروارید کے بے شمار صندوق اور ہر طرح کے مال و اسباب کے ذخیرہ بادشاہ کے سامنے لاکر رکھ دیے۔ ان فتوحات کا تذکرہ امیر خسرو نے اپنی کتاب ''خزائن الفتوح'' میں کیا ہے۔

سلطان علاء الدین کی ان پے در پے عظیم الشان فتوحات کو لوگ علاء الدین کی کرامت پر محمول کرنے لگے۔ بعض لوگ اسے جادوگر اور ساحر سمجھتے تھے اور بعض کو یہ یقین تھا کہ یہ ساری فتوحات شیخ نظام الدین51 اولیا کی برکت و دعا کا نتیجہ ہیں۔

جب مکمل ہندستان دہلی سلطنت کے ماتحت ہوگیا اور سلطان ان تمام مہمات سے فارغ ہوگیا تو اس نے اپنے بیٹوں کی شادیاں کرائیں اور ان کو علاحدہ علاحدہ علاقے جاگیر میں دے دیے۔ خضر خان کا نکاح اس کی محبوبہ دیول رانی کے ساتھ ہوا۔ امیر خسرو کی لکھی ہوئی مثنوی جو اس واقعہ کے متعلق ہے خضر خان کو سلطان نے ''چتر اور درباش'' عطا کر کے اپنا ولی عہد بنایا اور اسے ہستناپور کے علاقے میں بھیج دیا۔

علاء الدین کی علالت

کچھ عرصے کے بعد ہی سلطان علاء الدین بیمار ہوا۔ بڑھاپے نے اسے کمزور تو کر ہی دیا تھا۔ بہت جلد کئی بیماریاں لاحق ہوگئیں، یہاں تک کہ تپ دق کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ آخر زمانہ میں اس کے حواس جاتے رہے، مزاج میں چڑچڑاپن اور بدگمانی غالب آگئی تھی۔

علاء الدین کا انتقال

خضر خان کو جب باپ کی علالت کی خبر ملی تو اس نے باپ کی صحت کے لیے منت مانی تھی۔ جب درمیان میں سلطان کو بیماریوں سے کچھ راحت ملی تو وہ ہستنا پور سے دہلی

بزرگوں کی زیارت کے ارادے سے ننگے پیر آیا اور اسے اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، حالانکہ وہ ان کا بہت زیادہ مشتاق تھا، ملک کافور کو خضر خان سے دلی عداوت تھی۔ اس نے اس کی آمد کو بادشاہ کے سامنے رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا اور کہا کہ اس کا ماموں الپ خان بھی گجرات سے اسی لیے آیا ہوا ہے کہ خضر خان کو بادشاہ بنا کر خود اس کا نائب بن جائے۔ سلطان اس کے جھانسے میں آگیا اور اسی وقت الپ خان کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ملک کافور اور ملک کمال الدین گرگ نے اس بے گناہ کو شاہی قلعے میں لاکر بٹیر کی طرح ذبح کر ڈالا۔ ملک کافور نے اب بادشاہ کو سمجھایا کہ ماموں کے قتل کی وجہ سے خضر خان ناراض ہوگا۔ اس لیے اب اس کو واپس جانے دینا مناسب نہیں، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ خضر خان امروہہ چلا جائے اور ہم جب تک نہ بلائیں وہ وہاں شکار میں مصروف رہے۔ خضر خاں نے مجبوراً حکم کی تعمیل کی۔ کچھ دن بعد اس نے باپ کے پاس عرضی لکھ کر معلوم کیا کہ آخر مجھ سے کون سا ایسا قصور ہوا کہ مجھے اس کی سزا دی جارہی ہے؟ عرضی بھیج کر وہ صاف دل بیٹا باپ سے ملنے بے اختیار چلا آیا۔ اسے دیکھ کر محبت پدری نے جوش مارا اور سلطان نے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور اس کے رخساروں کا بوسہ لے کر ماں کے سلام کے لیے رخصت کیا۔ ملک کافور نے پھر بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے اور اس کی طرف سے بدگمانی پیدا کرنے میں کامیاب ہوا، اسے باور کرا دیا کہ خضر خان پھر بن بلائے بُرے ارادے ہی سے آیا ہے۔ بادشاہ کی عقل جاتی رہی تھی۔ وہ خضر خان سے دوبارہ بدگمان ہوگیا۔ آخر اسے اس کے بھائی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعے میں قید کرادیا۔ ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد ملک کافور نے چوتھے شاہزادے شہاب الدین کو جو خضر خان کا سوتیلا بھائی تھا ولی عہد بنا دیا اور اس سے اپنی نیابت کے لیے پختہ عہد کرا لیا۔ اس واقعے کے دو تین دن بعد ہی سلطان نے اس دنیائے فانی سے منہ پھیر لیا۔ اس نے اکیس سال حکومت کرنے کے بعد 716ھ/ 1316ء میں رحلت کی:

علاء الدین کہ از مہر علائی سکہ برزر زد
جہان بگرفت زیر زرکف دست زر افشانش
ز دور چرخ گشت آن سکہ دگر گون ولی آن زر
ہمانسان ماند درعالم کہ بینی دست گردانش

امیر خسرو اور امیر حسن

علاء الدین کے زمانے کے شاعروں میں امیر خسرو ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے علاء الدین کے نام پر پانچ کتابیں دو سال کے عرصے میں تصنیف کیں۔ ان کتابوں کے مجموعہ کا نام ''خمسہ'' رکھا۔ خمسہ کی تکمیل 698 ھ/1298 ء میں ہوئی۔ اس میں ''مطلع الانوار'' کا حصہ دو ہفتے میں لکھ دیا تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں :

سال کزین چرخ کہن گشتہ بود
از پس شش صد نود وہشت بود
از اثر اختر گردون خرام
شد بدو ہفتہ مہ کامل تمام

اپنی دوسری کتاب ''نغمات'' میں انھوں نے اپنے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء کا قول نقل کیا ہے۔

''روز قیامت ہر کسی بہ چیزی نازد و نازمن بسوزِ سینہ این ترک اللہ است''۔

خسرو کا یہ شعر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

خسرو من کوش براہ صواب
تا ت شود ترک خدائی خطاب

امیر خسرو کا انتقال 725 ھ/ 1325ء میں ہوا۔ ان کی قبر سلطان الاولیاء کے بائیں جانب ہے۔ مولانا شہاب مُعمائی نے قطعۂ تاریخ کہہ کر لوح قبر پر کندہ کرادیا ہے:

میر خسرو 52 خسر و ملک سخن
آن محیط فضل و دریائی کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین
نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستان سرائی بی قرین
طوطیِ شکر مقال بی مثال
از پی تاریخ سال فوت او
چون نہادم سر بزانوئی خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او
دیگر ی شد طوطی شکر مقال

علاء الدین کے دربار کا دوسرا شاعر امیر حسن تھا، ان کا دیوان بھی بہت مشہور ہوا ہے۔ جس سال سلطان محمد نے دہلی کو ویران کر کے دکن میں دولت آباد کو پایہ تخت بنایا تھا، امیر حسن کو بھی دولت آباد جانا پڑا تھا اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی قبر دولت آباد میں مرجع خاص و عام ہے۔

عارف جامی نے ان دونوں شاعروں کے متعلق کہا ہے:

آن دو طوطی کہ بنو خیزی شان
بود درھند شکر ریزی شان
عاقبت سخرۂ افلاک شدند
خامۂ شان قفس خاک شدند

حواشی

1. دوآبہ گنگا اور جمنا کے بیچ کے علاقے کو کہا جاتا تھا یہ علاقہ میدانی تھا اور گنگا اور جمنا ندی کے ذریعہ لائی گئی زرخیز کالی مٹی سے اچھی فصل ہوا کرتی تھی یہ علاقہ غلہ اور حکمرانوں کے لیے وسیلہ آمدنی کی وجہ سے نہایت فائدہ مند ثابت ہوتا تھا۔ آج کل کے اتر پردیس صوبہ کا بیشتر حصہ اسی دوآبہ میں آتا تھا۔
2. کہرام اور کیتھل موجودہ ہریانہ ریاست میں ہیں (مترجم)
3. آئین اکبری میں 180 میل لکھا ہے۔
4. صاحب طبقات ناصری کے مطابق یہ دونوں ملک شوالک کی جانب چلے گیے۔
5. صاحب طبقات ناصری لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ 656ھ / 1258ء میں رونما ہوا۔
6. حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر فرخ شاہ کابل کے پوتے تھے۔ والد کا نام کمال الدین سلیمان تھا۔ شہاب الدین غوری کے عہد حکومت میں آپ کابل سے ملتان آئے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا انتقال اپنے پیرومرشد کے انتقال کے دو سال بعد ہوا تھا ان کا مقبرہ (پاک پٹن) پاکستان میں ہے شیخ مخدوم گنج شکر کے سن وفات کے بارے میں اختلاف

ہے۔ ملا بدایونی نے 656 ھ/ 1258ء لکھا ہے اسی طرح شیخ بہاء الدین زکریا کا سن وفات بھی 657 ھ/ 1259 ء لکھا ہے، مگر فرشتہ کے نزدیک شیخ بہاء الدین زکریا کا سن وفات 666 ھ/ 1268ء تھا اور شیخ گنج شکر کا 668ھ/ 1270ء، آئین اکبری میں شیخ گنج شکر کا سن وفات 668ھ/ 1270ء لکھا ہے اور شیخ زکریا کا 665 ھ/ 1267 ء

7 اصلح، کے بجائے اجل ہونا چاہئے۔

8 تحصیل علی گڑھ میں واقع ہے۔ ایٹہ سے 22 میل شمال کی جانب پر ہے۔ مسمار قلعے کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ (امپریل گزیٹیئر)

9 فرخ آباد ضلع میں ہے۔ مہا بھارت میں اکثر جگہوں پر اس کا ذکر آتا ہے۔ (امپریل گزیٹر)

10 بھوج پور۔ بہار میں واقع ہے۔ اجین کے راجا کی راجدھانی، آرہ کے مغربی جانب اور سہسرام سے شمالی جانب ہے۔ انگریزوں کے زمانہ تک کمشنری رہا اب جدا ہو کر مختلف اضلاع میں تقسیم ہو چکا ہے۔

11 کایتر۔ روہیل کھنڈ کا ایک ضلع۔ (تاریخ فیروز شاہی) (کٹیھر صحیح تلفظ ہے۔ مترجم)

12 یہ چالیس غلاموں کی ٹولی جسے ''چہل گامی'' بھی کہا جاتا ہے اور بعد میں اسی گروہ نے سیاسی حالات کو ایک نیا موڑ دینے میں اہم رول ادا کیا تھا۔

13 باغ سریر۔ باغ سبز۔ باغ سرا ان تینوں میں تمیز کرنا مشکل ہے کہ صحیح نام کیا ہے؟ ممکن ہے وہی مقام ہو جو آج کل لاہور کے قریب ہے اور بادامی باغ کے نام سے مشہور ہے۔

14 ضیاء الدین برنی کے نزدیک یہ تاریخ 684 ھ/ 1285 ء ہے (تاریخ فیروز شاہی، تالیف برنی، ص،9)

15 ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ یہ نثری مرثیہ امیر خسرو نے لکھا تھا۔ فرشتہ نے بھی

اس کی تائید میں لکھا ہے کہ امیر خسرو شہادت کے وقت خان شہید کے ہمراہ تھے مگر کسی وجہ سے اُن کی جان بچ گئی اس کے بعد انھوں نے یہ نثری مرثیہ کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''منتخب التواریخ'' کے کاتب نے غلطی سے میر حسن کا نام لکھ دیا ہے ورنہ ملا بدایونی سے ایسی فاحش غلطی سرزد نہیں ہوسکتی تھی۔

16 یہ دونوں مرثیے ترکیب بند میں ہیں اور امیر خسرو کے دیوان ''غرۃ الکمال'' میں شامل ہیں۔ان میں سے ایک کا مطلع ہے۔

واقعہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت درجہان آمد پدید

دوسرے مرثیے کا مطلع ہے:

ای دل بغم نشین کہ از شادی نشان نماند
دی غم جہان ستان کہ طرب درجہان نماند

امیر خسرو نے اس واقعہ کا ذکر اپنے دیوان ''غرۃ الکمال'' کے دیباچہ میں بھی کیا ہے۔

17 یہ وہی ملک نظام الدین ہیں جن کے نام سے ''جامع الحکایات'' اور محمد عوفی کا ''تذکرہ ءشعرا'' منسوب ہے۔

18 اس کی تعریف امیر خسرو نے ''قران السعدین'' میں کی ہے جس کا مطلع ہے:

خانکرہ چچو کشور کشائی
کزلب خانان گرہ بستہ بپائی

19 امیر خسرو کی ''قران السعدین'' اور تاریخ مبارک شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات اس قدر مصالحانہ پر امن ماحول میں نہیں ہوئی بلکہ بغرا خاں ناصر الدین

بنگالہ سے دہلی پر فوج کشی کے لیے ایک بھاری لشکر لے کر آیا تھا۔ معزالدین اس کی مدافعت کے لیے اودھ پہنچا دونوں لشکر سریوندی کے مقابل کے کناروں پر ٹھہر گیے۔ اس موقعے پر بلبن کے قدیم امیروں اور سرداروں نے بیچ میں پڑ کر باپ بیٹے میں صلح کرادی اور طے پایا کہ سلطان ناصرالدین دریا پار کر کے ملاقات کے لیے آئے۔ بیٹا تخت پر بیٹھے اور باپ تخت کے نیچے کھڑا ہوا اس طرح ایک دوسرے کی تعظیم کریں۔ حسب قرارداد جب ناصر الدین دریا اتر کر آیا تو معزالدین پر باپ کی ملاقات کا شوق ایسا غالب ہوا کہ وہ ننگے پاؤں اس کی طرف دوڑا اور چاہتا تھا کہ قدموں پر گر پڑے لیکن ناصرالدین نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا اور اپنے گلے سے لگا لیا۔ دونوں بغلگیر ہو کر دیر تک روتے رہے۔ باپ نے ہر چند چاہا کہ تخت کے نیچے کھڑا ہو لیکن بیٹے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا۔

20ے ناصر الدین اپنے بیٹے سے رخصت ہو کر جب قیام گاہ پر پہنچا تو کھانا نہ کھایا اور مصاحبوں سے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ تو یہ لڑکا زندہ و سلامت رہے گا اور نہ دہلی کا تخت (تاریخ فیروز شاہی)

21ے تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ عیاشی کی لاگ میں اطراف واکناف سے آکر بہت سی طوئفیں اہل طرب لشکر کے ساتھ جمع تھیں۔ جب بادشاہ چلا تو حسین وجمیل لڑکیاں ناز و ادا دکھا کر اس کو اپنی طرف مائل کرتی تھیں بادشاہ کا دل تو بہت کھنچتا تھا لیکن باپ کی نصیحتوں کے خیال سے جی مار کر رہ جاتا تھا۔ ایک دن جب سواری جا رہی تھی۔ ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی گھوڑے پر سوار چتر شاہی کے قریب پہنچ گئی اور بڑے ناز سے یہ شعر پڑھا۔

سرو سمنابہ صحرا میروی
نیک بد عہدی کہ بی ما میروی

بس سلطان کو ضبط نہ رہا اور اسی وقت شراب منگائی اور اس ماھرو کے بغل میں بیٹھا اور یہ شعر پڑھا:

شب زمی توبہ کنم از بیم ناز شاہدان
بامرادان روی ساقی بازدرکار آورد

22۔ یہ وہی امیر ہے جو بعد میں جلال الدین خلجی کے نام سے تخت پر بیٹھا۔

23۔ خلجیوں نے جب شاہزادہ شمس الدین کیکاوس کو تخت سے اُتار کر گرفتار کرلیا تو اسی وقت معزالدین کے بھی ہاتھ پاوں باندھ دیے۔اسی حال میں بھوک پیاس کے صدمے سے وہ جان بحق ہوگیا۔مرتے وقت اس نے یہ رباعی پڑھی تھی:

اسپ هنرم برسر میدان مانده است
دست کرمم در تہ سندان مانده است
چشمم کہ زر و کان وگرکم دیدی
امروز برای نان چہ حیران مانده است

24ے آخوربیگی ۔شاہی اصطبل اور رسالہ فوج کا سردار۔

25ے تاجر اور دُکاندار جب اپنے مال کی قیمت سیدی مولہ سے طلب کرتے تو وہ ان سے کہتے کہ فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے اس قدر تنکے رکھے ہوئے ہیں لے لو۔ چنانچہ بتائے ہوئے مقام پر اسی قدر سکے ان کو مل جاتے اور یہ سکے ایسے نئے ہوتے تھے جیسے ابھی ٹکسال سے ڈھل کر نکلے ہوں (تاریخ فیروز شاہی ص،209)

26ے اس کی وجہ غالبًا یہ ہوگی کہ سیدی مولہ بادشاہت کی بنا پر ملک کو ''دارالسلام'' نہیں سمجھتے ہونگے اور جو جگہ دارالسلام نہ ہو وہاں جمعہ فرض نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ اہل سادات کے یہاں جمعہ فرض نہیں۔

27 صاحب تاریخ فیروز شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے اس آندھی کو آتے دیکھا تھا۔

28 سلطان جلال الدین نے ملک چھجو اور دوسرے امراء کو رہا کرتے وقت بحوالہ تاریخ فیروز شاہی یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا اگر بادشاہت کے لیے قتل و خون ضروری ہے تو میں مغل کافروں کے خلاف جہاد کیوں نہ کروں اور یہی وہ سلطان ہے جس نے اس حق پسند درویش اور اس کے بے گناہ ساتھیوں کے خلاف اس طرح کی سفاکانہ کارروائی کی۔

29 مغل حملہ آوروں کا سردار ہلاکو کا نواسہ عبداللہ تھا۔

30 یہ وہی جگہ ہے جہاں اب حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ ہے، اسے مغل پورہ بھی کہتے ہیں۔

31 جس وقت علاء الدین کے لشکر کے آنے کی خبر ہوئی تو ملکہ جہاں نوعمر بادشاہ رکن الدین اور چند وفادار امراء کو لے کر ملتان چلی گئی۔ علاء الدین نے بغیر کسی مزاحمت کے دارالسلطنت دہلی پر قبضہ کرلیا۔ (بحوالہ تاریخ فیروز شاہی)

32 یہ قدیم شہر قبل مسیح سے آباد ہے۔ سب سے قدیم علاقہ قطب صاحب کی لاٹ کے ارد گرد کا ہے۔ جو موجودہ پرانی دہلی یعنی شاہ جہاں آباد سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہندو راجاؤں کے آخری دور حکومت میں پرتھوی راج عرف رائے پتھورا کا دارالسلطنت نیز لال کوٹ کے نام سے مشہور تھا 589ھ/1193ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے رائے پتھورا کو شکست دے کر اس کو ہندستانی مقبوضہ کا مرکز بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین ایبک اور اس کے جانشینوں کا دارالسلطنت رہا۔ لال کوٹ سے پہلے یہاں کی آبادی اندرپت کہلاتی تھی اور اسے اندر دیوتا کا استھان سمجھا جاتا تھا۔ انگ پال کا پرانا قلعہ بھی اندر پت میں شامل تھا بعد میں انگ پال تور دوم نے سمت 1109/1052ء لال کوٹ بسایا گیا تھا۔ لوہے کی لاٹ پر یہی تاریخ درج ہے۔ دہلی کا دوسرا قدیم مستقر تغلق

آباد، یہ قلعہ اور شہر قطب صاحب سے چار میل مشرق کی جانب متھرا کی سڑک کے قریب ہے یہاں غیاث الدین تغلق شاہ کا مقبرہ ہے اس مقبرہ میں سلطان محمد تغلق شاہ بھی دفن کیا گیا تھا۔ یہ شہر غیاث الدین تغلق شاہ کا آباد کیا ہوا تھا۔

دہلی کا تیسرا مرکزی مقام تغلق شاہ کے لڑکے سلطان محمد کا بسایا ہوا شہر ''جہاں پناہ'' تھا جو دہلی اور سیری کے درمیان تھا اس کے محل اور ہزار ستون کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔

چوتھا شہر سلطان علاء الدین کا بسایا ہوا تھا۔ جسے شہر سیری کہا جاتا ہے۔ یہاں سلطان نے قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کو قلعہ علاول کہتے تھے۔ اس کے کھنڈر قطب کی جانب جاتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔

دہلی کی پانچویں صورت وہ بڑا شہر تھا جسے محمد تغلق نے دہلی اور سیری کو ایک شہر پناہ سے ملا کر تعمیر کرایا تھا۔ یہ علاقہ شمال اور مشرق کی طرف سے پہاڑیوں کی وجہ سے قدرتی طور پر حصار بند تھا۔ ابن بطوطہ نے اسی شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت یہ نہایت وسیع اور عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔

دہلی کا چھٹا مستقر فیروز آباد تھا۔ یہ شہر ہمایوں کے مقبرے سے موجودہ شہر کے شمال کی طرف پہاڑی تک پھیلا ہوا تھا جہاں فیروز شاہ کی لاٹ تھی (موجودہ ہندو راو ہسپتال تک) قلعے کا ایک حصہ تھا جسے فیروز شاہ نے بسایا تھا۔

ساتواں مرکز شاہ جہاں آباد ہے جسے شاہ جہاں نے ایک مرتبہ نقشہ پر تعمیر کرایا جس میں لال قلعہ اور جامع مسجد شامل ہیں۔

آٹھویں شکل نئی دہلی کی ہے جو انگریزوں کے عہد کا تعمیر کردہ شہر ہے۔ یہ سارے مقام اگرچہ الگ الگ ناموں سے آباد ہوئے لیکن سب کے سب دہلی ہی کہلائے۔ بلاشبہ یہ سارا علاقہ قدیم شان و شوکت کا بے مثل مرقع ہے۔

33 علاء الملک، ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی کے چچا تھے۔

34 ترکی میں ''قتلغ'' کے معنی ''میانہ'' درمیانی، یا ''منجھلا'' کے ہیں۔

35 ظفر خاں نہایت دلیر اور بہادر سپہ سالار تھا مغلوں پر اس نے بڑھ کر بھرپور حملہ کیا اور ایک ہی تاخت میں ان کو کافی دور تک پیچھے ہٹا دیا۔ جس وقت وہ ان کے تعاقب میں لگا ہوا تھا مغلوں کے ایک دستہ نے پیچھے سے اسے گھیر لیا اس موقعے پر الغ خاں نے ظفر خاں سے دشمنی نبھائی۔ دشمنی کی وجہ سے سخت غداری کی اور بجائے آگے بڑھ کر ان حملہ آوروں کو روکنے کے اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ ظفر خاں نے آخری دم تک بہادری سے لڑتے ہوتے جان دے دی، اس کے مرنے کے باوجود مغلوں پر اس کے حملے کا ایسا خوف طاری تھا کہ وہ خراسان لوٹ گیے۔ (بحوالہ تاریخ فیروزشاہی)

36 امیر خسرو نے ملک مانک کی اس دلیرانہ لڑائی کا پورا حال اپنے رزمیہ ''خزائن الفتوح''میں تحریر کیا ہے۔ بلاشبہ یہ رزمیہ خسرو کی فصاحت وبلاغت کا نادر نمونہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی اور سے ایسے کلام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

37 دیوگیر کو بعد میں دولت آباد کہا جانے لگا۔ یہ شہر موجودہ حیدرآباد میں واقع ہے۔ دولت آباد کا قلعہ ایک پہاڑ کی چٹان پر واقع ہے جس کا حصار پونے تین میل کا ہے۔ بالا حصار 21 فٹ بلند ہے،اس پہاڑ کی بلندی زمین سے چھ سوفٹ ہے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے وقت 1294 ء میں یہاں یدو خاندان کا راجہ رام چندر تھا۔ علاء الدین جب نذرانہ لے کر لوٹ گیا اور دوبارہ راجہ نے بغاوت کی تو ملک کافور، بادشاہ کے سپہ سالار نے یہ قلعہ اور شہر فتح کیا۔ اس کے بعد راجہ کے بیٹے شنکر نے بغاوت کی تو ملک کافور نے تیسری بار اس کو فتح کیا کچھ عرصے بعد راجہ کے داماد ہرپال نے بغاوت کی تو مبارک خلجی نے اسے شکست دے کر زندہ جلوا دیا۔ 1328ء میں محمد شاہ تغلق نے دہلی کو اجاڑ کر اس شہر کو دار الخلافہ بنایا۔ دیوگیر دہلی سے پورے 800 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ محمد تغلق کے زمانے میں دکن کے خود مختار سرداروں نے دولت آباد پر قبضہ کرلیا تھا، پھر یہ صوبہ 1529ء تک بہمنی سلطنت کے ماتحت رہا۔ بہمنیوں کے زوال پر احمد نگر کے

نظام شاہی سلاطین قابض رہے ان سے یہ علاقہ عالم گیر اورنگ زیب نے چھین لیا۔ 1747ء میں یہ سلطنت آصفیہ دکن کا حصہ بن گیا۔ 743 ہجری میں ابن بطوطہ بھی اس جگہ گیا تھا۔ جس کی اطلاع ہمیں اُس کی تصنیف سے ملتی ہے۔

38 ترکی میں ''الغ کے معنی بڑے کے ہیں اور ''اکت'' کے معنی چھوٹے کے۔ اس زمانہ میں الغ خان ''امیر الامراء'' کے برابر کے عہدے پر فائز تھا۔ ناصرالدین محمود نے بلبن کو یہی خطاب دیا تھا۔ علاء الدین نے اپنے بھائی الماس بیگ کو اس عہدے پر فائز کیا تھا۔ محمد تغلق کو بھی اس کے باپ نے ''الغ خان'' کا خطاب دیا تھا۔

39 گجرات دریائے نربدا کے شمال میں سمندر کے کنارے کا علاقہ گجرات کہلاتا تھا۔ یہ علاقہ نربدا سے صحرائے مارواڑ (جودھپور) تک وسیع تھا۔ اس کے مغربی حصے کا نام کاٹھیاواڑ تھا جو تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا تھا۔ اس پورے علاقے میں گجراتی زبان بولی جاتی تھی۔ گجرات کا وسطی میدان دریائے نربدا اور سابرمتی سے سیراب ہوتا تھا۔ کاٹھیاواڑ اپنی بندرگاہوں اور گھوڑوں کی تجارت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس سرزمین کو ہندو مذہب کے عقیدت کے مطابق سری کرشن کا دیش بتاتے ہیں۔ ہندؤوں کے قدیم مندر دوارکا اور پاٹن میں ہے۔

40 سومنات، کاٹھیاواڑ کے موضع پٹن (گجرات) میں ایک بت خانہ ہے۔ جو وارول سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔

41 کھمبایت کے متعلق توزک جہانگیری میں سب سے زیادہ معتبر بیان ملتا ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے: ''یہ قدیم بندرگاہ ہے، برہمن اس کی تعمیر کا سال ہزارہا سال بتاتے ہیں۔ اس کا پہلا نام تربناوتی تھا اور یہاں کا راجہ ترنیک کمار تھا۔ راجہ امھے کمار کے عہد میں اس شہر پر آسمانی عذاب نازل ہوا اور سارا شہر مٹی میں دھنس گیا۔ مہادیو کی مورتی جو لکڑی میں نقش تھی امھے کمار کو خواب میں اس عذاب سے آگاہ کردیا تھا وہ اس بت کو کشتی میں رکھ کر مع اہل وعیال و خزانہ سوار ہوگیا۔

کشتی بھی سمندر کے طوفان میں ٹوٹ گئی۔ راجہ اس بت کے سہارے بچ گیا اور دوبارہ اس نے اس شہر کی تعمیر کی اور اس بت والے ستون کو یادگار و برکت کے لیے نصب کروایا۔ ہندی میں ستون کو کھمبا اور تھنب کہتے ہیں اس لیے اس کا نام تھنب نگری اور کھمباوتی پڑ گیا جو کثرت استعمال سے کھمباوت بن گیا۔ شہر کی جامع مسجد سلطان محمد تغلق کی بنائی ہوئی ہے۔ مارکو پولو اور ابن بطوطہ نے بھی اس بندرگاہ کا ذکر کیا ہے۔

42 اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا قتلِ عام الغ خان کے دہلی لوٹ کر آنے کے بعد ہوا تھا۔ مورّخین نے تاریخ اور ترتیب کا خیال کیے بغیر اس واقعہ کا پہلے ذکر کردیا ہے۔ اگر پہلے ہی مغلوں کا قتل عام ہوا ہوتا تو پھر لشکر کے ساتھ مغلوں کے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

43 چتوڑ۔ ریاست اودے پور کا صدر مقام تھا۔ یہاں پہاڑی کے دامن میں ایک تاریخی قلعہ ہے قلعے کی عمارت پانچ فٹ سطح ارض سے بلند پہاڑی پر ہے اس کی لمبائی تین میل اور چوڑائی نصف میل ہے یہاں تک پہنچنے کا راستہ چکر دار ہے اور اوپر کی جانب ہے۔ سڑک کے گرداگرد مستحکم فصیل ہے جس میں سات دروازے ہیں، بلندی پر چشمے، تالاب اور باؤلیاں بنی ہوئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس قلعے کو ساتویں صدی عیسوی میں چترانگ نامی ایک راجا نے بنوایا تھا۔ اس کے نام پر یہ چتراکوٹ پھر بگڑ کر چتوڑ ہوگیا۔ سولھویں صدی عیسوی تک چتوڑ اودے پور کے راجاؤں کا پایۂ تخت رہا۔ تاریخ یہاں کے راجپوتوں کی بہادری اور حریت پسندی کے قصوں سے پُر ہے۔ علاء الدین نے سب سے پہلے 703ھ/1303ء میں اس کو فتح کیا۔ علاء الدین کے دوسرے حملے میں ہی پدمنی کا وہ مشہور سانحہ ہوا جو لوگوں میں کافی مشہور ہوا تھا۔ پدمنی نے پاک دامنی کی خاطر چتا میں جل کر جان دے دی تھی۔ بعد میں سلطان محمد تغلق کو بھی چتوڑ پر قبضے کے لیے سخت معرکے کرنے پڑے۔ اس کے بعد بہادر شاہ گجرات کے حکمراں نے

سخت لڑائی کے بعد اس پر قبضہ جمایا تھا۔ پھر اکبر نے خونریز لڑائی کے بعد اس پر فتح حاصل کی تھی قلعے میں بہت سے قدیم محل اور مندر ہیں۔ ان عمارتوں میں ''جے ھنومنت'' کا مینار قابل دید ہے۔ جس کو رانا کھمبا نے 1442ء اور 1449ء میں شاہان مالوہ اور گجرات کی متحدہ فوجوں پر کامیابی کے بعد فتح کی یاد میں بنوایا تھا۔ اس کی بلندی 120 فٹ ہے اور اس کے نو درجے ہیں۔

44 ایک قسم کے شکار کا نام۔ ایک بڑے احاطہ میں ہرن، بکری، بارہ سنگھا وغیرہ چوپایوں کو گھیر کر ہانکا جاتا ہے اور شکاری گھوڑوں پر ان کا شکار کرتے ہیں۔

45 بدایوں : اتر پردیش صوبے کے بریلی ضلع میں واقع ہے اسلامی تاریخ میں 1202ء سے اس شہر کا نام ملتا ہے۔ قطب الدین ایبک نے بدایوں کے قلعے کو فتح کیا تھا۔ شہر کے وسط میں سلطان شمس الدین التمش کی یادگار ایک عالی شان مسجد ہے۔ بدایوں قدیم دور میں علم وفضل کا مرکز رہا ہے۔ اس سرزمین نے بڑے بڑے علماء اور دانشمند پیدا کیے۔ حضرت نظام الدین اولیاء، مشہور شاعر ضیاء الدین نخشبی اور مولف کتاب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ شہر کے باہر علماء اور صوفیا کی قبریں ہیں۔

46 امروہہ: ضلع مرادآباد، صوبۂ اتر پردیش میں واقع ہے۔ امروہہ کا ذکر اسلامی تاریخ میں غیاث الدین بلبن کے زمانے سے ملتا ہے جب کہ وہ 1266ء میں کھڑکی کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اس جگہ آیا تھا۔ یہاں شیخ سدو کا خیالی مزار ہے جو جامع مسجد کے اندر ہے۔ عورتیں شیخ سدو کی منت مانتی ہیں تاکہ بھوت پریت کا اثر نہ ہو۔ امروہہ کے قریب ایک دلدل ہے۔ جس میں سے ایک ندی نکلتی ہے اس کا نام سوت کی ندی ہے عام طور پر اسے یار وفادار کہا جاتا ہے۔

47 مالوہ : اس کا دارالسلطنت اجین تھا، فی الوقت یہ علاقہ گوالیار میں ہے۔ علاء الدین خلجی کے بعد 1387ء سے 1571ء تک مالوہ خود مختار رہا۔ بہادر شاہ حکمراں گجرات نے اسے فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ 1571ء میں اکبر نے

اسے دوبار دہلی سلطنت کے ماتحت کیا۔ 1658ء میں اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی فیصلہ کن لڑائی اسی علاقے میں ہوئی تھی۔ 1792ء میں ہولکر مرہٹہ سردار نے اس علاقے کو تباہ کیا اور اجین کو جلا ڈالا۔ 1810ء میں یہاں پر مرہٹہ حکومت رہی اور یہ سندھیا مرہٹہ کا دارالخلافہ رہا۔

48 صوبہ گجرات میں تجارتی اور تاریخی حیثیت سے مشہور ہے۔ اسے شاہان گجرات نے 1530 ء میں آباد کیا تھا۔ کسی شاعر نے یہ مادہ تاریخ کہا ہے: ''بادآباد بندرسورت''

49 ارنگل، ورنکال، ورنگل: یہ سلطنت آصفیہ کا ایک ضلع تھا۔ اس جگہ پہلے قلعے کی تعمیر ہوئی بعد میں شہر آباد ہوا۔ یہ قلعہ بارہویں صدی ہجری میں راجہ گنپتی رورا دیوا نے بنانا شروع کیا تھا۔ اس راجہ نے 1190ء سے 1258ء تک حکومت کی اس کے بعد اس کی رانی رورامہ دیوی نے 38 سال حکومت کی۔ اس قلعے کو اسی رانی نے مکمل کروایا تھا۔ پتھر کی فصیلوں کی وجہ سے اس کا نام ''ایکا سلانگرم'' پڑ گیا جس کا ترجمہ اردو زبان میں ''راور کا دل'' ہے اور یہی لفظ بگڑ کر ''ورنکال'' بن گیا۔ 1296ء تک یہاں ہندوؤں کی حکمرانی رہی۔ ملک کافور نے 1303 ء سے 1309ء تک دوبارہ اس کو فتح کیا تھا۔ 1321ء میں غیاث الدین تغلق کے بیٹے جونا خان نے اس قلعے پر حملہ کیا تھا۔ 1323ء میں جونا خان کے سردار شہاب خان یا الف خان نامی نے فتح کر کے ہندو سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ آخری راجہ جو گرفتار کر کے دہلی بھیجا گیا وہ ''پرتاپہ رورا تھا'' مسلمان مورخ اس کو ''لدار دیو'' لکھتے ہیں۔

50 علاء الدین پہلا حکمراں ہے جس کے عہد میں ہمالیہ سے راس کماری تک پورا ہندستان پایہ تخت دہلی کے تحت ہوگیا تھا اور دوسرا مسلمان بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر ہے جو کابل سے راس کماری تک پورے ہندستان کا حکمراں تھا۔

51 آپ کا اصلی نام نظام الدین تھا۔ لوگوں میں سلطان نظام الدین اولیاء مشہور تھے

اور دہلی والے انھیں سلطان جی کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ کے والد احمد بن دانیال نے غزنی سے آکر بدایوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ آپؒ کی ولادت 634ھ/1236ء میں ہوئی، پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگیے، 25 سال کی عمر میں اپنی والدہ کو لے کر دہلی آگیے۔ یہاں انھوں نے خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی اختیار کرلی جو حکومتِ وقت کے وزیر تھے لیکن اکثر وہ شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت میں رہے۔ یہ بزرگ بابا فریدالدین گنج شکر کے بھائی تھے، ان سے بھائی کی تعریف سن کر اجودھن بابا صاحب کی خدمت میں چلے گیے۔ بابا نے ہی ان کو خرقہ درویشی عطا کیا اور دہلی میں رہنے کا حکم دیا۔ امیر خسرو دہلوی اور خواجہ حسن مشہور شاعر آپ کے مرید تھے۔ سلطان علاء الدین نے خضر خان اور شادی خان اپنے دونوں بیٹوں کو بھی سلطان الاولیاء کا مرید کرایا تھا۔ اسی وجہ سے قطب الدین مبارک شاہ آپ کا مخالف ہوگیا تھا اور حکم دیا کہ ہر ماہ کی آخری تاریخ دربار میں حاضری دیا کریں لیکن وہ اس تاریخ سے پہلے ہی قتل کردیا گیا۔ اسی طرح غیاث الدین تغلق جب بنگال میں تھا تو اس نے سلطان نظام الدین اولیاء کو پیغام دیا ''یا شیخ آنجا باشد یامن'' سلطان جی نے فرمایا ''ھنوز دہلی دُور است'' چنانچہ 725ھ/1325ء میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے سلطان جی کا انتقال ہوگیا اور بادشاہ بھی افغان پور کے محل میں دب کر مرگیا۔

خضر خان نے آپ کی زندگی میں ایک عالی شان مقبرہ بنوایا تھا لیکن سلطان جی کی وصیت کے مطابق آپ کو اس کے سامنے دفن کیا گیا اور مقبرہ کو مسجد بنادیا گیا۔ مسجد پر آپ کی تاریخ وفات درج ہے۔

نظام دوگیتی شدہ ماطین
سراج دوعالم شدہ بالیقین

چو تاریخ فوتم بہ جستم ز غیب
ندا داد ھاتف ''شہنشاہ دین''
(725ھ/1325ء)

مزار پر اس وقت جو مقبرہ ہے اسے اکبری عہد میں 970ھ/1562ء میں سیّد فریدون خان نے تعمیر کرایا تھا۔

52 خسرو کا تعلق ماوراء النہر کے شہر تکش سے تھا، ان کا خاندان ترک قبیلہ لاچین سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے والد سیف الدین قبیلے کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ سلطان شہاب الدین التمش کے عہد میں چنگیزی حملوں سے بچ کر ہندستان آ گیا تھا۔ خسرو کی والدہ بلبن کے وزیر عمادالملک کی بیٹی تھیں۔ خسرو کی پیدائش 625ھ/1254ء میں اتر پردیش کے پٹیالی میں ہوئی۔ خسرو کا پہلا مربی علاء الدین محمد کشلی خان عرف ملک چھجو تھا۔ ان کی یہ ملازمت 1277ء تک ہی تھی۔ بعد میں وہ بلبن کے بیٹے بغرا خان کے مصاحب بنے جو سامانہ کا گورنر تھا اس کے ساتھ وہ لکھنوتی میں بھی رہے، بعد میں وہ دہلی آئے اور بلبن کے بڑے بیٹے سلطان محمد کے ساتھی بن گیے۔ ایک لڑائی میں وہ مغلوں کی قید میں بھی کچھ عرصہ تک رہے۔ شہزادہ کی شہادت کے بعد وہ اپنی ماں کے پاس پٹیالی میں رہے۔ سلطان جلال الدین کے زمانے میں وہ ''امیر مصحف'' کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد وہ سلطان علاء الدین کے درباری شاعر رہے۔ امیر خسرو نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور عاشق تھے، علاء الدین کے بعد وہ مبارک شاہ کے مصاحب رہے۔ نظام الدین اولیاء کے انتقال کے چھ ماہ بعد یعنی 725ھ/1325ء میں ان کا انتقال ہوا۔

سلطان شہاب الدین خلجی

علاء الدین کی وفات کے بعد ملک کافور نے شوال 1؁ 715ھ/1315ء میں شہاب الدین کو نو عمری میں تخت نشین کیا اور اختیار الدین سنبل کو گوالیار کے قلعے میں بھیج کر خضر خان اور شادی خان کو اندھا کرا دیا۔ ان کی والدہ ملکۂ جہان کی حرم سرا بھی لوٹ لی گئی اور اس کو شاہزادہ مبارک خان کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ کافور ان کی بھی آنکھیں نکلوا دینا چاہتا تھا لیکن تقدیر نے ایک اور کھیل کھیلا۔ مبشر اور بشیر ملکۂ جہان کے ملازم اور قصر ہزار ستون کے محافظ و سردار تھے۔ ان دونوں نے ایک رات کافور کو گھیر کر قتل کر دیا اور مبارک خان کو قید سے نکال کر ملک کافور کی جگہ بادشاہ کا نائب مقرر کر دیا۔ مبارک خان نے ایک دو مہینے میں تمام اُمراء کو اپنے موافق بنا کر شہاب الدین کو تخت سے اُتار دیا اور گوالیار کے قلعے میں قید کرا دیا۔ اسی قلعے میں 710ھ/1310ء 2؁ میں مارا گیا۔ اس نے تین مہینے تک حکومت کی تھی۔ مبارک شاہ نے تخت پر بیٹھنے کے بعد مبشر اور بشیر دونوں سرداروں کو بھی جنھوں نے اسے قید سے رہائی دلائی تھی قتل کرادیا:

نکورا نیک و بد را بد شمار است
بہ پاداش عمل گیتی بکار است

(نیک کے لیے نیک اور بد کے لیے بُرا ہی ہوتا ہے کیوں کہ دنیا میں اپنے عمل کی ہر ایک کو پاداش ملتی ہے۔)

سلطان قطب الدین خلجی

مبارک شاہ نے اپنے بھائی شہاب الدین کو ٹھکانے لگانے کے بعد تمام اُمراء کے اتفاق و تعاون سے 717ھ/1317ء میں حکومت کی کمان سنبھالی اور اپنے احباب اور دوستوں کو منصب اور جاگیریں عطا کیں۔ سلطان علاء الدین کے نائب اور حاجب ملک شادی کے پاس بروار بچہ قوم کا ایک نہایت حسین و جمیل غلام حسن نامی تھا جو مالوہ سے دہلی لایا گیا تھا۔ مرحوم سلطان نے بڑی محبت و شفقت سے اس کی پرورش کی تھی۔ مبارک شاہ اس غلام پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ بنتے ہی اس نے جوش و محبت میں اس خوبصورت غلام زادہ کو خسرو خان کا خطاب دے کر عہدہ وزارت پر فائز کر دیا۔ حالانکہ وہ اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا:

گرت مملکت باید آراستہ
رہ کار اعظم بنو خاستہ
نخواہی کہ ضائع شود روز گار
بنا کار دیدہ مفر مائی کار

چونکہ سلطان قطب الدین نے قید واسارت کی بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں اس لیے اس نے بادشاہ ہوتے ہی تمام قیدیوں کو عام رہائی دے دی۔ ملک فخر الدین کو جس کا لقب محمد عادل تھا اور جو غازی الملک کا بیٹا تھا بادشاہ نے اپنا ''میر آخور'' مقرر کیا۔ سلطان نے پہلے ہی سال دیوگیر عرف دولت آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن امیروں نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔

خضر خان کا قتل

718ھ/1318ء میں سلطان نے اپنے کوتوال قطب الدین کو گوالیار بھیج کر خضر خان اور شادی خان کو شہید کرا دیا اور خضر خان کی محبوبہ دیول رانی کو اپنے حرم5 میں داخل کر لیا۔ جب علاء الدین کے خانوادے کا یہ حشر ہوا تو کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا "آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟اس نے جواب دیا علاء الدین نے جو آگ اپنے ولی نعمت اور محسن چچا کے خاندان میں لگائی تھی اسی آگ میں اس کا خاندان جل رہا ہے":

درین بہر صدا گنبد ماتوی
سخن ہر چہ گوئی ہمان بشنوی

سلطان قطب الدین عیش پسند آدمی تھا اس لیے اس کے عہد میں وہ سارے قاعدے اور ضابطے جو علاء الدین نے بڑے تدبر اور مصلحت سے مقرر کیے تھے درہم برہم ہو گئے ملک بھر میں ہر طرف بدامنی کا دور دورہ ہو گیا۔ سلطان نے گجرات سے الپ خان کو واپس بلا کر قتل کرا دیا اور اس کی جگہ کمال الدین گرگ کو وہاں مقرر کیا۔ لیکن گرگ وہاں جا کر شہید ہو گیا۔ اس کی جگہ سلطان نے عین الملک ملتانی کو مقرر کیا۔ عین الملک نے گجرات کی بغاوت کو ختم کر کے نہر والہ اور گجرات کے دوسرے تمام شہروں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ سلطان قطب الدین نے ملک دینار کی لڑکی کے ساتھ شادی کی اور دینار کو ظفر خان کا خطاب دے کر گجرات روانہ کیا۔ اس نے اس علاقہ کے نظم و نسق کو عین الملک کی نسبت کہیں بہتر طریقے پر سرانجام دیا۔

دیوگیر پر حملہ

718ھ/1318ء میں قطب الدین نے ایک بڑا لشکر لے کر دیوگیر کا رخ کیا، جب لشکر شاہی وہاں پہنچا تو سرکش راجہ ہر پال دیو جو راجہ رام دیو کا جانشین تھا اور اس نے دہلی

کی سلطنت کو کمزور دیکھ کر بغاوت کا رخ اختیار کرلیا تھا سلطان کا مقابلہ نہ کر سکا اور ہار گیا۔ سلطان نے اس کی کھال کھنچوادی۔ دیوگیر سے فارغ ہو کر سلطان نے مرہٹوں پر حملہ کیا اور ان کے وطن پر بھی قبضہ کرلیا۔خسرو خان کو" چتر اور دور باش" کا اعزاز دے کر ملیبار پر فوجی حملے کے لیے روانہ کیا اور لکھی قوم کے ایک غلام کو اپنا نائب بنا کر دیوگیر میں مقرر کر دیا اور دہلی کی طرف واپس ہو گیا۔ واپسی میں کسی مخبر نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ بغرا خان کے بیٹے ملک اسد الدین جو سلطان علاء الدین کا چچا زاد بھائی اور ملک خموش کے نام سے مشہور تھا ،اس نے ساگون کی گھاٹی کے قریب بغاوت کی تیاریاں کر رکھی ہیں نیز بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس خبر کے ملنے کے بعد سلطان نے اسد الدین پر یلغار کر کے اسے پکڑ لیا اور اسے اسی وقت قتل کرا دیا۔ اس کے کنبے کے بیس آدمی جو اس واقعے سے قطعاً بے خبر تھے بادشاہ کے حکم سے مارے گئے ۔ان مقتولین میں نو عمر معصوم بچے بھی تھے۔ جھابن میں پہنچنے کے بعد سلطان نے شادی خان کتھ سلاح دار کو دوبارہ گوالیار روانہ کیا اور اس نے وہاں جا کر حکم شاہی کے بموجب شہاب الدین کو قتل کر دیا اور خضر خان 6 اور مقتول شادی خان کے اہل وعیال کو جو وہاں رہ گئے تھے قلعہ گوالیار 7 سے دہلی لے آیا۔

سلطان قطب الدین کی بداعمالی

سلطان قطب الدین حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بھی خفا تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ خضر خان شیخؒ کا مرید تھا، چنانچہ سلطان نے حضرتؒ کی ناراضگی کی بنا پر ملتان سے شیخ رکن الدین کو بلا کر دہلی میں ٹھہرایا اور ان کے منکر شیخ زادہ جام کو بھی اپنا مقرب بنایا۔ سلطان قطب الدین نے بھی اپنے باپ کی طرح خونریزی شروع کر دی۔ظفر خان جو کہ گجرات کا حاکم تھا اس کو بغیر وجہ کے قتل کروا دیا۔اک لکھی دیوگیر کا سرکش اور باغی سردار تھا،خسرو خان نے اسے گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا۔ بادشاہ نے اسے فوراً قتل کروا دیا۔ ملک شاہین کو جس کا خطاب وفا ملک تھا لوگوں کے کہنے سے قتل کروادیا۔اس خونریزی کے علاوہ قطب الدین کے مزاج میں بڑا زنانہ پن پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مجلسوں میں عورتوں کا سا لباس اور

زیور پہن کر آتا تھا اور اعلانیہ شراب پی پی کر فسق وفجور کے مظاہرے کرتا رہتا تھا۔ شہدے اور مسخرے اس کے اشارے پر محل ہزار ستون کی چھت پر بیٹھ کر معتبر اور نامور امراء جیسے عین الملک ملتانی اور قرا بیگ وغیرہ کی کھلی اڑایا کرتے تھے اور چھیڑا کرتے تھے، نقلیں اتار کر ان کی اہانت کرتے اور مادر زاد ننگے ہو کر بے حیائی کی حرکتیں کرتے تھے، یہاں تک کہ امراء کے کپڑے پر اپنا پیشاب چھڑکتے تھے۔ قطب الدین کی ان بیہودہ حرکتوں سے اس کی تباہی کا سامان خود بخود تیار ہو گیا:

شاہازمی گران چہ بر خواهد خاست
وزمستئی بیکران چہ بر خواهد خاست
سرمست و جہان خراب ودشمن پس وپیش
پیداست کزین میان چہ بر خواهد خاست

حُسام الدین کی سرکشی

ظفر خان کے قتل کے بعد بادشاہ نے حُسام الدین کو جو کہ رشتے میں خسرو خان کا بھائی لگتا تھا۔ اسے ظفر خان کی جگہ گجرات کی حکومت پر مامور کیا۔ اس نے اپنی قوم بردار بچہ کے آدمیوں کو جمع کر کے وہاں بغاوت کی تیاریاں شروع کر دیں اور ظفر خان کے وقت کے تمام امیروں کو قید کر کے دہلی بھیج دیا۔ اسے اس حرکت پر شک ضرور ہوا مگر اس نے امیروں کو اسی وقت رہا کر دیا۔ اپنے محبوب خسرو خان کی خاطرداری کے خیال سے حُسام الدین کی حرکتوں کو نظر انداز کر دیا۔ انھوں نے اس سے اور قدردانی اور مہربانی کا سلوک کیا۔ انھوں نے اسے گجرات سے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ وحید الدین قریشی کو، جس کی کوششوں سے اک لکھی گرفتار ہوا تھا گجرات کا حکمراں بنا کر بھیج دیا۔

دکن پر خسرو خان کا حملہ

اسی زمانے میں خسرو خان نے دکن میں تلنگانہ پر چڑھائی کی اور وہاں کے قلعے کا محاصرہ کر کے وہاں کے راجہ سے کافی مال و دولت اور سو سے زائد ہاتھیوں کی نذر لے کر سیتھلی کی طرف کوچ کیا۔ وہاں سے 920 ہاتھی اور چھ درم وزن کا ہیرا (الماس) لے کر ملیبار 8 میں آیا۔ اس وقت اس کے پاس کافی مال و متاع اور لشکر جمع ہو گیا تھا۔ اس کے سر پر بھی بادشاہی کی دُھن سوار ہوئی اور اس نے کئی امیروں کو قتل کروا دیا اس کی ان حرکتوں سے ملک تلیغہ بغدہ، ملک تلیغہ ناگوی اور ملک حاجی نائب نے اس کی سرکشی کا اندازہ لگا لیا، اور موقع پا کر اُسے اغوا کرایا اور ایک ڈولی میں بیٹھا کر سات دن کے اندر دیوگیر سے دہلی لے آئے اور بادشاہ سے اس کے فاسد ارادوں کا حال بیان کیا۔ لیکن خسرو خان نے خلوت میں اپنے عاشق و فریفتہ سلطان کو نازنخروں، حیلوں اور بہانوں سے راضی کر لیا اور اُلٹا امیروں کے خلاف اُسے بھڑکا دیا۔ بادشاہ اس کی اداؤں پر مٹا ہوا تھا۔ اس کے کہنے پر یقین کر کے ان وفادار امیروں کی طرف سے منہ پھیر کر انھیں خوب رسوا اور ذلیل کیا۔ اس کے باوجود بھی کہ امیروں نے سچے اور چشم دید گواہ پیش کیے ان گواہوں کو بھی سزا دلوادی۔

خسرو خان کا اقتدار

اس کھیل کے ختم ہوتے ہی خسرو خان نے دوبارہ بادشاہ سے اپنی قوم کو دار السلطنت میں بلانے کی اجازت لے لی اور کوشش کر کے ان کو بادشاہ کا مصاحب بنا دیا۔ عیش پسند بادشاہ نے بھی اپنے محبوب پر اور اس کے لوگوں پر بھروسہ کیا، سارا نظم ونسق ان کے حوالہ کر دیا اور عیش وعشرت میں منہمک ہو گیا:

مصحف و شمشیر بر انداختہ
جام و صراحی آغوش ساختہ

اُمراء نے جب یہ رنگ دیکھا اور کوئی چارہ نہ پایا تو مجبوراً وہ خسروخان کی خوشامد میں لگ گئے، دربار سرکار میں براؤبچہ قوم کے لوگ چھا گئے۔ یہ لوگ خسروخان کے گھر میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ قاضی ضیاء الدین نے جن کا خطاب قاضی خان تھا ایک دن ان سازشوں کی خبر بادشاہ کو دے دی، لیکن بادشاہ نشے میں اتنا غرقاب تھا کہ اس نے خسروخان کو ساری بات بتا دی۔اس نے جواب دیا چونکہ میرے حال پر بادشاہ کی غیرمعمولی عنایات ہیں۔ یہ لوگ حسد کے مارے ایسی تہمت لگانے کے درپے رہتے ہیں۔ بادشاہ نے اس کی بات کی دل وجان سے تصدیق کی اور اسے توشک خانہ خاص وغیرہ کی چابیاں بھی حوالے کر دیں۔ چابیوں کی حوالگی کو اس نے اپنے حق میں فال نیک سمجھا۔

آخری عبرت انگیز رات

ایک رات بادشاہ خسروخان کے ساتھ بیٹھا شراب کے جام میں ڈوبا ہوا تھا، دیر رات گزر جانے کے بعد چوکی پہرے والے امیر اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر جا چکے تھے اور قاضی خان ہزارستون کی چھت سے اتر کر دروازوں کی حفاظت اور پہرے داروں کی نگرانی میں مصروف تھا کہ خسروخان کا چچا مدہول نامی اپنے آدمیوں کو لے کر اچانک آ پہنچا اور قاضی خان کو باتوں میں لگا کر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ غریب اسی جگہ جان بحق ہو گیا۔اسی واردات کی وجہ سے شور وغل مچا،تو بادشاہ نے خسروخان سے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ حال جاننے کے بہانے اٹھ کر اپنے آدمیوں کے پاس گیا اور بادشاہ کے قتل پر ان کو آمادہ کر کے چلا آیا اور بادشاہ سے کہنے لگا طویلے کے گھوڑے کُھل گئے تھے اور لڑنے لگے تھے بس اسی کا شور ہو رہا ہے۔ اتنے میں خسروخان کا ماموں جاہر نامی اپنی جماعت کے ساتھ ہزارستون کی چھت پر چڑھ آیا اور وہاں کے محافظوں کو قتل کر کے بادشاہ کی طرف لپکا،اب بادشاہ کے کچھ ہوش ٹھکانے آئے اور وہ اس نیم مستی کے عالم میں زنانہ محل کی طرف بھاگنے لگا لیکن خسروخان نے پیچھے سے سر کے بال پکڑ لیے۔ بادشاہ اس سے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا کہ اس کے لوگ آ پہنچے اور سر کاٹ کر چھت کے نیچے پھینک دیا۔ امیروں

نے جب یہ حال دیکھا تو چپکے سے اپنے اپنے ٹھکانوں کو چلے گئے۔کئی ایک محل کے دروازے پر قتل کر دیے گئے۔خسرو خان اپنے ساتھیوں کو لے کر شاہی محل سرا میں گھس گیا اور فریدوں خان، منگو خان جیسے شیر خوار شہزادوں کو ان کی ماؤں کی گود سے کھینچ کر ان کے سامنے ذبح کر ڈالا۔ حملہ آوروں نے عورتوں پر ظلم کر کے ان کے ساتھ جیسا جی میں آیا سلوک کیا اور سلطان علاء الدین وقطب الدین کا خاندان اور تخت دیکھتے ہی دیکھتے خاک میں مل گیا۔ ان ہنگاموں سے فارغ ہو کر خسرو خان نے عین الملک ملتانی، ملک فخر الدین جونا جو بعد کے دنوں میں سلطان تغلق کے نام سے معروف ہوا۔ ملک وحید الدین قریشی اور قرابیگ کے بیٹوں کو اسی رات بلا کر صبح تک ہزار ستون کے بالا خانے میں نظر بند کر دیا اور دن نکلا تو شہر کے تمام اعیان و اکابر کو بلا یا گیا اور دربار سجا کر خسرو خان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ جس کے متعلق بھی مخالفت کا اندیشہ ہوا اسے دھوکہ سے پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ قاضی ضیاء الدین کی بیوی کسی طرح بھاگ گئی۔لیکن اس کا پورا خانوادہ مدہول کے سپرد کر دیا گیا۔ حسام الدین خان نے جو خسرو خان کا سگا ماموں تھا، خان خانان کا خطاب پایا اور مدہول رائے رایان بن گیا۔ سلطان قطب الدین کے حرم ،دوسرے شہزادوں اور مقربین کی عورتوں کو ان لوگوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ سلطان کی ملکہ سے خسرو خان نے خود نکاح کرلیا۔ یہ واقعہ 720ھ/1320ء میں پیش آیا۔ سلطان قطب الدین نے چار سال اور چند مہینے تک حکومت کی۔

تاجہان بود چنین بود و چنین خواھد بود
ہمہ را عاقبت کار چنین خواھد بود

ناصر الدین خسرو خان

پہلے اس کا نام ''حسن برواربچہ'' تھا۔ 720ھ/1320ء میں مبارک شاہ مارا گیا تو اپنے قبیلے والوں کی حمایت سے وہ ناصر الدین کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ علائی اور قطبی

امیروں نے بھی مجبوری میں اس کی اطاعت اختیار کرلی اور اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔ انقلاب سے ہندستان میں اسلامی شعار کا زوال ہونے لگا۔ ہندوؤں کے رسم و رواج ترقی کرنے لگے، اعلانیہ بت پرستی ہونے لگی، مسجدیں ویران ہونا شروع ہوگئیں ۔خسرو خان نے عوام و خواص کو اپنی طرف کرنے کے لیے خزانوں کا منھ کھول دیا جو علاء الدین اور قطب الدین کے وقت سے جمع تھے لیکن اس کی نمک حرامی اور بے دینی کی وجہ سے لوگ اس سے برگشتہ خاطر ہی رہے۔

ہندوؤں کا غلبہ

721ھ/1321ء میں خسرو خان نے علاء الدین کی اولاد میں سے ابوبکر خان، علی خان اور بہار خان کو اندھا کرادیا۔ عین الملک اور دوسرے بڑے اُمراء اور وزراء کو بھی دور دراز علاقوں میں بھیج کر منتشر کر دیا۔ امور سلطنت پر ہندوؤں کا قبضہ ہوگیا اور مسلمان تباہ و برباد ہونے لگے۔ یہ تباہی ویسی ہی تھی جیسی سلطان سنجر کے زمانے میں غزوں کی یورش میں رونما ہوئی تھی۔ خسرو خان نے ہر طرف فرامین روانہ کر کے لوگوں کو اپنا حامی بنانے کی کوشش کی۔ یوسف صوفی براؤ بچہ کو صوفی خان اور اختیار الدین سنبل کو حاتم خان کے خطاب عطا کیے۔ کمال الدین صوفی کو وکیل دربار اور ملک فخر الدین جونا غازی الملک کے بیٹے کو آخور بیگی کا منصب عطا کیا۔ قرہ قمار کے بیٹے کو عارض الملک کا عہدہ ملا۔ غازی الملک کے بیٹے کی وہ بہت خاطر ومدارات کیا کرتا تھا۔ غرض یہ تھی کہ اس کا باپ علاء الدین کے زمانے کا بڑا نامی گرامی امیر تھا اور اس نے مغلوں کے خلاف بڑے معرکے سر کیے تھے۔ اس لیے خسرو خان چاہتا تھا کہ وہ دیپالپور سے اس کے پھندے میں پھنس جائے تاکہ کوئی کھٹکا باقی نہ رہے۔ عین الملک ملتانی کو بھی اس نے عالم خان کا خطاب دے کر اپنے ساتھ ملا لینا چاہا لیکن وہ اس لالچ میں نہیں آیا بلکہ اس نے غازی الملک کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مقابلے کے لیے تیار ہو تو معرکے میں خسرو خان کا ساتھ نہیں دوں گا۔ بلکہ اپنے وطن مالوے کی طرف چلا جاؤں گا اور جب سب امیر تمہارے ساتھ ہو جائیں گے تو میں بھی تمہارے پاس آجاؤں

گا۔ غرض کچھ امیر تو ایسے تھے جو منصب اور جاگیر کی لالچ میں خسرو خان کے حامی ہو گئے اور کچھ اس سے برگشتہ خاطر ہی رہے۔

غازی الملک میدان میں

جب غازی الملک کو یہ تمام پریشان کن خبریں ملیں تو اسلامی غیرت اور اپنے آقا کے خون اور عزّت وناموس کی حمیت نے جوش مارا، اس نے خسرو خان سے بدلہ لینے کے لیے کمر باندھی اور دوسرے امراء سے بھی اس مہم کے لیے مدد مانگی۔ فخر الدین جونا نے بھی اب خفیہ خط باپ کے پاس بھیجا اور لکھا کہ اگر آپ گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دیں تو میں یہاں سے بھاگ آؤنگا۔ چنانچہ اس انتظام کے ہوتے ہی اس نے ایک رات [9] اُچہ [10] اور ملتان کے حاکم بیرام اللہ کے بیٹے کو ساتھ لیا اور دہلی سے نکل کر اپنے باپ کے پاس دیپالپور بھاگ گیا۔ باپ کو بیٹے کی آمد پر خوشی ہوئی۔ اس کے آنے سے قبل اس کے باپ نے سرتی کے قلعے میں دوسو سواروں کو تعینات کر رکھا تھا۔ جب خسرو خان کو فخر الدین جونا کے بھاگ جانے کی خبر ملی تو وہ نہایت پریشان ہوا اور قرہ قمار کے لڑکے کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا لیکن وہ قصبہ سرتی [11] تک جا کر لوٹ آیا اور خسرو خان کو غازی الملک کی تیاریوں کی اطلاع دی۔

غازی الملک کا حملہ

جب سارا سازوسامان مہیا ہو گیا تو غازی الملک نے نہایت دلیری اور مردانگی کے ساتھ دیپالپور [12] سے دہلی کی طرف یلغار کردی۔ خسرو خان نے اس کے مقابلے کے لیے اپنے بھائی خانخانان کو چتر اور دور باش کا اعزاز دے کر روانہ کیا اور صوفی خان جیسے نالائق اور کمینے امیروں کو بھی ساتھ کردیا۔ غازی الملک زمانے کے حالات سے واقف امیر تھا۔ مغلوں کے مقابلے میں اس نے فتح وشکست کے بڑے بڑے تجربے حاصل کیے تھے اور نمایاں فتوحات حاصل کی تھیں۔ اوچھ اور ملتان کا حاکم بیرام اللہ [13] بھی اس کی مدد کے لیے

آ گیا تھا، ایسے پختہ امیروں کے مقابلے میں خسرو خان کے بھیجے ہوئے امیر نہانت کم حوصلہ اور نا تجربہ کار تھے۔ چنانچہ جب تھانیسر 14 میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو پہلے ہی حملے میں غازی خان نے دشمن کو مار بھگایا اور نمایاں فتح حاصل کی ۔ بے شمار ہاتھی گھوڑے اور سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگا، غازی الملک بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا دہلی کے سامنے پہنچ گیا۔

خسرو خان مقابلے پر

خسرو خان نے شکست کھائے ہوئے لشکر کو جمع کر کے خزانے کا دروازہ کھول دیا اور سپاہیوں کو تین تین چار چار ماہ کی تنخواہ پیشگی دی ، بڑے بڑے عہدے اور جاگیروں کے وعدے کیے۔ خاندان علائی کے جن شہزادوں کو اندھا کر رکھا تھا ان کو مروا ڈالا اور کافی ساز و سامان لے کر دہلی سے باہر نکلا۔ اس کی لشکر گاہ حوض خاص سے اندر پت تک پھیلا ہوا تھا۔ غازی الملک سلطان رضیہ کے روضہ میں کیمپ لگائے ہوئے تھا۔ اس وقت عین الملک عہد و قرار کے مطابق اپنی جمیعت کو لے کر دہار 15 اور اجین کی طرف نکل گیا۔ اس کے اس طرح کٹ جانے سے خسرو کا دل ٹوٹ گیا۔

خسرو خان کی شکست

دوسرے دن لڑائی ہوئی۔ پہلی بار غازی الملک کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ منتشر ہو گیا، لیکن غازی الملک نے تین سو سواروں کے ساتھ جو گھات میں چھپے ہوئے تھے یکبارگی خسرو خان کے فاتح لشکر پر حملہ کے لیے اسے مجبور 16 کر دیا۔ ملک تلیغہ اور قمار قرہ کے بیٹے اور خسرو کے کئی دوسرے طرف دار امیر مارے گئے لیکن خسرو بڑی بہادری سے شام تک لڑتا رہا، آخر شکست کھا کر تلپتہ کی طرف بھاگ گیا۔ جب خسرو نے بھاگنے کی صورت نہ دیکھی تو تلپتہ سے لوٹ کر اپنے پرانے رفیق ملک شادی کے باغ میں تن تنہا چھپ گیا۔ دوسرے دن اسے بڑے برے حال میں پکڑ کر غازی الملک کے روبرو پیش کیا گیا اور اس نے اپنے کیے کی سزا پائی 17 دوسرے دن

غازی الملک تلپتہ سے سوار ہو کر "سبز کوشک" میں آیا اور اسی جگہ قیام کیا۔ دہلی کے خاص و عام آ آ کر اس کو مبارک باد دینے لگے۔ دوسرے دن وہ دہلی میں داخل ہوا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ خانخانان بھی کسی باغ میں چھپا بیٹھا ہے۔ ملک فخر الدین جونا اسے بھی پکڑ لایا۔ غازی الملک کے حکم سے اس کے ناک ہاتھ پاؤں کاٹ کر شہر میں گھمایا گیا۔ یہ واقعہ 720ھ/1320ء میں پیش آیا۔ خسرو خان چار ماہ کچھ دن تخت شاہی پر قابض رہا۔

تغلق خاندان

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ

دہلی میں داخل ہونے کے بعد غازی الملک نے تمام امیروں کی اتفاق رائے سے 720ھ/1320ء میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور غیاث الدین تغلق 18 لقب رکھا، تغلق بڑا منتظم اور مدبر شخص تھا۔ اس نے ایک ہفتے کے اندر سلطنت کے درہم برہم کارخانے کو بخوبی سنوار دیا جس تیزی اور ہوشیاری سے اس نے نظم ونسق کی اصلاح کی وہ شاید دوسرں سے سالہا سال میں بھی نہ ہوتا۔ اپنے عزیزوں اور قریبوں کو اس نے عہدے اور منصب عطا کیے، علاء الدین اور قطب الدین کے زمانے کے اکثر امراء کے ساتھ مہربانی کا سلوک رکھا اور ان کو بھی جاگیریں عطا کیں۔ ان سارے انتظامات کے بعد قلعۂ تغلق آباد تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ تین سال میں تیار ہوا۔ جب قلعہ تیار ہو گیا تو وہاں ایک شاہانہ جشن منعقد کیا۔ اس موقعے پر بدر چاچ شاعر نے قلعے کی تعمیر کی تاریخ ''فادخلوا'' نکالی جو بلا شبہ یہ ایک نادر تاریخ ہے۔ سلطان نے ان تمام لوگوں کو جن کے مشورے سے خسرو خان نے قطب الدین کی ملکہ سے عقد کیا تھا اور جو اس کی سرکش قوم کے مددگار بنے تھے، سب کو سزائیں دیں۔ اپنے بیٹے

ملک فخر الدین جونا کو جس کے صورت سے ہی شاہانہ صلاحیتیں جھلکتی تھیں ''الغ خان'' کا خطاب چتر وغیرہ شاہی اعزازات دے کر اپنا ولی عہد بنادیا۔ اپنے دوسرے چار بیٹوں کو بہرام خان، ظفر خان، محمود خان اور نصرت خان کا خطاب عطا کیا۔

الغ خان کی فوجی مہم

721ھ/1321ء میں تغلق نے الغ خان کو چندیری، 19 بدایوں اور پورب کے دوسرے شہروں کی فوجیں دے کر دیو گیر اور تلنگانہ کی مہم پر روانہ کیا۔ الغ خان نے دیو گیر پہنچ کر وہاں کی فوج کو بھی اپنے ساتھ لیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ ارنگل کے قلعے کا گھیراؤ کرلیا۔ یہ قلعہ سات سو سال سے رائے سدر مہادیو اور اس کے آباؤ اجداد کے قبضے میں تھا۔ الغ خان نے قلعے کے باہر کا کچا حصار بہت جلد فتح کر لیا اور ممکن تھا کہ وہ اندر کے سنگین اور مضبوط حصار کو بھی فتح کر لے کہ اس عرصے میں دہلی کی ڈاک آنے میں خاصی تاخیر ہوگئی۔ حاسدوں کو اچھا خاصا بہانہ ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ شیخ زادہ دمشقی اور عبید 20 شاعر نے یہ خبر اُڑائی کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ عبید نے امرائے لشکر کو بھی خوب بہکایا کہ الغ خان تم لوگوں کی فکر میں مبتلا ہے۔ لشکر کی اس پریشانی سے غنیم نے عین وقت پر حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ملک تکین اور دوسرے امیروں نے الغ خان سے غداری کرنے کی ٹھان لی۔ ملک تکین تو پچاس سواروں کو ساتھ لے کر فوراً ہی دہلی بھاگ گیا اور دوسرے امیر بھی اسے چھوڑ کر اپنے اپنے علاقہ کی طرف نکل گئے۔ ان میں سے ملک تکین ملتان اور جیسلمیر کے درمیان پکڑا گیا۔ تاج الدین طالقانی اور اس کا داماد قید خانے سے نکل کر بھاگا تھا۔ سروندی کے کنارے گرفتار ہوا۔ عبید شاعر کو بھی مشکل سے گرفتار کر کے لایا گیا۔ ان سب کو ان کے ساتھیوں سمیت ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا گیا۔ اس مرتبہ الغ خان نے باہری حصار کو فتح کر کے راجہ کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کرلیا اور وہاں عامل مقرر کر کے مال غنیمت کو جو ہاتھیوں، جواہرات اور دوسرے قیمتی سامان پر مشتمل تھا، راجہ کے ساتھ سمیت دہلی روانہ کردیا اور ارنگل کا نام سلطان پور رکھ کر خود بھی دہلی لوٹ آیا۔

بنگال کی مہم

724ھ/1324ء میں بنگال کے حاکم کی بغاوت کی خبر ملی تو خود سلطان نے اس طرف توجہ کی اور الغ خان کو تغلق آباد میں ملکی اور مالی امور کی نگرانی کے لیے اپنا نائب مقرر کر دیا۔ جب سلطان لکھنوتی 21؎ پہنچا تو وہاں کا حاکم سلطان ناصر الدین اور اس نواح کے تمام راجہ اور امراء استقبال کے لیے آئے۔ تغلق نے ناصر الدین کو چتر دور باش اور سلطنت کے اعزاز دے کر دوبارہ لکھنوتی کی حکومت کا پروانہ عطا کیا اور فتح نامہ دہلی بھیجا۔ لکھنوتی سے تغلق نے ظفر آباد کے حاکم تاتارخان کو جسے وہ اپنا بیٹا کہا کرتا تھا فوجی مہم کے لیے روانہ کیا۔ تاتارخان نے سنارگاؤں 22؎ کے حاکم بہادر شاہ عرف تورہ کو جو کچھ عرصے سے خود مختار بن بیٹھا تھا گرفتار کر کے تمام ساتھیوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

تغلق کی وفات

مندرجہ فتوحات کے بعد تغلق بہادر شاہ مذکور کو ساتھ لے کر دہلی واپس ہوا۔ یہ سفر اس نے نہایت سرعت کے ساتھ طے کیا، چنانچہ دور دور منزل پر پڑاؤ ڈالتے ہوئے کوچ کیا جاتا تھا۔ الغ خان نے سلطان کی آمد کی خبر سن کر تغلق آباد سے تین کوس کے فاصلے پر افغان پور میں ایک بہت بڑا اور بلند قلعہ نما محل تین دن کے اندر تیار کرایا تاکہ بادشاہ اسی جگہ رات میں قیام کرے اور صبح کو نیک ساعت دیکھ کر تغلق آباد میں داخل ہو۔ چنانچہ بادشاہ نے حسب انتظام اسی محل میں جا کر قیام کیا، وہاں استقبال کے لیے الغ خان تمام امیروں کو لے کر آیا اور ضیافت کا بڑا شاہانہ انتظام کرایا۔ اسی جگہ وہ ہاتھی جو بنگالہ سے آئے تھے بادشاہ کے حکم سے دوڑائے گئے۔ محل چونکہ نیا بنا تھا ہاتھیوں کے دوڑنے سے ڈھل گیا۔ بادشاہ نے محل کے اندر کھانا کھایا۔ لوگوں کو یہ اطلاع تھی کہ کھانا کھاتے ہی فوراً سوار ہو جائیں گے اس لیے محل میں جتنے لوگ دسترخوان پر حاضر تھے کھانا کھاتے ہی ہاتھ دھوئے بغیر ہی سواری کے انتظام کے لیے جلد ہی باہر چلے آئے۔ البتہ بادشاہ ہاتھ دھونے کے انتظار میں بیٹھا رہا

لیکن اچانک چھت گر پڑی۔ اور اس کو جان سے ہی ہاتھ دھونا پڑا۔ اس واقعہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ الغ خان نے قصداً اس کی دیواریں اندر سے کھوکھلی رکھی تھیں۔ اتنی جلدی نیا محل تعمیر کرنے سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کا یہ خیال ممکن ہے سچ ہو۔ 23ے تاریخ فیروز شاہی میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ واضح رہے کہ اس کا مصنف فیروز شاہ کا طرف دار اور حامی تھا۔

ہنوز دلّی دور است

یہ واقعہ 725ھ/1325ء میں پیش آیا۔ غیاث الدین نے کل چار سال اور کچھ ماہ تک حکومت کی۔ ہندستان کے عوام میں یہ مشہور ہے کہ غیاث الدین کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے رنجش تھی۔ اس نے لکھنوتی سے دہلی آتے ہوئے شیخ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ''اب کی بار دہلی میں یا میں رہونگا یا نظام الدین'' اس کے جواب میں شیخ کی زبان سے نکلا ''ہنوز دلّی دور است'' اسی دن یہ قول ضرب المثل بن گیا۔ امیر خسرو کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔ ان کی آخری تصنیف ''تغلق نامہ'' اسی بادشاہ کے نام منسوب ہے۔

سلطان محمد عادل بن تغلق شاہ

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد الغ خان نے امیروں کے اتفاق اور تائید سے سلطان محمد عادل کے لقب سے 725ھ/1325ء میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور چالیس دن تک باپ کا ماتم کرتا رہا۔ اس کے بعد قدیم شاہی محل میں جشن منعقد کر کے کافی روپیہ خیرات کیا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی ملک فیروز کو، جو بعد میں سلطان فیروز کے نام سے تخت نشین ہوا اپنا نائب مقرر کیا اور دوسرے امیروں کو بھی اونچے مناصب پر ترقی دی۔ حمید لویکی بادشاہ کا مقرب بن گیا۔ ملک سرتیز کو عماد الملک، ملک خرم کو ظہیر الجیوش، ملک پندار خلجی کو قدر خان اور ملک اعزالدین یحیٰی کو اعظم الملک کا خطاب عطا ہوا اور اُسے کوست گاؤں کا علاقہ جاگیر میں ملا۔

دکن پر فوجی مہم

727ھ/1327ء میں بادشاہ نے دیوگیر کی طرف کوچ کیا۔ دہلی سے دیوگیر تک ہر کوس پر ڈاک چوکی مقرر کی گئی۔ ہر منزل پر ایک خانقاہ اور مسافر خانہ بنوایا گیا۔ ہر مسافر خانے میں ایک ملاّ مقرر تھا۔ مسافروں کے لیے کھانے پینے اور ضروریات کی دوسری چیزیں مہیا رہتی تھیں۔ چوکیداروں کو تاکید کر دی گئی تھی کہ مسافروں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ان خانقاہوں کے آثار برسوں تک باقی رہے۔

دار الخلافہ کا تبدیل کیا جانا

سلطان نے دیوگیر پہنچ کر اس کا نام دولت آباد رکھا اور یہ سوچ کر کہ دیوگیر مملکت کے وسط میں ہے اسے اپنا دار السلطنت بنا لیا۔ دہلی سے اپنی والدہ مخدومہ جہان کو مع اہل و عیال اور دوسرے سب امیروں، لشکر کے سرداروں اور غلاموں کو دولت آباد بلا لیا اور سارے خزانے بھی منگوا لیے۔ مخدومہ جہان کی وجہ سے بہت سے سیّد مشائخ اور عالم بھی دولت آباد چلے گئے۔ بادشاہ نے سب کے انعام اور وظائف کئی گنا کر دیے۔ خانہ ویرانی کی مصیبت بُری ہوتی ہے، دہلی کے بسے بسائے گھرانے اُجڑ کر دولت آباد گئے تو لوگوں کو بڑی پریشانیوں اور آفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بیمار اور ضعیف آدمی تو راستہ ہی میں سفر کی اذیتوں سے جان بحق ہو گئے۔ جو وہاں پہنچے وہاں ان کا رہنا مشکل ہو گیا۔ 727ھ/1327ء کے آخر میں فوج کے بخشی ملک بہادر گرشاسپ 24 نے دہلی میں بغاوت کی لیکن ملک احمد ایاز خواجہ جہان نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں اسے بغاوت کی سزا دی گئی۔

بیرام اللہ کی بغاوت

دوسری بغاوت ملک بیرام اللہ نے جسے سلطان تغلق اپنا بھائی کہا کرتا تھا، نے ملتان

میں برپا کی۔ جب بادشاہ نے اسے لانے کے لیے علی خلیلی کو اس کے پاس بھیجا تو اس نے علی کو قتل کر دیا۔ بادشاہ اس فتنے کو دبانے کے لیے دولت آباد سے کوچ کر کے دہلی آیا اور شب و روز کی محنت کے بعد دہلی سے ملتان پہنچا۔ بیرام نے جم کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور قتل ہو گیا۔اس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔بادشاہ بیرام کی سرکشی کے بدلے ملتان میں قتل عام کرانا چاہتا تھا لیکن حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اپنی دستار اتار کر بادشاہ سے سفارش کی اور بیچارے ملتان والوں کی جان بچی:

از ابتدائی دور آدم تازمان بادشاہ
از بزرگان عفو بودہ واز فرودستان گناہ

سلطان نے ملتان قوام الملک کے حوالے کیا اور دہلی واپس آ گیا۔ چند دن بعد اس کی جگہ ملتان کی حکومت پر بہزاد کو روانہ کر دیا۔ بہزاد کو شاہو لودی25ے پٹھان نے بغاوت کر کے قتل کر دیا۔ جب بادشاہ شاہو کو سزا دینے کے لیے دیپالپور پہنچا تو وہ بھاگ کر پہاڑوں پر چلا گیا۔ سلطان دہلی واپس آ گیا۔

مغلوں کا حملہ

729ھ/1328ء میں ترمہ شیرین نے جو قتلغ خواجہ کا بھائی تھا دہلی پر چڑھائی کی۔ یہ قتلغ خواجہ وہی ہے جس نے اس سے قبل ہندستان پر حملہ کیا تھا۔ ترمہ شیرین نے لاہور26ے سامانہ اور اندری سے بدایوں تک بہت سے قلعے فتح کر لیے اور اس علاقے میں بڑی لوٹ مار مچائی جب اس کی سرکوبی کے لیے شاہی لشکر بڑھا تو سب چھوڑ چھاڑ الٹے پاؤں بھاگ گئے۔ بادشاہ نے کلانور تک ان مغلوں کا پیچھا کیا اور وہاں کا قلعہ ڈھانے کے لیے مجید الدین بورجا کو مقرر کر کے دہلی واپس آ گیا۔

سلطان کی سختی

سلطان کو دوآبہ 27ے کے درمیانی علاقہ کی رعایا سے بھی سرکشی اور بغاوت کی سخت شکایات تھیں۔ اس لیے اس نے ان پر بھاری خراج لگا دیا۔ اس علاقے کی غریب رعایا پر عمال نے بھی طرح طرح کے ظلم توڑنے شروع کر دیے۔ ان کے مظالم سے تنگ آ کر لوگ وہاں سے بھاگ گئے جس سے سارا علاقہ اُجڑ گیا۔ جو لوگ باقی رہ گئے انھوں نے قزاقی اور لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا لیا۔

دہلی کی ویرانی

سلطان نے دوسرا سخت حکم دہلی والوں کو یہ دیا کہ جو بھی لوگ شہر میں دولت آباد جانے سے رہ گئے ہیں وہ سب کے سب نیز دہلی کے اردگرد کی ساری رعیت بھی دولت آباد منتقل ہو جائے۔ سلطان نے سارے مکانات خرید لیے شاہی خزانہ سے ان کی قیمت لوگوں کو ادا کی گئی۔ اس طرح دولت آباد تو خوب آباد ہو گیا۔ لیکن دہلی 28ے ایسی اُجڑی کہ وہاں کتوں اور بلیوں کے سوا کوئی نہ رہا۔

تانبے کا سکہ

سلطان کی ان انوکھی تدبیروں سے خزانہ بالکل ہی خالی ہو گیا۔ تلافی کے لیے اس نے تانبے کے سکے کو رواج دیا اور اس کی قیمت چاندی کے سکے کے برابر رکھی۔ جو اس شرح پر لینے میں تامل کرتا تھا۔ اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ اس کاروائی سے بھی ملک بھر میں بڑی خرابی اور انتشار پھیلا۔ مفلس اور شر پسند لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں ٹکسالیں بنا لیں۔ وہ تانبے پر سکہ لگا کر بازار سے سونا، چاندی، گھوڑے ہتھیار اور ہر طرح کا عمدہ سامان خرید لیتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان لوگوں نے کافی دولت پیدا کر لی۔ غیر ملک کے پردیسی چونکہ تانبے کے سکے کو کسی صورت میں بھی قبول نہیں کرتے تھے اس لیے بہت سے کاروبار

مندے ہو گئے۔ جب یہ تشویشناک صورت حال پیدا ہوگئی تو سلطان نے حکم دیا جس کے پاس تانبے کا سکہ ہو خزانہ میں داخل کردے اور اس کے عوض چاندی کے سکے لے جائے۔اس حکم کے صادر ہوتے ہی لوگوں نے من کا من تانبہ خزانہ میں داخل کردیا اور ڈھیروں چاندی معاوضہ میں حاصل کرلی۔ اس بہانے سے لوگوں کے ہاتھ کافی دولت آگئی اور بادشاہی خزانہ تانبے سے بھر گیا۔ 29ؔ

ہمالیہ پہاڑ کی مہم

738ھ/1337ء میں سلطان نے ہماچل 30ؔ کی پہاڑی کی مہم کے لیے اَسّی ہزار سواروں کی ایک فوج کو روانہ کیا۔ ہماچل کی پہاڑی چین اور ہندستان کے درمیان واقع ہے۔ اسے قراچل کی پہاڑی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس مہم کی فوج کو حکم تھا کہ فاصلہ بہ فاصلہ رسد کے بندوبست کے لیے کچھ آدمیوں کو چھوڑتے جائیں۔ اس پہاڑ کی ایک عجیب خصوصیت ہے کہ وہاں آدمیوں اور گھوڑوں کے شوروغل سے بادل گھر آتے ہیں اور شدت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ جب یہ فوج پہاڑ پر چڑھنے لگی تو برف باری اور بارش بکثرت ہونے لگی اور رسد کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا۔ کھانے کو نہ ملا تو جو راہ دار راستے میں مقرر کیے گئے تھے وہ وہاں سے چلتے بنے اور ساری فوج نہایت پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔ پہاڑی قوموں نے موقع پاکر حملہ کردیا اور اس فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ فوج بھاگ کر بھی پناہ حاصل نہ کرسکی۔ چٹانوں پر سے پتھروں کی مار، بس خدا کی پناہ۔ ان مصیبتوں سے شاہی لشکر کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ اور ہزاروں پہاڑیوں کی قید میں چلے گئے۔ جو بچے، مدتوں ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہے۔ کچھ لوگ جو مصیبتیں اُٹھاتے، آفتیں جھیلتے وطن پہنچے تو بادشاہ نے بھاگ آنے کے جرم میں ان کو قتل کرادیا۔ ایسی منظم اور آراستہ فوج پھر بادشاہ کو نصیب نہ ہوسکی اور وہ سارا روپیہ جو اس مہم میں لگا تھا خاک میں مل گیا۔

بنگال کی بغاوت

739ھ/1339ء میں سنار گاؤں کے حاکم بہرام خان کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال ملک فخر الدین سلاحدار نے بغاوت کا رخ اختیار کیا اور اپنے آپ کو بادشاہ کہنے لگا۔ لکھنوتی کے حاکم قدر خان نے ملک حسام الدین ابوارجا اور اعز الدین یحییٰ اعظم الملک کو اپنا حامی بنا کر فخر الدین کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے کر اس کا جمع کیا ہوا خزانہ اور مال و اسباب چھین لیا۔ قدر خان نے بہت سا خزانہ اور طرح طرح کے نفیس تحفے بادشاہ کی پیشکش کے لیے اپنے گھر میں ذخیرہ کیے حسام الدین نے اس طرح اعلانیہ مال اور روپیہ جمع کرنے سے منع کیا اور اسے سمجھایا کہ مال کی لالچ میں لوگ دشمن بن جاتے ہیں اور طرح طرح کے فتنہ پیدا کرتے ہیں لیکن قدر خان نے اس عاقلانہ مشورے کو قبول نہ کیا۔ آخر حسام الدین کا کہنا ہی سامنے آیا۔ ملک فخر الدین دوبارہ تیاری کر کے مقابلے پر آ گیا اور اس نے قدر خان کے آدمیوں کو اندر ہی اندر اپنے ساتھ ملالیا۔ چنانچہ قدر خان کو اسی کے آدمیوں نے مار ڈالا اور وہ سارا مال اور روپیہ فخر الدین کو مل گیا نیز سنار گاؤں کی حکومت بھی مفت ہاتھ آ گئی۔ اس نے اپنے غلام مخلص نامی کو لکھنوتی کی طرف روانہ کیا۔ لیکن قدر خان کی فوج کے سردار علی مبارک نے مخلص کو قتل کر دیا اور خود حاکم بن کر بیٹھ گیا۔ پھر بادشاہ کے پاس بھی مصلحت آمیز عرضیاں دہلی روانہ کیں۔ سلطان نے فخر الدین پر حملہ کرنے کے لیے ملک یوسف کو مقرر کیا لیکن وہ راستے میں ہی مر گیا۔ پھر بادشاہ کچھ دوسرے معاملات میں ایسا الجھ گیا کہ اس طرف کوئی توجہ نہ کر سکا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر فخر الدین کے علی الرغم علی مبارک نے اعلانیہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اپنا خطاب سلطان علاء الدین رکھ لیا۔

بنگال کا پہلا سلطان

کچھ دن بعد ملک الیاس حاجی نے جس کی جمعیت کافی بڑی تھی۔ لکھنوتی کے بعض امیروں سے ساز باز کر کے علاء الدین کو قتل کر دیا اور اپنا خطاب شمس الدین رکھ کر تخت پر

بیٹھ گیا۔ 741ھ/1340ء میں سلطان نے سنار گاؤں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا اور فوجی کاروائی کر کے فخر الدین کو گرفتار کر لیا۔ اسے لکھنوتی لا کر قتل کر دیا۔ شمس الدین اس طرح لکھنوئی کا حاکم بنا رہا۔ اس کی اولاد نے مدتوں یہاں حکومت کی۔

دکن کی بغاوت

سلطان کی آئے دن کی سختیوں اور خون ریزیوں سے تنگ آ کر معبر 31 میں ملک ابراہیم خریطے دار شاہی کے باپ سید حسن کیتھل نے جو حسن کانگو کے نام سے مشہور تھا سرکشی اور بغاوت کی اور اپنا خطاب علاء الدین بہمن شاہ رکھ کر اپنی بادشاہت قائم کر لی۔ وہاں جو شاہی لشکر تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا تھا۔ اس لیے جس نے اس کی مخالفت کی اس کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سلطان لکھنوتی سے دیوگیر پہنچا اور وہاں سے تلنگانہ تک گیا مگر وہاں جا کر بیمار پڑ گیا مجبوراً وہ واپس ہوا اور رات دن کے سفر کر کے دہلی واپس آ گیا۔ بادشاہ نے قتلغ خان کو دولت آباد کے بندوبست کے لیے وہاں چھوڑ دیا تھا لیکن معبر کا فتنہ دب نہ سکا۔

کھوکھروں کی بغاوت

743ھ/1342ء میں ملک ہلا جون، گل چند کھوکھر 32 اور ملک تتار خرد نے بغاوت کر کے لاہور کے حاکم کو قتل کر دیا۔ بادشاہ نے خواجہ جہان کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ باغیوں نے مقابلہ کیا لیکن شاہی لشکر سے بری طرح شکست کھا کر بھاگ گئے۔ 744ھ/1343ء میں بادشاہ نے سنام اور سامانہ سے آگے بڑھ کر کیتھل کے سیدوں پر حملہ کیا اور سید حسن کیتھل کے بغض اور حسد میں یہاں کے تمام سیدوں کا قتل عام کرا دیا۔ ان کے علاقہ میں پرہانوں کو بسا کر ان کو جاگیریں، خلعتیں اور زری پٹکے عطا کیے۔

دہلی کی جانب واپسی

اسی سال 744ھ/1343ء میں سخت قحط پڑا، بادشاہ نے حکم دیا کہ جس کا جی چاہے پورب کے ملکوں میں چلا جائے اور جس کا جی چاہے دولت آباد چھوڑ کر دہلی میں جا بسے۔ اسی سال خراسان، عراق اور سمرقند سے کافی تعداد میں لوگ بادشاہ کی بخششوں کا حال سن کر ہندستان آئے۔ چنانچہ جدھر دیکھو انہی کے قافلے نظر آتے تھے۔

خلافت کا فرمان

اس سال حاجی سعید مصری خلیفہ عباسی کی طرف سے جو مصر میں برائے نام خلیفہ تھا، بادشاہ کے لیے فرمان خلافت، نشان، خلعت اور ناصر المومنین کا خطاب لائے۔ بادشاہ اس دن شہر کے تمام اکابر واعیان' مشائخ و سادات کو لے کر حاجی سعید کے استقبال کے لیے گیا۔ ننگے پیر ہو کر حاجی سعید کے پاؤں چومے اور ان کے پیچھے پیچھے جلوس چلا۔ خلیفہ کی اجازت اور فرمان کے آنے تک بادشاہ نے جمعہ اور عیدین کی جماعت موقوف کر رکھی تھی۔ اس دن نہایت خوشی کے ساتھ جماعت قائم کرنے کی اجازت دی۔ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اس خطبہ سے متقدمین بادشاہوں کے نام ہٹا دیے، صرف سلطان محمود غزنوی کا نام رہنے دیا۔ حاجی سعید کو بادشاہ نے اتنا سونا اور تحائف دیے کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ خلیفہ مصر کے لیے ایک نہایت ہی عمدہ موتی کہ اس جیسا خزانہ میں دوسرا نہ تھا اور دوسرے قیمتی اور نادر تحفے روانہ کیے۔ فرمان خلافت کیا ملا، سلطان خود خلیفہ ہی بن بیٹھا۔ خلیفہ کا فرمان لے کر اس کے احکام سب کو سنایا کرتا تھا اور خلیفہ کے نام پر لوگوں کو بیعت کرتا تھا۔ سلطان کے نام خلیفہ کے اور بھی فرمان دو تین مرتبہ آئے۔ دوسری بار خلیفہ کی طرف سے مخدوم زادہ بغدادی آیا تھا۔ بادشاہ نے پیادہ پالم تک جا کر استقبال کیا۔ جب دور سے ان کی سواری نظر آئی تو بادشاہ نے آگے بڑھ کر ملاقات کی اور انھیں اپنے تخت پر برابر میں بٹھایا۔ مخدوم زادہ کو سلطان نے کیلی کا شہر اور وہاں کی ساری آراضی اور باغ جاگیر میں دے دیے تھے۔ 745ھ/1344ء میں کڑہ 33 کے

حاکم ملک نظام الدین نے بغاوت کی تھی۔ عین الملک کے بھائی شہر اللہ نے اودھ کی طرف سے حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیا اور یہ بغاوت جلد ہی ختم ہو گئی۔

دکن کے باغی

اسی سال بیدر 34 میں شہاب الدین نے علم بغاوت 35 بلند کیا۔ بادشاہ نے قتلغ خان کو اس کی طرف روانہ کیا۔ شہاب الدین تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ قلعے میں بند ہو گیا۔ قتلغ خان نے اسے امن کا قول نامہ دے کر قلعے پر قبضہ کر لیا اور اسے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ 746ھ/1345ء میں ظفر خان علائی کے بھانجے علی شیر نے ایک بڑا جتھا بنا کر گلبرگہ 36 پر قبضہ کر لیا، پھر اس نے بیدر کے شاہی ناظم کو قتل کر کے کافی مال واسباب جمع کر لیا۔ قتلغ خان نے علی شیر 37 کو بھی شکست دی اور وہ بھاگ کر بیدر کے قلعے میں بند ہو گیا۔ قتلغ خان نے اسے گرفتار کر کے سرگدواری میں جو ضلع شمشاد میں واقع ہے اور جہاں شاہی لشکر ان دنوں مقیم تھا، بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان قیدیوں کو پہلے تو غزنی کی طرف روانہ کرنے کا حکم دیا، پھر واپس بلوا کر ان کو قتل 38 کرا دیا۔

عین الملک کی بغاوت

747ھ/1346ء میں اودھ اور ظفر آباد 39 سے عین الملک کافی مال و اسباب اور نفیس تحفہ بادشاہ کی نذر کے لیے لے کر آیا بادشاہ نے اس نذرانے سے خوش ہو کر طے کیا کہ قتلغ خان 40 کو دکن سے بلا کر عین الملک کو اس کی جگہ بھیج دے۔ اس تجویز سے عین الملک بجائے خوش ہونے کے دور دراز کے اندیشوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا وہم اس قدر بڑھ گیا کہ ایک رات موقع پا کر سرگدواری 41 سے بھاگ کر گنگا پار کی اور اودھ چلا گیا۔ اس کا بھائی شہر اللہ شاہی لشکر کے تمام ہاتھی اور گھوڑوں کو چرائی کے لیے جنگل میں چھوڑ آیا تھا۔ بادشاہ نے عین الملک کی سرکوبی کے ارادے سے کوچ کیا اور قنوج پہنچا۔ عین الملک کو

اس کے بھائیوں اور ملک فیروز نائب باربک کے آدمیوں نے جو شاہی لشکر کے ہاتھی گھوڑوں کی رکھوالی اور چرائی پر مقرر تھے۔ بادشاہ کے خلاف بہکایا اور مقابلے پر آمادہ کیا۔ عین الملک نے گنگا میں داخل ہو کر صف آرائی کر لی۔ لیکن بڑی غلطی یہ کی کہ ڈاکوؤں اور گنواروں کے طریقے پر پیادہ ہو کر حملہ کیا۔ بادشاہ کے ہاتھی سواروں اور تیراندازوں نے گھیر کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ چنانچہ وہ جلد ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے دو بھائی جس میں سے ایک کا نام شہر اللہ تھا اور اس کے دوسرے بہت سے حامی اور سردار گنگا میں ڈوب کر مر گئے اور جو تیر کر بمشکل پار پہنچے ان کو جاٹوں اور گنواروں نے لوٹ لیا اور ہلاک کر دیا۔ اس افراتفری میں عین الملک بھی پکڑا گیا اور اسے اس حال میں چار پائی پر برہنہ جسم باندھ دیا گیا اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ کچھ دن بعد بادشاہ نے اس کی سابقہ خدمات کا لحاظ کر کے رہا کر دیا اور پھر مزید مہربانی اور عنایت کا اظہار کر کے دوبارہ اس کا علاقہ بھی اسے عطا کر دیا۔ اس بغاوت 42 کے ختم ہونے کے بعد بادشاہ سرگرداری سے دہلی واپس آ گیا۔ بادشاہ نے دولت آباد سے قتلغ خان کو واپس بلا لیا۔ قتلغ خان نے سارے دکن کو بخوبی سنبھال رکھا تھا۔ اس کے وہاں سے ہٹتے ہی دکن میں طرح طرح کے فتنے ازسرنو اٹھ کھڑے ہوئے۔

صدہ کے امرا کی سرکشی

سلطان نے عزیز خمار کو جو ایک کمینہ اور پست فطرت آدمی تھا مالوے کی حکومت پر متعین کر دیا۔ اس نے بادشاہ کے اشارے سے اکثر امرائے صدہ یعنی یوزباشی 43 کے امیروں کو قتل کر ڈالا۔ جس کی وجہ سے مالوے میں بڑے فتنے پیدا ہو گئے۔ اس قتل کا حال سن کر 748ھ/1347ء میں گجرات کے امرائے صدہ بھی بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان امیروں نے خواجہ جہان کے غلام مقبل نامی پر جو گجرات میں وزیر کا نائب مقرر ہوا تھا اور کافی خزانہ لے کر سلطان کے پاس جا رہا تھا۔ تمام شاہی خزانہ، مال و اسباب گھوڑے وغیرہ لوٹ لیے۔ اس بغاوت کو دبانے کے لیے خود بادشاہ کو گجرات جانا پڑا۔ بادشاہ نے ملک علی

سرجان دار اور احمد لاچین کو بعض دوسرے امیروں کے ساتھ دولت آباد روانہ کیا تا کہ وہاں جا کر یہ لوگ دکن کے باغی امرائے صدہ کو گرفتار کر لیں۔ جب احمد لاچین مانک گنج کی گھاٹی میں پہنچا تو اسے امیران صدہ نے قتل کر ڈالا۔ عزیز خمار ان باغی امیروں کی سرکوبی کے لیے گجرات سے دیوہری اور بڑودہ 44؎ کی طرف گیا تھا لیکن وہ بھی مقابلہ کرتے کرتے گرفتار ہو گیا۔ ان ناکامیوں اور امیران صدہ کی خودسری کی خبریں سن کر بادشاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر ملک بھر میں عام ہو گئی تو ہر مقام کے امیر باغی بن بیٹھے سب نے اپنے اپنے گروہ بنا کر بادشاہ کی کھلے عام مخالفت شروع کر دی۔

دولت آباد پر حملہ

ان باغی امیروں نے ملک عالم کے کارندوں سے دولت آباد کا قلعہ بھی چھین لیا اور اسماعیل فتح خان نامی ایک امیر کو سلطان ناصر الدین 45؎ کا خطاب دے کر بادشاہ بنا لیا۔ دیوہری اور بڑودہ کے امیران صدہ پر بادشاہ نے خود چڑھائی کی۔ وہ بھی شکست کھا کر دولت آباد آ گئے۔ اس طرح دولت آباد باغیوں اور سرکشوں کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ سلطان نے پوری تیاری کے ساتھ دولت آباد پر حملہ کیا۔ اسماعیل مذکور نے شاہی لشکر کا تھوڑا بہت مقابلہ کیا، آخر شکست کھا کر اس نے وہارانگر یعنی دولت آباد کے قلعے میں پناہ لی۔ اس فتنے میں بھی ہزاروں مسلمان دولت آباد میں قتل وقید ہوئے۔ کچھ صدہ امرائے صدہ بیدر کی طرف بھاگ نکلے۔ بادشاہ نے عماد الملک سرتیز کو ان کے تعاقب پر مقرر کیا ابھی بادشاہ ان باغیوں کی سرکوبی میں مصروف تھا کہ گجرات میں غدر ہو جانے کی خبریں ملیں۔ معلوم ہوا کہ ملک طغی نے گجرات کے حاکم ملک مظفر کو قتل کر دیا ہے اور تمام گھوڑوں اور مال واسباب پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان تشویشناک خبروں کے ملتے ہی بادشاہ نے ملک جوہر اور خداوند زادہ، قوام الدین اور شیخ برہان بلگرامی کو وہارانگر چھوڑا اور خود تلنگانہ 46؎ سے گجرات چلا گیا۔

حسن کانکو بہمنی

بادشاہ کے جاتے ہی تمام امیران صدہ جو دولت آباد سے بھاگ گئے تھے، پھر اکھٹے ہو گئے۔ عماد الملک سرتیز سے مقابلہ کر کے اسے قتل کر دیا اور دولت آباد پر حملہ کر دیا۔ ملک جوہر اور قوام الدین وغیرہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے اور شہر خالی کر کے بھاگ گئے۔ حسن کانکو جو تمام امیران کا سردار اور اس بغاوت کا سرغنہ تھا شہر پر قبضہ کر لیا اور اسمٰعیل فتح کو علاحدہ کر کے خود سلطان علاء الدین کے خطاب سے بادشاہ بن گیا۔ اس وقت سے دولت آباد کی سلطنت اس کے خاندان سے متعلق ہو گئی۔ تاریخ ''فتوح السلاطین'' بھی اسی کے نام پر نظم میں لکھی گئی ہے۔

محمد تغلق کی پریشانیاں

گجرات میں ملک طغی نے دو مرتبہ شاہی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا وہ قزاقوں کی طرح جگہ جگہ مارا مارا پھرتا تھا۔ بادشاہ بھی برابر اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے بادشاہ نے دہلی سے ملک فیروز کو بھی بلا لیا تھا۔ اسی سال ملک گیر نے جو ملک قبول کا بیٹا تھا، انتقال کیا۔ بادشاہ کے سارے معاملات کی سربراہی اسی کے ذمہ تھی۔ اس کی طرف سے بادشاہ نے ایک خط مصر کے خلیفہ عباسی کے پاس حاجی برقعی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ سلطان محمد عادل تغلق شاہ کے اس آخری عہد میں سارے ملک کا انتظام، احمد ایاز خواجہ جہان، ملک قبول، قوام الملک دہلی میں بیٹھ کر سرانجام دیتے تھے۔ بادشاہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سرگرداں پھر رہا تھا۔ اس وقت بغاوتوں اور فتنوں کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف کے بندوبست سے بادشاہ فارغ نہیں ہوتا تھا کہ دوسری طرف غدر برپا ہو جاتا تھا۔

محمد تغلق کی غلطیاں

سلطان محمد تغلق کے اس آخری عہد میں ملک کی جو تباہی اور بربادی ہوئی اس کی وجوہ ''تاریخ فیروز شاہی اور''مبارک شاہی'' کے مصنفوں نے تحریر کی ہیں ان تمام اسباب وجوہ کا خلاصہ یہ سات باتیں ہیں:

(1) نرمہ شرین مغل کی تباہ کن غارت گری۔

(2) دوآبہ کے وسیع علاقے میں دس گنا اور بیس گنا محصول مقرر کیا جانا، نہ صرف یہ بلکہ گاؤ شماری اور خانہ شماری کے اخراجات علاحدہ وصول کیے گئے اور غریب رعایا تنگ آکر مفسد امیروں کے جتھے میں شامل ہوگئی اور بغاوت و غارت گری کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اس طرح محصول زیادہ وصول ہونے کے بجائے کم ہوگیا اور سارے دوآبے کا علاقہ اُجڑ گیا۔

(3) ایک طویل اور تباہ کن قحط پڑا جو سات سال جاری رہا۔

(4) بادشاہ نے دہلی کو برباد کر کے دولت آباد بسانا چاہا اور جب ساری دہلی اُجڑ گئی تو اس میں گردونواح کے گنواروں کو لا کر بسایا گیا۔ پھر انھیں بھی جبراً دولت آباد ہانک دیا گیا اس جلا وطنی سے دہلی والوں کا سارا مال ومتاع تلف ہوگیا اور وہ ساز وسامان پھر نصیب نہ ہوسکا۔

(5) ہمالیہ پہاڑ کی مہم میں اسی ہزار کا سنوارا سجایا اور تمام جنگی امور سے آراستہ وپیراستہ لشکر تمام کا تمام تباہ و برباد ہوگیا۔

(6) لوگوں کو بادشاہ کی خون ریزی کے شوق کی وجہ سے اپنی اپنی جانوں کا بڑا ڈر ہو گیا تھا۔ مجبور ہوکر انھوں نے سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کی۔ ان فتنوں میں بہت سے بے قصور لوگ مارے گئے اور شاہی کارندوں نے اکثر جھوٹی تہمتیں لگا لگا کر انھیں اور ان کے خاندانوں کو قتل کرادیا۔ غرض ہر طرح سے مخلوق تباہ اور شہر ویران ہونے لگے۔

(7) بادشاہ کو قتل اور خون ریزی کا کچھ ایسا جنونی شوق تھا کہ اس نے سیدوں، عالموں، مشائخوں، شریفوں، کمینوں، پیشہ وروں، تاجروں، کسانوں اور سپاہیوں غرض ہر طبقے

اور ہر گروہ کے بے شمار آدمیوں کو بے تامل قتل کرادیا۔ چنانچہ اس کے دروازے پر عموماً لاشوں کے انبار لگے رہتے تھے۔ جلاد مارتے اور بھنگی اٹھاتے اٹھاتے عاجز ہو گئے تھے۔ مگر نہ رعایا فساد سے باز آتی تھی اور نہ بادشاہ خون ریزی سے، آخر اس کثرت سے فتنے برپا ہوئے کہ بادشاہ عاجز آ گیا۔ اسے ان بغاوتوں کی وجہ سے اتنے سفر کرنے پڑے کہ دم بھر کے لیے چین لینا حرام ہوگیا۔ لیکن اس بندہ خدا نے تلوار نیام میں نہ ڈالی، حالانکہ اس خون ریزی سے کسی فائدے کے بجائے روز خرابیاں بڑھتی جارہی تھیں۔

خونی شاہ

سلطان محمد تغلق کو غالباً سزائیں دینے میں خاصا لطف ملتا تھا،48 جسے اس نے اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ سزائیں دیا کرتا تھا۔ اس کی عدالت میں چار مفتی علاحدہ علاحدہ مقرر تھے جب کوئی شامت کا مارا کسی جرم میں پکڑا ہوا آتا تو بادشاہ اس کی سزا دینے کا ارادہ کر کے ان مفتیوں سے باقاعدہ بحث کرتا، مفتیوں کو یہ تاکید بھی کر رکھی تھی کہ تم سچ کہنے میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرنا، اگر کوئی ناحق مارا گیا تو اس کا ذمہ تمہاری گردن پر ہوگا۔ ان مفتیوں سے جی بھر کر جرح اور بحث کرنے کے بعد انھیں قائل کرتا اور خواہ آدھی رات ہی کا وقت کیوں نہ ہو مجرم کو قتل کرا کر ہی دم لیتا، صبح تک انتظار کرنا اس کے لیے دوبھر ہو جاتا تھا۔ اگر مفتیوں کی کسی پر زور دلیل سے خود اسے قائل ہو جانا پڑتا تو مقدمہ کو دوسرے وقت کے لیے ملتوی کر دیتا، پھر فرصت میں مفتیوں کے دلایل کے جوابات سوچ کر ان سے دوبارہ بحث کرتا۔ اس بحث میں مفتی اور قاضی لاجواب ہو جاتے تو اسی وقت مجرم کو قتل کروادیتا اور اگر اس بار بھی خود اسے بحث میں ناکامی ہوتی تو چاروناچار مجرم کی جان بخشی پر راضی ہو جاتا۔

شیخ زادہ جام 49؎ کی حق گوئی

ایک دفعہ بادشاہ قاضی کمال الدین صدر جہان کی عدالت میں پیدل اور ننگے پیر چلا گیا اور فریاد کی کہ شیخ زادہ جام نے مجھ کو ظالم کہا ہے اس کو طلب کرو تا کہ وہ میرا ظلم ثابت کرے، اگر نہ کر سکے تو اس پر تم حد شرعی جاری کرو۔ عدالت کے حکم سے شیخ زادہ موصوف حاضر ہوئے اور اعلانیہ اقرار کیا کہ ''میں بے خوف و خطر اور شک کے تم کو ظالم کہتا ہوں۔ بادشاہ نے سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ''جس کسی کو تم حق یا ناحق سزا دیتے ہو اس کے اہل وعیال کا کیا قصور ہوتا ہے کہ ان کو بھی جلاد کے حوالے کر دیتے ہو، یہ کون سے مذہب و ملت میں جائز ہے''؟ یہ سن کر بادشاہ لاجواب ہو گیا اور اپنا سا منہ لے کر عدالت سے اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن ظالم نے اس حق گو بیباک شیخ زادہ کو لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا۔ جب دولت آباد گیا تو اس مظلوم مرد خدا کا پنجرہ بھی ہاتھی پر رکھا ہوا ہمراہ تھا۔ دولت آباد سے لوٹ کر دہلی آیا تو اس خونی سلطان نے دار القضا کے آگے پنجرہ کھلوایا اور شیخ زادہ کو باہر نکال کر اپنے سامنے اس کے دو ٹکڑے کروا دیے۔

ٹھٹھہ پر چڑھائی

جب سلطان محمد تغلق کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو ملک کے نظم ونسق اور امور مملکت میں بڑا خلل اور انتشار پیدا ہو گیا اور وہ اپنی پوری سعی و جہد کے باوجود ان فتنوں کا کسی صورت میں تدارک نہ کر سکا۔ اپنی اس بے بسی اور لاچاری پر اس قدر رنج وغم ہوا کہ آخر کار اس غم نے تپ دق کی صورت اختیار کر لی۔ اسی حالت مرگ میں بادشاہ نے آخری کوشش کی اور ٹھٹھہ پر جہاں ملک طغی نے پناہ لے رکھی تھی یورش کی۔ خوش قسمتی سے اسی موقعے پر شاہ خراسان 50؎ کے نائب قرغن نے التون بہادر کی سرکردگی میں پانچ ہزار سوار اس کی مدد کے لیے روانہ کیے۔ اس بروقت امداد سے بادشاہ کو بڑی خوشی اور ایک گونہ اطمینان ہو گیا جس سے اس کے مرض میں بھی قدرتی طور پر کچھ کمی ہو گئی۔

محمد تغلق کی وفات

غرض جب وہ لاؤ لشکر لے کر ٹھٹھہ میں داخل ہوا تو عاشورہ کے دن اس نے روزہ رکھا۔ ان دنوں گرمی کافی شدت سے پڑ رہی تھی، اس پر یہ حرکت کی کہ افطار میں مچھلی کھالی، مرض میں یکبارگی شدت آگئی جو اس کی جان ہی لے گئی۔ سلطان محمد عادل شاہ تغلق نے 21 محرم 752ھ/ 1351ء میں ٹھٹھہ میں انتقال کیا اور ہندستان کی رعایا کو اس کے خونی پنجے سے رہائی ملی۔ اس کے زمانے کے مشہور شاعروں میں بدر چاچ گزرا ہے جس نے اس کے نام پر تیس ہزار اشعار کا شاہنامہ نظم کیا ہے۔

حواشی

1. فرشتہ نے شوال 716ھ/1316ء لکھا ہے اور یہ سن صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ علاء الدین کی وفات 716ھ/1316ء میں ہوئی تھی اور دوسرے ہی دن ملک کافور نے شہاب الدین کو تخت پر بیٹھایا تھا۔

2. یہ سن بھی غلط معلوم ہوتا ہے۔ 716ھ/1316ء میں وہ بادشاہ بنا تھا وہ اس سن میں کیسے مارا گیا؟

3. امیر خسرو نے مثنوی ''نہ سپہر'' میں تخت نشینی کا سن نظم کیا ہے:

سنہ شانزدہ بعد ہفتصد شدہ
کہ سلطان بہ تخت زبرجد شدہ

4. یہ گجرات کی ایک ادنیٰ قوم ہے جو خدمت گزاری اور معمولی کاموں پر بسر اوقات کرتی تھی۔ یہ نام ''بردار'' ''براؤ'' ''بردار'' تینوں طرح لکھا گیا ہے۔

5. امیر خسرو نے اس واقعہ پر جو مثنوی لکھی ہے اس کے چند شعر یہ ہیں:

کہ چون مبارک شاہ بی مہر
زتلخی گشت بر خویشان ترش چہر
نہان سوی خضر خان کس فرستاد
نموداری بعذر ازدل برون داد
دول رانی کہ در پیشت کنیز است
کنیز ارمہ بود ہم سہل چیز است
دول رانی کہ با فرخندگی بود
خضر خان را ز لال زندگی بود
بر آمد جان عاشق خون نشانان
ولی می گشت گردا گرد جانان
گلی کزوی چکیدی قطرہ خوئی
فشاندی خون صد روی بروئی
بجای آب ازان گل خون کشیدند
نگہ کن تا گلابش چون کشیدند

6۔ امیر خسرو نے مثنوی ''خضر خان اور دیول رانی'' میں اس قتل کا سبب اس طرح بیان کیا ہے کہ مبارک شاہ نے خضر خان کو پیغام بھیجا کہ میں تجھے علاقے کا حاکم بنا دونگا اگر تم دیول رانی کو میرے پاس بھیج دو لیکن خضر خان نے انکار کر دیا:

چو با من ہمسر است این یار جانی
سرِ من دور کن زان پس بدانی

بادشاہ اس جواب پر ناراض ہو گیا:

بہ تندی سر سلاحی راطلب کرد
کہ باید صد کردہ امر وز شب کرد
او اندر کالیور این دم نہ بس دیر
سرِ شیران ملک افگن بہ شمشیر

فرشتہ اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے: ''شادی کتھ سردار سلاح داران کو گوالیار بھیجا کہ وہ خضر خان اور شادی خان کو قتل کردے اور ان کے اہل وعیال کو دہلی لے آئے۔ سلطان قطب الدین نے دیول رانی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ضیاء الدین برنی بھی ''تاریخ فیروز شاہی''میں اس شخص کا نام جسے قطب الدین نے ان دونوں بھائیوں کے قتل کے لیے گوالیار بھیجا تھا شادی خان کتھ سر سلاح داراں ہی لکھتا ہے۔

7 گوالیار کا قلعہ 342 فٹ بلند ایک پہاڑی پر واقع ہے، ڈیڑھ میل لمبا اور تین سو گز چوڑا ہے۔ دروازے پر ہاتھی کی مورت کھڑی ہے۔ اس دروازے کو ہاتھی پول بھی کہتے ہیں۔ قلعۂ گوالیار کی مشرقی جانب پہاڑی کے نیچے شیخ محمد غوث گوالیاری کی خانقاہ قابل دید عمارت ہے۔ راج محل راجہ مان سنگھ نے 1486ء -1516ء میں بنوایا تھا۔ محققین جناب ہنٹر اور ولفورڈ صاحب کی تحقیق کی بنا پر گوالیار کا قلعہ راجہ سورسین نے 773ء میں بنوایا تھا۔ 1023ء میں محمود غزنوی نے اس پر حملہ کیا تھا۔ 1199ء میں محمد غوری نے اسے فتح کیا۔ 1211ء میں شاہان دہلی کے قبضے سے نکل گیا۔ 1231ء میں شمس الدین التتمش نے اسے فتح کیا۔ اکبر کے زمانے میں یہ امراء اور شاہزادوں کے لیے قید خانہ بنادیا گیا۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق اس کے زمانے میں بھی اس قلعے کا استعمال بطور قید خانہ ہی ہوتا تھا۔ بابر نے بھی ہتیا پول کا ذکر اپنی توزک میں کیا ہے۔ ابوریحان بیرونی نے بھی گوالیار کے قلعے کا ذکر کیا ہے۔ قلعے کے اندر ایک تالاب سورج

کنڈ نامی ہے، کہتے ہیں 300ء میں راجہ بسواپتی نے سورج کے ایک مندر کے ساتھ بنوایا تھا۔ مغربی جانب ڈھونڈہ دروازے کے مقابل قلعے کی حد سے باہر نکلا ہوا وہ تاریخی قید خانہ ہے جس میں امراء اور شاہزادے قید رہتے تھے، ''اس کو نوچوکی'' کہتے تھے۔ تان سین مشہور موسیقار کا مقبرہ بھی اسی قلعے میں ہے نیز اس میں ایک خوبصورت مسجد ہے جو عالمگیری دروازے کے پاس ہے معتمد خان کی بنوائی ہوئی ہے۔ کرنل سلیمن لکھتا ہے ''یہ مسجد ایسی خوبصورت ہے گویا اس پر سے آج ہی معمار اترے ہیں۔''

8 ملی، پہاڑ کو کہتے ہیں اور بار کے معنی ملک کے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسے ''کرالہ'' کہتے تھے۔ فی الوقت اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ 827ء میں اس علاقے کے راجہ چیرامن پیرومل نے اسلام قبول کیا اور وہ ہجرت کر کے عرب کے ساحل طفار چلا گیا تھا۔ وہاں 831ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس کی قبر طفار میں ہے۔ اس نے ہجرت سے قبل اپنے ملک کو اپنے سرداروں کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ فرشتہ نے لکھا ہے: ''عراق عرب کے کچھ درویش باوا آدم کے قدم کی زیارت کے لیے سراندیپ (سری لنکا) گئے، راستے میں سامری کے دار الخلافہ کر نگلور میں قیام کیا۔ راجہ نے پیغمبر اسلام کے معجزے ان سے سنے اور شق القمر کے متعلق اپنے پستک نویسوں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ ایک دفعہ چاند کے دو ٹکرے ہونے کا واقعہ ان کی پستک (کتاب) میں درج ہے۔ اس تصدیق سے وہ ایمان لے آیا، بعد میں وہ انہی زائرین کے ساتھ پوشیدہ طریقے پر جہاز میں سوار ہوگیا۔ حضر موت کے بندر شہر میں چلا گیا اور وہیں مرگیا۔ مرنے سے پہلے اس نے مالک بن دینار کے ذریعے اپنے مقرر کردہ راجاؤں کے پاس وصیت بھیجی کہ عرب تاجروں کو مسجد، سرائے، مکان بنانے کی اجازت دی جائے۔ مالک بن دینار نے راجاؤں کی اجازت سے کرنگا نور، کولم، ہیلی ماراوی، چرفتن، درفتن، فندرینہ، چالیات، وناکنور اور بنگلور میں نو مسجدیں بنائیں۔ سرزمین ہند

میں خدا کے یہ پہلے گھر تھے جن کے ذریعے اس ساحلی علاقے میں اسلام پھیلا۔

9. فرشتہ نے فرار کا وقت رات کے بجائے دوپہر لکھا ہے۔ابن بطوطہ بھی دن کا وقت ہی بتلاتا ہے۔

10۔ اچھ۔اوچھ۔اچہ۔اب یہ پاکستان کے بہاول پور ضلعے میں واقع ہے۔ یہاں سے ملتان کا فاصلہ 70 میل ہے۔ کنگھم صاحب کا خیال ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم نے بسایا تھا۔ناصر الدین قباچہ کے وقت یہ شہر سندھ کا دار الخلافہ تھا۔ بخاری اور گیلانی سادات کی سکونت اسی جگہ رہی۔ سید جلال الدین بخاری اور مخدوم جہانیان کے مزار اسی شہر میں ہیں۔

11. سرستی۔ قدیم تاریخوں میں سرسہ کا نام سرستی لکھا ہے۔ آئین اکبری میں سرسہ ہے۔ یہ شہر دریائے سرسوتی کے کنارے واقع تھا اور اس کے نام سے منسوب تھا۔ پرانا شہر 726ء کے قحط میں برباد ہوگیا۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے چاولوں کی بڑی تعریف کی ہے۔اس وقت شاید چاول اچھا اور بکثرت ہوتا تھا۔

12. بیاس ندی کے قریب اور پاکستان کے پٹن سے 28 میل مشرق کی جانب یہ شہر تھا۔ کنگھم صاحب کی تحقیق کے مطابق اس شہر کو راجہ دیو پال نے آباد کیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے یہاں ایک نہر بنوائی تھی۔ غلاموں اور خلجیوں کے وقت میں یہ شہر پنجاب کا دار الخلافہ تھا۔ چونکہ یہ لاہور اور ملتان کے درمیان واقع تھا اس لیے سیاسی نقطہ نظر سے اور خصوصاً تیموری اور چنگیز خانی حملوں کی روک تھام کے لیے اس کی بڑی اہمیت تھی، یہاں سے دونوں سمتوں کی حکمرانی کا اچھا انتظام ہوتا تھا۔ تیمور کے حملے کے وقت ملتان کے مشابہ شہر تھا۔ بابر کے وقت لاہور کے مشابہ شہر تھا۔

13. ابن بطوطہ اپنی تصنیف میں اس کا نام کشلو خان لکھتا ہے۔لیکن یہ کشلو خان اس کا خطاب تھا نام نہیں۔

14. تھانیسر قدیم آریاؤں کا پہلا پڑاؤ ہے۔ اسی شہر سے ہندو مذہب اور تہذیب نے

جنم لیا۔ یہاں پر ہندوؤں کی پرانی زیارت گاہ ہے 1014ء میں سلطان محمود غزنوی نے اس شہر پر حملہ کیا۔ یہاں کی دلچسپ عمارت شیخ چلی کا مقبرہ ہے، جواکبر کے عہد کا بنا ہوا ہے۔ تھانیسر ہندوؤں کے مقدس تالاب پچھیتر کی وجہ سے مشہور ہے یہاں ہندو مذہب کے لوگ غسل کرنے آتے ہیں۔ مہابھارت کی مشہور تاریخی جنگ بھی اسی شہر کے نواح میں ہوتی تھی، ہندوؤں کے نزدیک یہ شہر نہایت ہے۔

15۔ وہار۔ بحوالہ آئین اکبری، وہار راجہ بھوج کا پایہ تخت تھا، پوار راجاؤں کا پہلا دار الخلافہ اجین تھا، بھوج نے وہار کو اپنا دار السلطنت بنا لیا تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں مالوہ کا دار الخلافہ اول وہار ہی تھا بعد میں مانڈو (مندو) مقرر ہوا۔

16۔ ابن بطوطہ کے مطابق اس وقت خسرو خان کا لشکر مال غنیمت لوٹنے میں مصروف تھا۔

17۔ ابن بطوطہ کے مطابق: خسرو خان پیش ہوا تو اس نے کھانا مانگا اسے کھانا کھلایا گیا۔ پھر اس نے کہا مجھے رسوانہ کرو اور میرے ساتھ شاہانہ سلوک کرو۔ غازی الملک نے اسی جگہ جہاں قطب الدین قتل ہوا تھا، لے جا کر اسے قتل کرا دیا اور اس کی لاش چھت سے نیچے پھنکوا دی۔

18۔ ابن بطوطہ کے مطابق ''تغلق'' قوم سے ترک قرونہ تھا۔ یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ مارکو پولو نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے: ''قرونہ ان کو کہتے ہیں جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندستانی ہوں، ان کا پیشہ لوٹ مار اور قزاقی (رہزنی) ہے۔ دوسری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے پہلے قرونہ کا طومان (دس ہزار کا دستہ) مغلوں کے لشکر کے ساتھ رہا کرتا تھا بعد میں انھوں نے رہزنی کے پیشے کو اپنا لیا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے: میں نے بادشاہ تغلق کے نسب کی بابت لاہور اور دوسرے شہروں میں ہر چند تحقیقات کیں مگر کچھ پتہ نہ چلا ''نوادر المعانی'' میں تغلق اور قتلغ کے معنی ''اوسط'' ''اور درمیانہ'' لکھے ہیں۔

19۔ چندیری۔ یہ شہر بیتوا ندی کے کنارے تھا اب ایک گاؤں رہ گیا ہے۔ پہاڑی پر

ایک سنگین قلعہ اب بھی موجود ہے۔ بابر نے اس قلعے کا مفصل بیان اپنی توزک میں اور ابوالفضل نے آئین اکبری میں کیا ہے۔ ان کتابوں کی روشنی میں اس شہر میں چودہ ہزار سنگین مکان، تین سو چوراسی بازار، تین سو ساٹھ سرائیں اور بارہ ہزار مسجدیں تھیں۔ اس تعداد میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مندر اس قدر بڑا تھا کہ نقارہ بجنے کی آواز اس مندر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ بابر لکھتا ہے میں نے اس قلعے کو تین گھڑی میں فتح کر لیا تھا۔

20ے عہد غیاث الدین تغلق کا ایک مشہور فارسی شاعر ہے۔

21ے لکھنوتی۔ قدیم گوڑ کا نام تھا۔ یہ بنگال کے ہندو راجاؤں کا دارالسلطنت تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شہر کا نام لکشمن وتی یعنی لکھنوتی اور علاقہ کا نام گوڑ بنگالہ تھا۔ 1204ء میں جب مسلمانوں نے بنگال کو فتح کیا تو اپنا دار الحکومت اسی کو بنایا۔ فیروز شاہ تغلق نے 751ھ/1351ء میں لکھنوئی پر حملہ کیا تو اس کا نام فیروز آباد رکھا۔ جب گنگا کی وہ شاخ خشک ہوگئی جس پر یہ شہر آباد تھا تو دلدل کی وجہ سے شہر کی آب وہوا بگڑ گئی۔ اس وقت سے بنگال کے بادشاہوں کا پایہ تخت تبدیل ہوگیا۔ 1537ء میں شیر شاہ نے اس شہر کو لوٹا۔ 1575ء میں منعم خان خان خانان اکبر کے سپہ سالار نے یہاں حملہ کیا تھا۔ آب وہوا کی خرابی سے اس کے لشکر میں وبا پھیل گئی اور خان خانان بھی مر گیا۔ کہتے ہیں اس کے بعد سے گوڑ بالکل ہی اُجڑ گیا۔ ابوالفضل کی تصنیف آئین اکبری سے بھی تائید ہوتی ہے کہ جب شاہ شجاع نے راج محل کو بنگالہ کا دار الخلافہ بنایا تو گوڑ ویران ہوگیا اور پھر آباد نہ ہو سکا۔

22ے سنارگاؤں۔ یہ شہر زمانہ قدیم سے ہندو راجاؤں کا دار الخلافہ رہا ہے۔ مسلم تاریخ میں اس کا ذکر پہلی بار مغیث الدین طغرل کے ذکر میں ملتا ہے کہ جب اس نے بلبن سے بغاوت کی تو وہ بھاگ کر سنارگاؤں چلا گیا۔ یہ علاقہ لکھنوتی سے کافی دور تھا۔ برسات میں آئے سیلاب کی سبب وہاں جانا دشوار ہو جاتا تھا۔ اس لیے

یہاں کے حاکم شاہان دہلی اور شاہان بنگالہ سے باغی ہو جاتے تھے۔ ابن بطوطہ بھی سنار گاؤں گیا تھا، اس نے وہاں کے باغی فخر الدین عرف فخرو کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ شہر بسایا گیا تھا تو دریائے برہم تپر اور میگنا کے درمیان تھا۔ انگریز مورخین نے یہاں کی روئی سارے ہندستان میں تیار ہونے والی روئی سے بہتر بتائی ہے۔ ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں اس کی تعریف کی ہے۔ یہاں کا آم بے حد مشہور ہے۔

23 بدایونی کے الفاظ میں ''یہ محل غیر ضروری طور پر تعمیر ہوا تھا جس سے عوام میں یہ خدشہ پیدا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ یہی رائے ابوالفضل اور مصنف طبقات ناصری کی بھی ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہ محل الغ خان نے اپنی خواہش سے نہیں بلکہ بادشاہ کے حکم سے بنوایا تھا۔ آگے وہ لکھتا ہے کہ اس محل کی بنیاد لکڑی کے ستونوں پر اس طرح رکھی گئی تھی کہ اگر اس کے ایک خاص مقام پر ہاتھی کھڑا کیا جائے تو تمام مکان گر پڑے۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سب لوگ باہر نکل آئے محل میں صرف بادشاہ اور اس کا پیارا شہزادہ محمود رہ گیا۔ اس وقت ہاتھی کو خاص مقام پر لایا گیا۔ ہاتھی کا وہاں پہنچنا تھا کہ سارا مکان دھمکانے سے بادشاہ اور شہزادہ کے سر پر گر پڑا۔ جونا خان نے ملبہ ہٹانے میں تاخیر سے کام لیا۔ جب ملبہ کھودا گیا تو بادشاہ اپنے بیٹے پر جھکا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا اس کو بچانے کے لیے اس کو اٹھانا چاہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت زندہ تھا مگر اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ابن بطوطہ 'پر اسرار محل کے معمار کا نام احمد بن ایاز لکھتا ہے جو بادشاہ کا امیر امارت تھا اور محمد تغلق شاہ (الغ خان) نے اپنے عہد میں اسے خواجہ جہان کا لقب عطا کیا تھا۔ فرشتہ اس روایت کو کہ مکان ارادتاً اس قسم کا بنایا گیا تھا تسلیم نہیں کرتا اور وہ ''تاریخ حاجی محمد قندھاری'' کی اس روایت کو کہ بجلی گری اور مکان گر پڑا، کو ترجیح دیتا ہے۔ ضیاء الدین برنی نے بھی تاریخ فیروز شاہی میں یہی لکھا ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کے راوی شیخ رکن الدین،

ملتانی ہیں وہ اس واقعے کے وقت تغلق کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے خود ابن بطوطہ سے بیان کیا کہ وہ عصر کے لیے محل سے نکل آئے اور جب شور سنا تو نماز پڑھے بغیر چلے آئے۔ان شیخ کا بھی یہی خیال ہے کہ مکان ایسی صنعت سے بنایا گیا تھا کہ جس وقت ہاتھی اس مکان پر چڑھے تو وہ فوراً گر پڑے۔

24 گرشاسپ۔ ابن بطوطہ اس کا پورا نام بہاؤالدین گشتاسپ لکھتا ہے۔ یہ سلطان تغلق کا بھانجا تھا۔ اس نے تغلق کے مرنے کے بعد محمد عادل کی بیعت قبول نہیں کی۔ جب خواجہ جہان نے شکست دی تو یہ رائے کمبیلہ (بیجانگر) کے پاس بھاگ گیا۔ شاہی لشکر نے کمبیلہ کا محاصرہ کر لیا اور جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی تو اس نے گرشاسپ کو ایک اور راجہ کے پاس بھیج دیا۔ مندرجہ بالا سارا بیان ابن بطوطہ کے سفر نامے سے ماخوذ ہے۔فرشتہ کا بیان ہے کہ بہاؤ الدین گرشاسپ بادشاہ کا عم زاد بھائی تھا اور ساگر کا صوبہ دار تھا۔ ضیاء الدین برنی نے اس بغاوت کا ذکر تک نہیں کیا البتہ وہ بہاؤالدین کو تغلق شاہ کی بہن کا لڑکا بتاتا ہے یہی ابن بطوطہ بھی لکھتا ہے۔

25 ابن بطوطہ نے اس کو شاہ افغان لکھا ہے۔ بدایونی اور فرشتہ اس کو شاہو افغان لکھتے ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے'' جب وہ دشوار گزار پہاڑوں پر بھاگ گیا تو بادشاہ نے غصے میں اپنے اہلکاروں کو لکھا کہ جہاں کہیں کوئی پٹھان ہو پکڑ لیا جائے، اور یہی قاضی جلال الدین کی بغاوت کا سبب ہوا۔ فرشتہ نے اس بغاوت کا زمانہ 744ھ/ 1343ء میں سلطان کی دکن سے واپسی اور گجرات میں بیمار ہونا بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ خبر سن کر پٹن سے پالکی میں سوار ہو کر بیماری کی حالت میں چلا آیا۔ ابن بطوطہ اس کو سب بغاوتوں کے آخر میں بیان کرتا ہے ۔غرض شاہو افغان کی یہی وہ بغاوت ہے جس کی وجہ سے گجرات اور دکن کے امیران صدی جو عموماً افغان تھے باغی اور منحرف ہو گئے اور اس کا سلسلہ دکن میں حسن کانکولی کی بہمنی سلطنت کے قیام پر جا کر ختم ہوا۔

26ے لاہور۔ زمانہ قدیم سے لاہور راجپوت فرمانرواؤں کی راجدھانی تھا۔ مسلمان چوتھی صدی ہجری کے آخر میں یہاں آئے جبکہ سلطان محمود غزنوی نے پنجاب پر حملہ کیا تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں اس کی اولاد میں سے خسرو شاہ نے پنجاب پر قبضہ کر کے لاہور کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ اس کے بیٹے خسرو ملک تک غزنوی خاندان کی حکومت رہی۔ سندھ کے بعد یہ پہلا شہر ہے جہاں اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی۔ غوریوں کے عہد میں دہلی کے دار الخلافہ ہو جانے سے لاہور کی رونق ماند پڑ گئی۔

27ے دوآبہ۔ گنگا اور جمنا کے درمیان واقع وہ زرخیز علاقہ جہاں فصلیں اگائی جاتی تھیں اور یہ علاقہ آمدنی کے اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل تھا۔

28ے دہلی کی بربادی۔ یہ حکم 729ھ/ 1328ء میں دیا گیا اس سے پہلے 727ھ/1326ء میں جو منتقلی ہوئی تھی اس میں زبردستی نہیں کی گئی لیکن اس مرتبہ جبراً اور حکماً لوگوں کو دہلی سے نکالا گیا۔ فرشتہ نے بھی یہی واقعات لکھے ہیں۔ ضیاء الدین برنی بھی دہلی کو خالی کرانے کا یہی سبب بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے دولت آباد کو اپنی سلطنت کا وسط سمجھ کر اسے دار الخلافہ بنانا چاہا تھا۔ ابن بطوطہ جو ان واقعات کے کچھ عرصے بعد ہی دہلی پہنچا تھا اس نے کچھ اور سبب لکھا ہے۔ لوگ رقعہ لکھ لکھ کر ان پر مہر لگاتے تھے اور لفافہ پر لکھتے تھے کہ بادشاہ کے سر کی قسم ہے کہ سوائے بادشاہ کے کوئی اور نہ کھولے اور یہ رقعہ رات کو دیوان خانے میں ڈال جایا کرتے تھے۔ جب بادشاہ اس کو کھولتا تھا تو اس کے نام گالیاں درج ہوتی تھیں۔ اس لیے بادشاہ نے دہلی کو اجاڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ آگے لکھتا ہے کہ ایک معتبر راوی نے مجھ سے ذکر کیا کہ بادشاہ ایک رات اپنے محل کی چھت پر چڑھا اور شہر کی طرف دیکھا تو اس کو آگ، دُھواں یا چراغ کچھ نظر نہ آیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اب میرا دل ٹھنڈا ہوا۔ یہ سبب کسی اور مورخ نے نہیں لکھا ہے۔ ممکن ہے کچھ یہ بھی وجہ ہو لیکن اصل سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ

جنوب اور شمال دونوں کے وسط میں مرکزی مقام کو مستقر بنانا چاہتا تھا تا کہ شمال کے حملہ آوروں سے دارالسلطنت محفوظ رہے مگر یہ اس کی بڑی غلطی تھی۔

29 تاریخ مبارک شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ مبارک شاہ کے وقت تغلق آباد میں تانبے کے وہ ڈھیر اینٹ پتھر کی طرح بیکار پڑے تھے۔

30 ہماچل۔قراچل۔ بقول فرشتہ قراچیل، ان سب ناموں کا ذکر موجودہ ہماچل ریاست میں موجود ہمالیہ سے لگے پہاڑ کا مسلمان مورخین نے ذکر کیا ہے۔فرشتہ بدایونی، برنی اور دوسرے مورخوں نے اس مہم کا ذکر کیا ہے لیکن کسی نے وہ مقام نہیں بتایا جہاں سے لشکر ہمالیہ میں داخل ہوا تھا۔ ہمالیہ کے راستے چین جانے کی یہ مسلمانوں کی دوسری کوشش تھی۔ اس سے قبل 603ھ/1306ء میں محمد بختیار خلجی نے آسام کے راستے سے چین جانے کی کوشش کی تھی۔

31 معبر۔عربی زبان میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔عرب دکن کے مشرقی ساحل کو معبر اور مغربی ساحل کو ملی بار کہتے تھے۔ سب سے پہلے معبر کو فتح کرنے والا علاؤالدین خلجی کا سپہ سالار ملک کافور تھا۔

32 کھوکھر۔ بدایونی نے کھوکر لکھا ہے۔ اس کے بر خلاف فرشتہ نے گھکراں لکھا ہے۔کھوکر غلط لگتا ہے کیونکہ کھوکروں کی قوم پنجاب میں کبھی اس قدر طاقتور نہیں رہی لیکن گھکروں کا زور سلطان شہاب الدین کے وقت سے اکبر بادشاہ کے عہد تک چار سو سالوں تک شمالی پنجاب میں برابر قائم رہا۔ بدایونی نے جو یہ سن 743ھ/1342ء لکھا ہے وہ بھی زیادہ صحیح نہیں کیونکہ گھکروں نے اس وقت بغاوت کی تھی جب کہ سید جلال الدین احسن شاہ کی بغاوت کو کچل دینے کے بعد بادشاہ معبر کی طرف چلا گیا تھا اس لیے اس کی بغاوت بھی 740ھ/1339ء سے پہلے ہوئی ہوگی بعد میں نہیں۔ معبر کی بغاوت 737ھ/1326-1327ء میں ہوئی تھی۔

33 کٹرہ۔ الہ آباد ضلع میں گنگا کے کنارے 24 میل پر شمال مغرب کی جانب یہ شہر

آباد تھا۔ اکبر نے جب قلعہ اکبر آباد بنایا تو یہاں سے صوبہ کا دار السلطنت منتقل ہو گیا۔

34 بیدر۔ یہ ریاست، نظام حیدر آباد کا ضلع تھا۔ بیدر برید شاہی بادشاہوں کا دار الخلافہ رہا ہے۔ محمود گاواں کا مدرسہ اور بیدر کا قلعہ مشہور مقام ہیں۔

35 ابن بطوطہ اس باغی کو تاج الملک نائب سلطان نصرت خان لکھتا ہے۔ فرشتہ نے وضاحت کی ہے رقم کی وصولی نہ ہونے پر اس نے بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا۔

36 گلبرگہ۔ یہ شہر دکن کے ہندو راجاؤں کی قدیم یادگار ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں بہمنی سلاطین کا دار السلطنت بنا۔ اس وقت یہ دکن کا سب سے زیادہ بارونق اور مرکزی شہر تھا۔

37 بدایونی نے اس باغی سردار کا نام علی شیر خواہرزادہ ظفر خان علائی لکھا ہے۔ ابن بطوطہ اسے قتلو خان کا ہمراہی بتاتا ہے اور اس کا اصل نام علی شاہ بتاتا ہے۔

38 بدایونی کے اس بیان کے بر خلاف ابن بطوطہ تحریر کرتا ہے کہ ''علی شاہ خود بھی خلاف حکم غزنی سے سندھ آیا تھا، اسے بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لے گئے تو اس نے کہا: تو میرے ملک میں پھر فساد کرنے کے لیے آیا ہے۔ پھر اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔''

39 ابو الفضل کے وقت ظفر آباد سرکار جونپور کا ایک محال تھا اسے علاؤ الدین خلجی کے وقت غالباً ظفر خان نے آباد کیا تھا۔

40 فرشتہ اور ابن بطوطہ اس کو بادشاہ کا استاد بتاتے ہیں یہ دولت آباد دکن کا صوبہ دار تھا۔ ابن بطوطہ اسے قتلو خان لکھتا ہے۔

41 سرگدواری۔ ضلع فرخ آباد کے قریب شمس آباد کے علاقے میں ایک چراگاہ تھی۔ یہاں شاہی لشکر قحط کے زمانے میں آ کر ٹھہرا تھا اور عارضی جھونپڑے بنا لیے تھے۔ اسی موضع کو سرگدواری کہتے ہیں۔

42 فرشتہ لکھتا ہے جس عرصے میں بادشاہ سرگدواری میں رہا تو چار امیروں نے

بغاوت کی 1۔ نصرت خان،2۔ علی شاہ،3۔ نظام مائیں (کڑہ)، 4۔ عین الملک (اودھ)۔

43 یوز باشی۔ ترکی لفظ ہے اور اس کی معنی سو ساتھیوں کے سردار کے ہیں۔

44 بڑودہ۔ سورت سے 81 میل پر واقع ہے۔ مہاراجہ گائیک واڑ کا دار السلطنت رہا ہے۔

45 ناصر الدین۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ دولت آباد کے باغیوں نے پہلے جس شخص کو بادشاہ بنایا وہ اسمٰعیل ہی تھا۔

46 تلنگانہ۔ نظام حیدر آباد کی ریاست دو علاقوں پر مشتمل تھی۔ ایک تلنگانہ جو جنوب مشرقی سمت تھی۔ دوسرا مرٹھواڑہ جو شمال مغربی جانب تھا۔ تلنگانہ دریائے مزبدا کے جنوب اور کرشنا کے شمال میں واقع تھا۔ قدیم کتابوں میں اس کا نام لنگا اور آندھرا درج ہے۔

47 حسن کانکو دہلی کا رہنے والا تھا۔ ایک برہمن نے اس کی خدمت گزاری سے خوش ہوکر یہ بشارت دی تھی کہ تجھے بادشاہی ملے گی اور یہ قرار لیا تھا کہ جب تو بادشاہ ہو جائے تو اپنے نام کے آخر میں میرا نام بھی شامل کرنا۔ چنانچہ کانکو بہمنی اسی شرط کی تکمیل میں اس کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ کہتے ہیں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے بھی اسے بادشاہت کی بشارت دی تھی۔ مصیبت کے دنوں میں حسن دولت آباد چلا گیا اور وہاں قتلغ خان کے پاس ملازم ہو گیا۔ جب اسمٰعیل ناصر الدین کو امرائے صدہ نے دولت آباد میں بادشاہ بنا لیا تو حسن کو ظفر خان کا خطاب اور گلبرگہ جاگیر میں ملا تھا۔ اس وقت حسن نو ہزار سپاہیوں کا سردار تھا۔ دار السلطنت گلبرگہ تھا جس کا نام اس نے حسن آباد رکھ دیا تھا۔ اس نے بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی اور یہ خاندان اس قدر ترقی کرتا گیا کہ سارا دکن بہمنی بادشاہوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس خاندان کے بیس بادشاہوں نے حکومت کی۔ اس عہد میں دکن صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن، علم و فن کا مرکز بن گیا تھا اور

شمال کی ساری رونق جنوب میں کھنچ آئی تھی۔ جس کا نکو کے زمانے کے مشہور اہل علم شیخ عین الدین بیجاپوری اور شیخ محمد سراج گورے تھے۔

48 ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں بادشاہ کی خون ریزی کو بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ ''وہ خون ریزی میں نہایت دلیر تھا، ایسا کبھی شاذ ونادر ہی ہوتا تھا کہ اس کہ دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا ہو۔ اکثر اس کے دروازے پر لاشیں پڑی رہتی تھیں، ابن بطوطہ نے اس سلسلے میں کچھ لوگوں کے نام لکھے ہیں: جن میں بادشاہ کے بھائی مسعود خان، شیخ شہاب الدین بن احمد جام خراسانی، فقیہ عفیف الدین کاشانی، شیخ رکن الدین ملتانی کے پوتے، شیخ زادہ ہود، شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین، باشندہ کویل اور کھمبایت کے شیخ حیدری کا نام ملتا ہے۔

49 بقول ابن بطوطہ: شیخ شہاب الدین احمد جام خراسانی شہر کے بڑے شیخ تھے، چودہ دنوں تک روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان تغلق ان کے معتقد تھے۔ سلطان محمد تغلق کے ساتھ ابتداء میں ان کے تعلقات بہت اچھے تھے، بادشاہ بھی بہت لحاظ کرتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ ابن بطوطہ اس کی داستان یوں بیان کرتا ہے بادشاہ نے ان کو بلایا، وہ نہیں گئے اور صاف صاف کہہ دیا ''میں ظالم بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کروں گا'' بادشاہ نے انھیں پکڑوا کر بلایا اور ظالم کہنے کی وجہ پوچھی شیخ نے دہلی شہر کے اجاڑنے کا ذکر کیا، چودہ دن تک قید رہے اور قتل کردیے گئے'' دارا شکوہ کی تصنیف سفینہ الاولیا میں لکھا ہے کہ: ''شیخ شہاب الدین احمد جام شیخ الاسلام احمد جام ژندہ پیل کی اولاد میں سے تھے اور یہ بزرگ حضرت جرید بن عبد اللہ بجلی کی اولاد میں سے تھے۔ احمد جام ژندہ پیل کے متعلق مشہور ہے کہ 22 سال بالکل امّی تھے۔ بعد میں ان پر سارے علوم کا کشف ہوا۔ ان کی تصنیفات تین سو ہیں ان کے ہاتھ پر ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ ان کی پیدائش

440ھ/1052ء میں اور وفات 536ھ/1141ء میں ہوئی۔ مشہور فارسی کے شاعر مولانا عبد الرحمٰن جامی نے انہی کی نسبت سے اپنا تخلص جامی رکھا تھا۔ ہمایوں کی بیوی اور اکبر کی ماں حمیدہ بانو بیگم انہی بزرگ احمد جام کی اولاد میں سے تھی۔

50 خراسان۔ یہ ایران کا ایک صوبہ ہے، مشہد اس کا دارالخلافہ ہے جہاں امام علی بن موسیٰ رضا کا مقبرہ ہے۔ ایک جانب کے علاقہ کو سرولایت اور دوسرے کو پائین کہتے ہیں۔ طوس۔ نیشاپور۔ سبزوار وغیرہ خراسان کے بڑے شہر ہیں۔ یہاں کے قبائل میں اعوان لو، شادلو بڑے قبیلے گزرے ہیں۔ یہ صحرانشین اور گلہ بان ہیں۔ بندوق کے نشانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ یہاں کے ایک قبیلہ افشار سے مشہور فاتح نادر شاہ کا تعلق تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق

فیروز شاہ سلطان محمد عادل کا چچا زاد بھائی تھا۔ سلطان محمد نے مرتے وقت اسے اپنا جانشین اور ولی عہد بنایا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر فیروزشاہ اسی سن یعنی 257ھ/1521ء میں ٹھٹھہ کے قریب تخت پر بیٹھا۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اس کی تخت نشینی میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی 1 اور مخدوم زادہ عباسی بغدادی کی کوششیں بھی شامل تھیں ۔عوام میں اس کا عام چرچا تھا کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے بادشاہ کی زندگی ہی میں فیروز شاہ کو برسراقتدار لانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

حضرت چراغ دہلیؒ

بادشاہ کو بھی حضرت کی کوششوں کا علم ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان پیر و مرید یعنی حضرت اور فیروز شاہ دونوں کو دہلی سے قید کر کے ہمارے لشکر میں لے آؤ۔ شاہی کارندے حسب الحکم ان دونوں کو قید کر کے لے چلے لیکن جب ہانسی 2 کے قریب پہنچے تو ملک فیروز نے محافظوں کو کسی نہ کسی طرح راضی کر کے حضرت شیخ بدر الدین نبیرہ 3 حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی خدمت میں حاضری کی مہلت لے لی۔ جب وہ ان بزرگ کی خدمت

میں پہنچا تو اسے دیکھتے ہی ان کی مبارک زبان سے یہ کلمہ نکلا ''ایک کو قید کر کے بادشاہت کے لیے لے جاتے ہیں اور خود اس کو اس کی خبر نہیں''۔ غرض جب بادشاہ کے لشکر میں یہ قیدی پہنچے تو بادشاہ نے اسی وقت ان دونوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے بعد وہ حالت نزع میں مبتلا ہو گیا۔ محافظوں نے بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا کہیں شکار پر گیا ہوا تھا اور باپ کے آخر وقت پر موجود نہ تھا۔ جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو فیروز شاہ اراکین سلطنت کی تائید و اتفاق سے تخت پر بیٹھ گیا اور بادشاہ کے بیٹے کو علاحدہ کر دیا۔ جب فیروز شاہ ٹھٹھہ سے دہلی آیا تو اس نے حضرت شیخ بدر الدین کی خانقاہ اور لنگر کے لیے ہانسی کے ماتحت ضلع چوراسی کو وقف کر دیا۔ عام طور پر یہ دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو اپنی جامہ داری کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ ایک دن آپؒ نے اس کپڑے میں گرہ لگا کر فرمایا ''نصیر الدین بند خدا کشاید'' کہتے ہیں اسی دن سلطان محمد کا انتقال ہو گیا۔

مغلوں کی بغاوت

سلطان محمد تغلق شاہ کے انتقال کی خبر سن کر مغل سر اٹھانے لگے۔ انھوں نے شاہی لشکر پر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ چنانچہ فیروز شاہ نے سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ لشکر کے ساتھ جو مغل ہیں ان کا گروہ شاہی لشکر سے الگ اور کچھ فاصلے پر قائم کیا جائے۔ اس احتیاط کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو بادشاہ نے بذات خود نگہبانی اور نگرانی کا فرض انجام دیا اور ان مغلوں کی اچھی طرح گوش مالی کر کے فوج کو ان کی دست درازیوں سے نجات دلائی۔

خواجہ جہان کی اطاعت

فیروز شاہ سیوستان4 کی راہ سے کوچ کرتے ہوئے دہلی پہنچا۔ یہاں احمد ایاز خواجہ

جہاں ایک مجہول النسب لڑکے کو غیاث الدین محمود شاہ کا خطاب دے کر بادشاہ بنا بیٹھا تھا اور خود اس کا وکیل بن گیا تھا۔ لیکن اس کے کیے کچھ نہ بنا اور فیروز شاہ کی بادشاہت قائم ہو گئی۔ آخر بڑی کہا سنی اور محنت کے بعد خواجہ جہاں اشرف الملک اور دوسرے امراء کی مداخلت سے ہانسی آیا اور پگڑی گلے میں ڈال کر ننگے سر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے معاف کر کے ہانسی کے کوتوال کے حوالے کر دیا اور ان تمام لوگوں کو جو اس مہم میں خواجہ جہاں کے ساتھ شریک تھے مختلف سمتوں میں منتشر کر دیا۔ جس دن فیروز شاہ نے دہلی جاتے ہوئے سرستی (سروستی) میں قیام کیا تھا اسی دن شاہزادہ فتح خان کے پیدا ہونے کی خوشخبری ملی تھی اور اسی جگہ گجرات سے ملک طغی کے فتنہ وفساد کی بھی اطلاع آئی۔

فیروز شاہ کی تخت نشینی

فیروز شاہ نے 2/رجب 752ھ/ 1351ء میں دہلی کے تخت پر جلوس کیا اور امرا کو از سرنو منصب اور عہدے تقسیم کیے۔ دوسرے سال 753ھ/1352ء میں وہ سرمور کی پہاڑ کی طرف شکار کے لیے گیا اور پایہ تخت واپس آ گیا۔ اسی سال ماہ رجب میں شاہزادہ محمد خان کی ولادت ہوئی جس کا بعد میں ناصرالدین محمد خطاب پڑ گیا تھا۔ 754ھ/1353ء میں سلطان کلانور کی طرف شکار کے لیے گیا اور دریائے سرستی (سروستی) کے کنارے ایک عمدہ وسیع عمارت بنوا کر شیخ صدرالدین ملتانی کے حوالے کی۔ ملک قبول نائب وزیر کو خان جہاں کا خطاب عطا کیا۔

لکھنوتی پر حملہ

754ھ/1353ء کے آخر میں فیروز شاہ نے بنگال کے باغی حاکم حاجی الیاس کی بغاوت کو کچلنے کے خیال سے لکھنوتی پر حملہ کیا یہاں حاجی الیاس نے شمس الدین کا خطاب رکھ کر مستقل بادشاہی کی بنیاد رکھ دی تھی۔ شاہی لشکر سے ڈر کر حاجی نے بنگال کے سب سے

زیادہ مضبوط قلعہ اکدالہ میں پناہ لے لی لیکن چند ہی حملوں میں اسے ہتھیار چھوڑنے پڑے اور اس کا بہت سا ساز وسامان فیروز شاہ کے ہاتھ آ گیا۔ اتفاق سے بارش کا موسم آ گیا جس سے مجبور ہو کر بادشاہ نے حاجی الیاس سے صلح کر لی اور وہاں سے لوٹ آیا۔ 755ھ/1354ء میں سلطان مانک پور کے راستے دہلی پہنچا اور جمنا کنارے فیروز آباد کا قلعہ تعمیر کرایا۔

نہروں کی کھدائی

وہ 756ھ/1355ء میں دیپال پور گیا اور ستلج سے ایک نہر نکال کر 48 کوس کے فاصلے پر جھجھر کے مقام تک پہنچائی۔ 757ھ/1356ء میں مندول اور سرور کے قریب جمنا سے بھی ایک نہر نکالی اور اس میں دوسری سات نہریں ملا کر ہانسی تک اور وہاں سے اسے راس تک پہنچا یا۔ اس جگہ ایک قلعہ حصار فیروز شاہ کے نام سے بنوایا۔ اس قلعے کے نیچے ایک بڑا حوض بھی بنوایا تھا جس میں نہر سے پانی آ کر جمع ہوتا تھا۔ ایک اور نہر گھگھر سے نکال کر قلعہ سرستی کے نیچے تک اور وہاں سے ہرن کھیڑہ تک پہنچائی اور ان دونوں کے درمیان ایک اور قلعہ فیروز آباد کے نام سے بنایا۔

فرمان خلافت

757ھ/1356ء ہی میں مصر سے خلیفہ الحاکم بامر اللہ ابو الفتح ابو بکر بن ابوالربیع سلیمان کے یہاں سے ہندستان کی بادشاہی کا فرمان اور خلعت آئی۔ اسی سال لکھنوتی سے حاجی الیاس کے قاصد نہایت نفیس تحائف اور نذر لے کر آئے۔ بادشاہ نے ان قاصدوں پر بڑی مہربانی کی اور حکم دیا کہ حاجی الیاس ان تحفوں کے عوض ہمیشہ عمدہ ہاتھی بھیجا کرے۔ فیروز شاہ کی سلطنت یوں تو سارے ہندستان پر تھی، لیکن لکھنوتی پر صلح کے بموجب حاجی الیاس ہی کی حکمرانی تھی اور دکن میں سلطان محمد مرحوم کے زمانے ہی سے حسن کانگو بہمنی

بادشاہ ہوگیا تھا۔ 759ھ/1357ء میں بادشاہ نے سامانہ کا ارادہ کیا۔ مغلوں نے دیپالپور پر حملہ کر دیا تھا۔ ان کی گوشمالی کے لیے اس نے ملک قبول کو روانہ کیا۔ جب شاہی لشکر پہنچا تو مغل حسب عادت ڈر کر ولایت بھاگ گئے اور سلطان دہلی واپس آ گیا۔

بنگالہ کے معاملات

اسی سال بادشاہ نے بہت سے تازی گھوڑے، نفیس ولایتی سامان اور دوسرے عمدہ تحفے حاجی الیاس کے قاصدوں کے ہمراہ کر کے انھیں رخصت کیا لیکن ابھی یہ قاصد راستے ہی میں تھے کہ لکھنوتی سے حاجی الیاس کے مرنے کی خبر پہنچی اور معلوم ہوا اس کی جگہ اس کا لڑکا سلطان سکندر تخت نشین ہوا ہے۔ اس خبر کے ملنے پر بادشاہ نے وہ گھوڑے اور تحائف بہار میں واپس منگا لیے اور قاصدوں کو کڑہ میں بلوالیا۔ 760ھ/1358ء میں بادشاہ نے خاصا بڑا لشکر لے کر دوبارہ لکھنوتی کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے خان جہاں کوتوال کو دہلی کے انتظام کے لیے چھوڑا اور غزنی کی سرحد سے ملتان تک عملداری تاتار خان یعنی ملک تتار کے سپرد کر دی، خود ظفر آباد آ کر بارش کے موسم کی وجہ سے ٹھہر گیا۔ اسی مقام پر اعظم ملک شیخ زادہ بسطامی مع ملک احمد ایاز کے جسے بادشاہ نے ملک بدر کر دیا تھا خلیفہ مصر کی طرف سے ایک خلعت لے کر آیا۔ بادشاہ نے اسے اعظم خان کا خطاب دیا۔ ظفر آباد سے ہی بادشاہ نے سید رسول دار کو لکھنوتی سے آئے ہوئے قاصدوں کے ساتھ سلطان سکندر کے پاس روانہ کیا۔ سکندر نے بھی وہاں سے پانچ ہاتھی اور کچھ تحائف بارگاہ میں روانہ کیے۔ اس سفارت اور تحائف کے باوجود فریقین میں صلح کی صورت پیدا نہ ہوئی اور بارش ختم ہونے کے بعد فیروز شاہ نے ظفر آباد سے لکھنوتی کی طرف کوچ کر دیا۔ راستے میں شاہزادہ فتح خان کو سامان سلطنت، ہاتھی اور فراش خانہ لعل جو بڑی عزت کا نشان تھا عطا کیا اور اس کے نام کا سکہ بھی ضرب کرایا۔ جب بادشاہ کا لشکر پنڈوہ پہنچا تو سکندر بھی اسی قلعہ اکدالہ میں جہاں اس کے باپ نے پناہ لی تھی پناہ گزیں ہوگیا۔ بادشاہ نے کچھ عرصے تک قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا، آخر سکندر نے 37 ہاتھی اور بے شمار عمدہ تحائف دے کر صلح کر لی۔ 761ھ/1359ء

میں فیروز شاہ پنڈوہ کے راستے سے جونپور5 لوٹ آیا اور برسات کا موسم اسی جگہ گزارا۔ اسی سال کے آخر میں بہار کے راستہ سے جاج نگر روانہ ہوا اور لکھنوتی سے جو ہاتھی اور خیمہ و خرگاہ ملا تھا کڑہ بھجوا دیا۔

ہاتھیوں کا شکار

جب شاہی لشکر ست گھرہ پہنچا تو وہاں کا راجہ کسی طرف روپوش ہو گیا۔ وہاں سے لشکر بارانسی پہنچا وہاں کا راجہ بڑا نامی گرامی راجہ تھا وہ ڈر کر تلنگانہ کی طرف بھاگ گیا۔ بادشاہ کچھ دور تک اس کا تعاقب کر کے واپس آ گیا اور شکار کھیلتے ہوئے رائے پربھان دیو کے علاقے میں پہنچا۔ رائے نے 32 ہاتھی اور کچھ تحائف پیش کیے۔ یہاں سے بادشاہ پدماوتی اور پرم تلا کے جنگل میں جہاں ہاتھی بکثرت تھے شکار کے لیے گیا۔ اس نے خود دو ہاتھی مار گرائے اور 33 ہاتھی زندہ پکڑوائے۔ ضیاء الدین برنی نے اس کارنامہ پر یہ رباعی کہی ہے:

شاہی کہ زحق دولت پایندہ گرفت
اطراف جہان چو مہر تابندہ گرفت
از بہر شکار فیل درجاج نگر
آمد دو بکشت وی و سہ زندہ گرفت

سیر و شکار کے بعد سلطان بہت جلد وہاں سے واپس ہوا اور کڑہ پہنچ گیا۔

نہر سلیمہ

772ھ/1370ء میں سلطان کڑہ سے دہلی آیا اور کچھ دن قیام کے بعد نہر سلیمہ کی طرف گیا۔ یہ نہر ایک ریتیلے ٹیلے سے نکل کر ستلج میں جا گرتی تھی۔ اس کو سرستی بھی کہتے ہیں یہاں اس کے برابر ہی ایک دوسری نہر بھی جاری تھی۔ وہ ریتلا پشتہ دونوں کے درمیان حائل

تھا۔ اس پشتے کے ہٹ جانے سے سرتی کا پانی دوسری نہر سے مل کر سہرند، منصور پور اور سامانہ کی طرف جاری ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ پچاس ہزار بیلدار جمع ہو کر اس پشتے کو کھود دیں۔ جب اس پشتے کو کھودا گیا تو اس میں سے ہاتھیوں اور آدمیوں کی بہت سی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ آدمیوں کے ڈھانچوں میں ہاتھیوں کی ہڈیاں تین تین گز لمبی تھیں، کچھ گلی ہوئی تھیں اور کچھ اسی طرح باقی تھیں۔ بہر حال وہ نہر کھد نہ پائی۔ انہی دنوں بادشاہ نے اس ضلع سے سہرند کی جمع بندی سے دس کوس مسافت کی اراضی علاحدہ کر کے ضیاء الملک شمس الدین ابورجا کے حوالے کی جس نے اِسی مقام پر فیروز پور کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔

نگرکوٹ6 کا کوہستان

یہاں سے سلطان نگرکوٹ گیا اور لڑائی کے بعد قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ آخر وہاں کا راجہ امن کا طالب ہوا اور حاضر بارگاہ ہو گیا۔ بادشاہ نے مرحوم کے نام پر نگرکوٹ کا نام محمد آباد رکھ دیا۔ اس مقام پر پہاڑی لوگ بادشاہ کے لیے برف لے کر حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے فرمایا اسی مقام پر سلطان محمد مرحوم کے لیے بھی لوگ برف لے کے آئے تھے، چونکہ میں اس وقت حاضر نہیں تھا اسی لیے سلطان نے بھی اس برف کا شربت نہیں پیا تھا۔ اس واقعے کو یاد کر کے بادشاہ نے اس برف میں مصری ڈلوائی جو کئی ہاتھیوں اور اونٹوں پر لدی ہوئی ہمراہ تھی اور شربت تیار کرایا اور سلطان محمد کی فاتحہ کے لیے قرآن ختم کرا کے سارے لشکر میں تقسیم کرایا۔ اس موقع پر لوگوں نے بادشاہ کو بتایا کہ جب سکندر ذوالقرنین ہندستان آیا تھا اس وقت سے اس علاقہ کے لوگ نوشابہ کی تصویر اپنے گھروں میں رکھتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے بت خانہ میں جسے لوگ ''جوالا مکھی'' کہتے ہیں پچھلے زمانے کے برہمنوں کی ایک ہزار تین سو کتابیں رکھی ہوئی ہیں اس جگہ سے آگ کے شعلے کافی اونچے نکلتے رہتے ہیں کہ ہزاروں مشک پانی بھی ڈالا جائے تو یہ آگ نہیں بجھ سکتی۔

قدیم کتابیں

بادشاہ نے وہاں کے برہمنوں کو بلا کر وہ کتابیں منگوائیں اور ان کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کتابوں7 میں سے ایک کتاب کو اعز الدین خالد قاضی نے، جو اس کے عہد کے بڑے شاعروں میں سے تھا، علم نجوم کے بیان میں نظم کیا اور اس کا نام "دلائل فیروزی" رکھا۔ میں نے بھی (یعنی مؤلف کتاب منتخب التواریخ) اس کتاب کو لاہور میں 1000ھ/ 1591ء میں اول سے آخر تک دیکھا ہے۔ اس قدر عمدہ اور لائق کتاب ہے کہ اس کی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی۔

ٹھٹھہ پر فوج کشی

محمد آباد سے بادشاہ ٹھٹھہ گیا۔ وہاں کا حاکم جسے جام کہتے ہیں، قلعے میں بند ہوگیا۔ اس ضلع میں بارش کی کثرت سے ندی نالوں اور دریاؤں کا جال سا بچھا تھا غلہ بھی گراں تھا اس لیے بادشاہ زیادہ عرصے تک محاصرہ جاری نہیں رکھ سکا اور وہاں سے گجرات چلا گیا۔ وہاں کے حاکم نظام الملک کو نائب وزیر بنا کر دہلی روانہ کر دیا اور اس کی جگہ ظفر خان کو گجرات کی حکومت پر مقرر کر دیا۔ وہاں سے بادشاہ پھر ٹھٹھہ لوٹ آیا۔ اس مرتبہ جام نے امن کی درخواست کی اور بارگاہ شاہی میں حاضر ہوگیا۔ بادشاہ کے رکاب ہی میں دہلی آیا، وہاں نوازش خسروانہ سے حسب سابق ٹھٹھہ 8 کی حکومت پر دوبارہ فائز ہوگیا۔

وزیر اور شہزادے کی رحلت

722ھ/1322ء میں خان جہان وزیر نے انتقال کیا تو ان کی جگہ اس کا لڑکا جو ناشاہ وزیر بنا اسے بھی خان جہان9 کا خطاب عطا ہوا۔ 773ھ/ 1371ء میں ظفر خان کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ گجرات کی حکومت پر اس کا بیٹا مامور کیا گیا۔ ۷۷۶ھ/ ۱۳۷۴ء میں شاہزادہ فتح خان کے انتقال کا سانحہ پیش آیا جس کی بدولت بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔

شمس الدین کی بغاوت

اسی سال یعنی 776ھ/1374ء میں شمس الدین دامغانی10 کو زریں کمر پٹے اور نقرئی چنڈول کا اعزاز عطا ہوا۔ اس نے گجرات کی حکومت اس شرط پر قبول کی تھی کہ ہر سال سو ہاتھی اور دوسو تازی گھوڑے اور چار سو غلام اور دوسرا مال واسباب اور نقدی بارگاہ شاہی میں روانہ کرے گا۔ لیکن وہ اس قدر مال وہاں سے حاصل نہ کر سکا اور بغاوت اختیار کرلی۔ 787ھ/1377ء میں گجرات کے امیران صدہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر بادشاہ کے پاس دہلی بھیج دیا۔ اس کے بعد گجرات کی عمل داری فرحت الملک عرف ملک مفرح سلطانی کو عطا کی گئی۔

اٹاوہ پر فوج کشی

779ھ/1377ء میں بادشاہ نے اٹاوہ11 اور اکچک کے علاقے پر حملہ کیا، وہاں کے راجاؤں کو شکست دے کر گرفتار کرلیا اور ان کو مع اہل وعیال دہلی روانہ کر دیا۔ اس علاقے کے فتح ہونے کے بعد یہاں حکم شاہی سے کئی ایک قلعے بنائے گئے۔ فیروز پور12 اور بتلاہی ملک تاج الدین ترک کے لڑکے کو اور اکچک کا علاقہ ملک افغان کو سپرد کر کے بادشاہ دہلی واپس آ گیا۔ اس سال حاکم اودھ13 ملک نظام الدین کا جو اس مہم میں بادشاہ کے ہمرکاب تھا، انتقال ہوگیا۔ اس طرح اس کا علاقہ اس کے بیٹے یوسف الدین کے سپرد کر دیا گیا۔

سامانہ اور سنتور کی مہم

781ھ/1398ء میں سلطان فیروزشاہ نے سامانہ کا رخ کیا اور انبالہ14 سے آگے بڑھ کر سنتور کے کوہستان پر لشکر کشی کی۔ وہاں کے راجاؤں سے قیمتی نذرانے لے کر دار السلطنت واپس آ گیا۔ بادشاہ نے نصیر خان کو کڑے اور مہوبہ15 کے ضلع سے واپس بلا کر مغلوں کی سرکوبی کے لیے ملتان کی طرف متعین کیا اور مہوبے کا ضلع اس کے بیٹے سلیمان کے

سپرد کر دیا۔ یہ نصیر خان وہی شخص ہے جس نے سلطان علی الدین بدایونی کے دادا سید خضر خان کو اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تھا۔

کیتھل 16 کی مہم

782ھ/1399ء میں سلطان نے کیتھل کی مہم سر کی۔ کیتھل کا مقدم رائے لکھو کر تھا، اس نے بدایوں کے حاکم سید محمد اور سید علی الدین کو جو حقیقی بھائی تھے دھو کے سے قتل کر دیا تھا۔ ان بھائیوں کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ہی سلطان نے فوج کشی کی تھی۔ بادشاہ کے پہنچنے کی خبر پا کر لکھو کر کمایوں کی طرف بھاگ گیا۔ بادشاہ نے کیتھل کو تاخت وتاراج کر دیا اور لکھو کر کی بغاوت فرد کرنے کے لیے ملک افغان کو سنبھل 17 میں مقرر کیا۔ ملک قبول کو بدایوں کی عملداری پر روانہ کیا۔ بدایوں میں محلہ قبول پورا اسی کی یادگار ہے۔ ہر سال وہ شکار کھیلنے کے لیے کیتھل آ کر اسے لوٹ لیتا تھا۔ ان انتظامات کے بعد بادشاہ دہلی واپس آ گیا۔

قلعہ فیروز پور کی تعمیر

787ھ/1385ء میں سلطان فیروز شاہ نے بدایوں سے سات کوس کے فاصلے پر موضع بیولی میں جسے مواسا بھی کہتے ہیں ایک قلعہ تیار کرا کے اس کا نام فیروز پور رکھا۔ یہ فیروز شاہ کی سب سے آخری تعمیر ہے 18۔ اس لیے اسے آخریں پور بھی کہا جاتا ہے۔ اب اس قلعہ کی عمارت باقی نہیں ہے، اس کی جگہ ایک ٹیلہ بطور نشانی رہ گیا ہے۔

خان جہان کی فتنہ پردازی

اس وقت بادشاہ کی عمر نوے سال کی ہو چکی تھی۔ عمر کے باعث عقل اور قویٰ میں کمزوری آ چکی تھی۔ وزیر خان جہان حاسد مزاج تھا، وہ کسی دوسرے امیر کی ترقی اور وقعت دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے بادشاہ کو بہکا کر کچھ بے قصور امیروں کو دربار سے نکلوا دیا اور بعض

کوقتل کروا دیا بعض امیروں کے خلاف یہ سازش کی کہ وہ شاہزادہ محمد خان سے مل گئے ہیں اور اسے تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے اس کی باتوں کا یقین کر کے ان کے قتل کا ارادہ کرلیا اور شاہزادہ بھی ڈر کے مارے منہ چھپا تا رہا۔ آخر ایک دن شہزادہ نے خلوت میں باپ سے گفتگو کی اور خان جہان کے سارے فریب کھول کر رکھ دیے۔

فیروز شاہ کی گوشہ نشینی

اس واقعہ کے بعد شاہزادے کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے اور وہ مطلق العنان ہو گیا۔ بادشاہ نے بھی شاہی لوازمات، ہاتھی، گھوڑے اور سلطنت کے اعزازات اسے عطا کر کے ماہ شعبان 789ھ/1387ء میں اسے تخت حکومت پر بٹھا دیا اور خود عبادت الٰہی کے لیے گوشہ نشین ہو گیا اس دن سے جمعہ کے خطبہ میں دونوں سلاطین کا نام لیا جاتا تھا۔

خان جہان کا قتل

محمد شاہ نے تخت نشین ہونے کے بعد از سر نو امیروں کو عہدے اور جاگیریں تقسیم کیں۔ ملک یعقوب کو سکندر خان کا خطاب دے کر خان جہان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ میوات کے زمیندار کوکا چوہان نے خان جہان کو پکڑ کر سکندر خان کے حوالہ کر دیا۔ سکندر نے اسے قتل کر کے اس کا سر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور گجرات چلا گیا۔

امیرانِ صدہ کا فساد

790ھ/1388ء میں محمد شاہ شکار کے لیے سرمور کی پہاڑی کی طرف گیا ہوا تھا، ادھر گجرات میں ملک مفرح نے امیرانِ صدہ کی مدد سے سکندرر خان کو مار ڈالا اور اس کا لٹا پٹا لشکر سپہ سالار کی سرکردگی میں برے حالوں لوٹ کر دہلی آیا۔ جب بادشاہ سرمور سے لوٹ کر پایہ تخت پہنچا تو اس نے جوانی کی ترنگ میں بڑی لاپروائی برتی، سکندر خان کے انتقال کی فکر

نہیں کی اور عیش وعشرت میں مشغول ہو گیا۔

لشکریوں کی بغاوت

محمد شاہ کی اس غفلت اور کمزوری کی وجہ سے شرپسندوں کی جرأتیں بڑھ گئیں اور ملک میں نت نئے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے محمد شاہ کے حضور سماء الدین 19 اور ملک کمال الدین نام کے دو نہایت مقرب امیر نظم مملکت میں داخل ہو گئے تھے، ان کے عمل دخل کو دیکھ کر فیروز شاہ کے قدیم لشکری اور امیر سخت برہم تھے۔ چنانچہ یہ سب بغاوت کے ارادے سے ایک میدان میں اکٹھا ہو گئے۔ محمد شاہ نے ان کو سمجھانے کے لیے ملک ظہیر الدین لاہوری کو روانہ کیا۔ باغیوں نے اس کی ایک نہ سنی اور اُسے پتھر مار مار کر زخمی کر دیا۔ ظہیر الدین اسی حالت میں لہولہان محمد شاہ کے پاس آیا اور اس سے فریاد کی۔ شاہزادہ نے اپنی خاص جمیعت کو اکٹھا کر کے سرکش لشکریوں پر حملہ کر کے انھیں منتشر کر دیا یہ بھاگ کر سلطان فیروز کی پناہ میں چلے گئے اور دوبارہ تیاری کر کے آمادہ ہو گئے۔ دو دن تک فریقین میں سخت لڑائی ہوتی رہی۔

فیروز شاہ میدان جنگ میں

جب باغیوں نے دیکھا کہ مقابلے میں ان کا پہلو کمزور ہوتا جا رہا ہے تو انھوں نے بوڑھے فیروز شاہ کو بہکا کر بیٹے کے مقابلے کے لیے آمادہ کر لیا اور لاغر و کمزور بادشاہ کو اپنے ساتھ میدان میں لے آئے۔ باغیوں کی یہ چال بڑی کارگر ہوئی۔ جیسے ہی محمد شاہ کے لشکریوں اور فیل بانوں (ہاتھی بانوں) نے میدان میں مقابلے پر بوڑھے بادشاہ کو دیکھا، فوراً لڑائی بند کر دی اور باغی لشکر سے مل گئے۔ محمد شاہ کے ساتھ گنتی کے چند آدمی رہ گئے، وہ بے چارہ انھیں ساتھ لے کر سرمور کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ فیروز شاہ کی رکاب میں اس وقت ایک لاکھ کا لشکر تھا۔ سوار اور پیادے اس کامیابی کے بعد محمد شاہ کے محلات میں گھس گئے اور اس کے تمام مقربوں اور حواریوں کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ فیروز شاہ

نے بھی اہل غرض کے بہکانے سے محمد شاہ ولی عہدی کی منسوخی کا اعلان کر دیا اور اس کے بجائے فتح خان کے بیٹے تغلق خان کو تغلق شاہ کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد بنا لیا۔ تغلق شاہ نے اختیارات پاتے ہی بادشاہ کے داماد میر حسن کو جو محمد شاہ کا دوست اور حامی تھا قتل کرا دیا اور غالب خان حاکم سامانہ کو جلاوطن کر کے سامانہ بھیج دیا۔

فیروز شاہ کی وفات

8رمضان المبارک 770ھ/1388ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہوا۔ اسے حوض خاص (دہلی) کے کنارے دفن کیا گیا اور اس کے مزار پر ایک بڑا گنبد تعمیر کرا دیا گیا۔ اس کی وفات کی تاریخیں ہیں ''وفات فیروز، نقل فیروز شاہ'' اس دوسری تاریخ میں ایک عدد کم پڑتا ہے۔

عہد فیروز شاہی کے شعرا

فیروز شاہ نے 83 سال چند ماہ حکومت کی20۔ اس کے بڑے شاعروں میں سے امیر خسروؒ کا بیٹا ملک احمد تھا۔ یہ بادشاہ کا خاص ندیم اور مصاحب تھا۔ اس کا کوئی دیوان مشہور نہیں لیکن یہ بڑا قادر الکلام نقاد تھا۔ اس نے متقدمین کے کلام پر جو جرح اور گرفت کی ہے اسے اکثر کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

ملک احمد کی اصلاحیں

مشہور شاعر ظہیر کے شعر میں اس نے جو تصرف کیا وہ کچھ اس طرح ہے۔ ظہیر کا شعر تھا:

کلاہ گوشہ حکم تو از طریق نفاذ
ربودہ از سر گردون کلاہ جباری

ملک احمد نے کہا پہلا مصرعہ اس طرح ہونا چاہیے:

زہی طپا نچہ قہر تو از طریق نفاذ

میری (مؤلف منتخب التواریخ کی نظر) سے اس کی اصلاح کے اور بھی شعر گزرے تھے لیکن یاد نہیں ہیں۔ ملک احمد امیر خسروؒ کے فرزند تھے اس لیے متقدمین کے کلام میں ان کے تصرف و تبدّل کو بادشاہ اور اس زمانہ کے امیر اور اہل علم پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے 21ے۔اس عہد کے دوسرے شاعر مولانا مطہر کڑہ تھے۔ ان کی اولاد میرے اس عہد تک لکھنوتی میں موجود ہے۔ (یعنی مؤلف منتخب التوریخ کے عہد میں)اور اپنے بزرگوں کے وقت سے برابر عزت ومراتب پر فائز ہے۔ مولانا مطہر کا ایک دیوان بھی ہے جس میں پندرہ سولہ ہزار شعر ہیں۔ ان کے کلام پر مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا اور مقصدیت کے تناسب سے شعریت دب کر رہ گئی تھی اس لیے ان کی فضیلت کا جتنا چرچا تھا اتنا ان کے شعر رواج نہ پا سکے۔ بہر حال غور سے دیکھنے پر ان کے کلام کی ندرت واضح ہوتی ہے۔ فیروز شاہ عادل کے زمانے میں تیسرے شاعر قاضی عابد گزرے ہیں جن کا یہ قطعہ مشہور ہے:

دوستان گویند عابد باچنین طبع لطیف
چیست اشعار وغزل از تو فراوان بر نخاست
باکرا شعر وغزل گوئیم چون در عہد ما
شاہدی موزون و ممدوح زر افشان بر نخاست

سلطان تغلق شاہ

تغلق شاہ فتح خان مرحوم شاہزادے کا لڑکا تھا۔ دادا کی وصیت کے مطابق 790ھ/1389ء میں وہ تخت نشین ہوا اور غیاث الدین تغلق اپنا خطاب رکھا۔ محمد شاہ کے مقابلے کے لیے اس نے فوج روانہ کی ۔ محمد شاہ نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا۔ پھر نگرکوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ نگرکوٹ دشوار راستے پر ہے اس لیے شاہی فوج اس کا تعاقب نہ کرسکی۔ اسی اثناء

میں بادشاہ کے بھتیجے ابوبکر خان نے ملک رکن الدین اور دوسرے امرا کی سازش سے بغاوت کی اور تغلق شاہ کی جائے سکونت فیروزآباد میں داخل ہو گیا اور اس کے محل خاص کے دروازے پر ملک مبارک کبیر کو قتل کردیا اور اس کے سر کو شہر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا۔ یہ سانحہ 791ھ/1389ء میں پیش آیا۔ اس طرح تغلق شاہ کی حکومت صرف پانچ ماہ 18 دن رہی۔

سلطان ابوبکر شاہ بن ظفر خان

تغلق شاہ کے قتل کے بعد احمق امیروں کے اتفاق سے ابوبکر شاہ تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے امیروں اور سرداروں کو مناصب اور عہدے تقسیم کر دیے اور رکن الدین کو اپنا وزیر بنایا لیکن کچھ ہی دن بعد معلوم ہوا کہ رکن الدین کی نیت ٹھیک نہ تھی اور وہ بعض امیروں سے اپنی بادشاہت جمانے کی سازش کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی ابوبکر شاہ نے رکن الدین اور اس کے مشیروں کو قتل کرا دیا اور ان کے مال و اسباب لوٹ لیے۔ اس پہلی ہی سخت کارروائی کی وجہ سے اس کی حکومت مستحکم ہو گئی۔

سامانہ کے امیران صدہ

اسی دوران سامانہ کے امیران صدہ نے امیر سامانہ ملک سلطان شاہ خوش حال کو جو محمد شاہ کے مقابلے پر مامور کیا تھا۔ سامانہ کے تالاب کے کنارے قتل کر دیا اور اس کی لاش کے ٹکرے ٹکرے کر دیے، اس کا گھر بار لوٹ لیا، اس کا سر نگرکوٹ میں شاہ زادہ محمد شاہ کے پاس بھجوا دیا اور اسے نگرکوٹ سے سامانہ آنے کی دعوت دی۔

دہلی پر محمد شاہ کی چڑھائی

امیران صدہ کے پیغام اور مطالبے پر محمد شاہ نگرکوٹ سے کوچ کرتے ہوئے جالندھر کے راستہ سے سامانہ پہنچ گیا اور شاہانہ اسباب مہیا کر کے دوبارہ 791ھ/1389 میں اپنی

بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ماہ ربیع الآخر 791ھ/ 1389ء میں محمد شاہ نے پچاس ہزار کا لشکر لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا اور قصر جہان نما میں آکر قیام کیا۔ امراء کو منصب اور اعزاز عطا کیے۔ ملک سرور کو خواجہ جہان اور ملک الشرق نصیر الدین حاکم ملتان کو خضر خان کا خطاب دیا۔

محمد شاہ اور ابوبکر کا مقابلہ

محمد شاہ کے مقابلے پر ابوبکر شاہ نے بہادر ناہر میواتی کی مدد سے صف آرائی کی۔ ماہ جمادی الاول سن مذکور میں فیروزآباد کے میدان میں ایک گھمسان جنگ کی۔ محمد شاہ کی بدنصیبی اس کے ساتھ تھی اسے شکست ہوئی اور وہ دو ہزار سواروں کی حفاظت میں جمنا پار کر کے دوآبہ کے علاقے میں چلا گیا، پھر وہاں سے اس نے اپنے منجھلے بیٹے ہمایوں خان کو سامانہ مدد کے لیے بھیجا۔ جہاں سے تیاری کے ساتھ وہ پچاس ہزار سواروں کا لشکر لے کر آیا۔ اس لشکر کو لے کر محمد شاہ نے دوبارہ دہلی پر حملہ کیا لیکن اس مرتبہ بھی اس نے ابوبکر شاہ کے مقابلے میں مات کھائی ۔ابوبکر شاہ نے کچھ دور تک اس کا پیچھا کیا۔ محمد شاہ کا سارا سازوسامان اور لشکر تباہ ہو گیا اور وہ برے حالوں میں گنگا ندی کے کنارے ایک قصبہ چیتور میں پناہ گزین ہو گیا۔

ہمایوں خان کا حملہ اور شکست

792ھ/1390ء میں شہزادہ ہمایوں خان نے سامانہ کے بہت سے امراء کی مدد سے دہلی پر ایک بار پھر حملہ کیا اور شہر کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ اس حملے کے مدنظر ابوبکر شاہ نے عماد الملک کو چار ہزار سوار دے کر روانہ کیا۔ پانی پت کے میدان میں دو دنوں تک فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ہمایوں خان شکست کھا کر سامانہ بھاگ گیا۔

ایک شہر، دو بادشاہ

ماہ جمادی الاول 790ھ/1390ء میں ابوبکر شاہ ایک بھری لشکر لے کر محمد شاہ کے فتنے کو ختم کرنے کے خیال سے چتر کی طرف روانہ ہوا اور دہلی سے بیس کوس کے فاصلے کو طے کر کے پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر محمد شاہ نے ایک گہری چال چلی۔ وہ ابوبکر شاہ کے لشکر کو دھوکا دے کر دوسرے راستے سے دہلی میں داخل ہو گیا اور قصر ہمایوں میں جا کر قیام کیا اور شہر کے سب خواص وعام اس سے جا ملے۔ ابوبکر شاہ کو جب غنیم کی اس کارروائی کا علم ہوا تو وہ الٹے پاؤں دہلی لوٹا اور ملک بہاء الدین جنگی کو جو محمد شاہ کی طرف سے دروازے کا محافظ تھا قتل کر کے شہر میں داخل ہو گیا اور سیدھا قصر ہمایوں کا رخ کیا۔ محمد شاہ اس حملے سے غافل تھا۔ مقابلے کی تاب نہ پا کر گھبرا گیا۔ جو امیر اس سے مل گئے تھے وہ اس حملے میں مارے گئے۔ اب محمد شاہ میں ابوبکر شاہ کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ مسلسل ناکامیوں نے اس کا دل توڑ دیا تھا لیکن رعایا اور لشکریوں کی ہمدردیاں اسی کے ساتھ تھیں اور یہ سب ابوبکر شاہ سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔

دہلی پر محمد شاہ کا قبضہ

اس سال کے ماہ رمضان میں مبشر چپ اور فیروز شاہ کے عہد کے بعض امرا نے جو مختلف وجوہ سے ابوبکر سے ناراض تھے محمد شاہ کے پاس خفیہ خطوط روانہ کیے اور اس سے حملہ کرنے کی استدعا کی۔ جب ابوبکر شاہ کو امرا کی اس کارروائی کا علم ہوا تو وہ نہایت پریشان ہوا۔ اور بہادر ناہر سے مدد لینے کے لیے کوٹلہ میوات کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی میں ملک شاہین، عماد الملک، ملک بحری اور صفدر خان کو چھوڑ گیا۔ اس موقع پر محمد شاہ امرا کے بلانے پر تیسری مرتبہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور قصر فیروز آباد میں تخت شاہی پر باقاعدہ جلوس کیا۔ مبشر چپ کو اسلام خان کا خطاب دے کر وزارت کا عہدہ عطا کیا کچھ دنوں کے بعد قصر فیروز آباد سے قصر جہان نما میں منتقل ہو گیا اور ان فیروز شاہی کو غلاموں کو

جو پہلے فتنہ وفساد کے بانی تھے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ غلاموں کے اس قتل عام میں پورب کے اکثر آزاد لوگ بھی جن کی زبانیں گُنگی تھیں غلاموں کے دھوکے میں قتل ہو گئے۔ اس انقلاب سے ابوبکر شاہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ محمد شاہ نے اس کو کچلنے کے لیے کوٹلہ میوات کی طرف فوج کشی کی ناچار ابوبکر شاہ اور بہادر ناہر امان طلب کرتے ہوئے خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بہادر ناہر کو تو خلعت وانعام ملا اور ابوبکر شاہ کو قلعہ میرٹھ کی قید 22ے، زندگی بھر وہ اس قید خانے میں رہا۔ اس کی وفات 793ھ/ 1391ء میں ہوئی۔ اس نے صرف ایک سال چھ مہینے تک حکومت کی۔

سلطان محمد بن فیروز شاہ

اس فتح اور اپنے بھتیجے ابوبکر کی وفات کے بعد 793ھ/ 1391ء میں سلطان محمد نے دہلی کے تخت پر قدم رکھا اب کوئی دوسرا سلطنت کا دعوے دار نہیں رہا تھا۔ محمد شاہ مستقل اور کامل الاختیار سلطان ہو گیا۔

بغاوتیں

اسی سال حاکم گجرات ملک مفرح سلطانی کی سرکشی کی خبریں ملیں، سلطان نے ظفر خان ولد وجیہ الملک کو اس کی سرکوبی کے لیے مقرر کردیا۔ 794ھ/1392ء میں مواس کے زمینداروں نے دوآبہ کے علاقے میں فتنہ انگیزی کی اور قصبہ بلا رام کو لوٹ لیا۔ اسلام خان نے وہاں کے باغی سرغنہ ہر سنگھ رائے پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔ بادشاہ نے قنوج اور اٹاوے کی طرف توجہ کی اور وہاں کے سرکشوں کی اچھی طرح خبر لی اور اٹاوے کو تاخت وتاراج کر کے قصبہ چیتر جو اس کا قدیم پسندیدہ مقام تھا لوٹ لیا۔ شہر محمد آباد کی تعمیر شروع کرائی۔ اسی سال بغاوت کے الزام میں اسلام خان کا قتل ہوا۔ 795ھ/1393ء میں بادشاہ نے اٹاوے کے باغیوں کی طرف ملک مقرب الملک کو روانہ کیا۔ اس نے وعدہ وعید کر کے سب

باغیوں کو لشکر میں بلایا، پھر انھیں قنوج لے جا کر قتل کر ڈالا اور محمد آباد واپس آ گیا۔

محمد شاہ کی علالت

ماہ شوال 795ھ/1393ء میں بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اس درمیان بہادر ناہر 23نے کئی مواضعات لوٹ لیے۔ بادشاہ نے اسی بیماری کی حالت میں کوٹلہ کی طرف کوچ کیا۔ بہادر ناہر تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ گیا اور بادشاہ محمد آباد واپس آ گیا۔ محمد آباد واپس ہونے کے بعد بادشاہ نے کسی عمارت کی تعمیر شروع کرائی۔ اس مصروفیت میں اس کا مرض شدید ہو گیا۔ حالت مرض میں بادشاہ کو خبر ملی کہ لاہور میں سرشیخا کھوکھر نے بغاوت کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے لاہور کی مہم پر شہزادہ ہمایوں کو مقرر کیا۔ ابھی شہزادہ اس مہم پر روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ معبود حقیقی سے جا ملا اور اپنے باپ کے روضے، حوض خاص کے کنارے سپرد خاک کیا گیا۔ سلطان محمد شاہ کی حکومت چھ سال سات ماہ رہی۔

سلطان علاء الدین بن سکندر شاہ

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں خان سلطان علاء الدین سکندر شاہ کے لقب سے 19 ربیع الاول 795ھ/1393ء میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی مدت حکومت صرف ایک ماہ سولہ دن رہی عین عالم شباب میں وفات پائی:

تاجہان بود چنین بود وچنین خواھد بود
ہمہ را عاقبت کار ہمین خواھد بود

اس بادشاہ کے عہد شاہزادگی میں ایک صاحب علم نے مقامات حریری کے مقابلے میں ایک کتاب اس کے نام پر تصنیف کی تھی۔ اس کا ایک مضمون میری نظر سے بھی گزرا ہے۔ (یعنی مؤلف منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی)

سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ

علاؤ الدین کی رحلت کے بعد محمد شاہ مرحوم کا چھوٹا لڑکا محمود شاہ تمام امیروں کی اتفاق رائے سے 20 جمادی الاول 795ھ/1393ء میں تخت نشین ہوا اور سلطان ناصر الدین محمود شاہ اس کا خطاب مقرر ہوا۔ اس نے مقرب الملک کو مقرب خان کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد بنایا اور دوسرے تمام امرا کو منصب، جاگیر اور خطاب، عطا کیے۔ گزشتہ چند سالوں کے حالات نے سرکشوں اور باغیوں کے ہاتھ کھول دیے تھے اور سارے ملک میں فتنہ و فساد پھیل گیا تھا۔ سلطان نے ان باغیوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے خواجہ جہان کو سلطان الشرق کا خطاب دے کر قنوج سے بہار تک کا سارا علاقہ حوالے کر دیا اور اسے فوجی مہم کے لیے رخصت کیا۔

خواجہ جہان کی کوششیں

خواجہ جہان نے جاج نگر تک فوجی کارروائی کر کے قبضہ کر لیا اور اس علاقے سے کافی مال غنیمت اور بہت سے ہاتھی حاصل کر کے بادشاہ کے پاس بھجوائے۔ لکھنوتی کے بادشاہ نے بھی ہر سال دہلی کو بطور نذرانہ ہاتھی روانہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران کڑہ، اودھ، بلوتالیہ، بہرائچ اور ترہت کے قلعے جنھیں ہندوؤں نے تباہ کر دیا تھا ان کو از سر نو تعمیر کیا اور سندیلہ کے قلعے کی بھی تعمیر کروائی گئی۔

سارنگ خان کا حملہ

مشرقی علاقے کے باغیوں کا تو کچھ انتظام ہو گیا لیکن لاہور اور دیپالپور کی طرف شیخا کھوکھر کی بغاوت اب بھی موجود تھی۔ بادشاہ نے فتنے کو ختم کرنے کے لیے سارنگ خان کو روانہ کیا۔ جب سارنگ خان وہاں پہنچا تو اسی سال ماہ ذی قعدہ کے آخر میں لاہور سے بیس کوس کے فاصلے پر موضع سامورتھلہ میں شیخا کھوکھر نے سارنگ خان سے ایک سخت لڑائی

لڑی لیکن شکست کھا کر جموں کے پہاڑ پر بھاگ گیا۔ سارنگ خان نے لاہور اپنے چھوٹے بھائی عادل خان کے سپرد کر دیا اور دیپالپور لوٹ گیا۔

مقرب خان اور سعادت خان

ماہ شعبان 795ھ/1393ء میں سلطان محمود نے مقرب خان کو شہر میں اپنا نائب بنا کر سعادت خان کو جو عبد الرشید سلطان کے نام سے مشہور تھا، اپنے ہمراہ لیا اور بیانہ اور گوالیار کی طرف سفر کیا۔ قصبہ لپساور میں ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک موجود ہے۔ جب شاہی لشکر گوالیار کے قریب پہنچا تو ملک علاء الدین دھاروال، ملوخان جو سارنگ خان کا بھائی تھا اور ملک راجو نے سعادت خان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن سعادت خان ان کی سازش سے واقف ہو گیا اور اس نے ملک علاء الدین اور مبارک خان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ البتہ ملوخان جان بچا کر نکل گیا اس نے دہلی جا کر مقرب خان کے یہاں پناہ لے لی. بادشاہ نے بھی اسی وقت پایہ تخت لوٹ کر اور شہر کے مضافات میں سلطانی کیمپ لگالیا۔ مقرب خان نے چونکہ سرکش ملوخان کو پناہ دی تھی اس لیے خوفزدہ ہو کر قلعے میں محصور ہو گیا۔ تین ماہ تک مقرب خان اور سعادت خان کے لشکر میں لڑائی ہوتی رہی۔

نصرت شاہ

سعادت خان یہاں سے فیروزآباد چلا گیا اور بعض امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر فتح خان کے بیٹے نصرت خان کو میوات سے بلایا۔ ماہ ربیع الاول 797ھ/1395ء میں اس کو ناصر الدین نصرت شاہ کا خطاب دے کر تخت پر بیٹھا بھی دیا تھا۔ نصرت شاہ بس نام کا بادشاہ تھا سارے اقتدار اور قوت کا مالک تو سعادت خان تھا۔ نصرت شاہ اس بے بسی کے سبب سخت پریشان رہتا تھا۔ چنانچہ فیروز شاہ کے چند غلاموں اور فیل بانوں کے ساتھ مل کر اس نے ایک سازش کی اور کسی بہانے سے ہاتھی پر سوار ہو کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ

سعادت خان پر حملہ کر دیا۔ سعادت خان اس سازش سے بے خبر تھا وہ کچھ نہیں کر سکا اور وہاں سے بھاگ نکلا اور اپنے پرانے دشمن مقرب خان کے پاس ہی فریاد لے کر پہنچا۔ اس نے سعادت خان کو ملاقات کے لیے بلا کر دھوکے سے قتل کرا دیا۔

شطرنج کے بادشاہ

اب ایک ہی تخت کے دو دعویدار ہو گئے۔ دہلی میں سلطان محمود اور فیروز آباد میں نصرت شاہ۔ فیروز شاہ کے غلاموں محمد مظفر وزیر، شہاب ناہر، ملک فضل اللہ بلخی اور دوسرے چند امیروں نے نصرت شاہ سے از سرنو بیعت کی۔ اس نے ان میں مناصب اور اعزاز تقسیم کیے۔ مقرب خان نے دہلی کا پرانا قلعہ بہادر ناہر میواتی کے حوالے کیا اور ملو خان کو اقبال خان کا خطاب ملا۔ اب عجیب صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں بادشاہوں میں ہر روز شطرنج کے بادشاہوں کی طرح لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن کوئی دوسرے کو مات نہیں دے سکتا تھا۔ دوآبہ کا درمیانی علاقہ، سنبھل، پانی پت، روہتک اور جھجھر نصرت شاہ کے قبضے میں آ گیا تھا اور چند پرانے قلعے جیسے دہلی، سیری وغیرہ سلطان محمود کے تصرف میں تھے مشہور مثل ''حکم خداوند عالم از دہلی تا پالم'' اسی زمانے سے رائج ہوا ہے۔ کیونکہ دہلی اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کو چھوڑ کر سارے ہندستان میں جہاں جس کا بس چلا علاقہ دبا کر خود مختار ہو گیا تھا۔ اور پورے ملک میں افراتفری کا عالم تھا۔

خضر خان اور سارنگ خان

کافی عرصے تک فریقین میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ کبھی فیروز آباد والے دہلی والوں پر غالب آ گئے تو کبھی دہلی والوں نے فیروز آباد والوں کو پسپا کر دیا۔ یہاں تو یہ صورت حال تھی کہ شمال کی طرف خضر خان امیر ملتان اور سارنگ خان حاکم دیپالپور میں بھی ٹھن گئی اور ان دونوں کے درمیان 798ھ/1396ء تک سخت لڑائی ہوئی آخر کار ملک مروان کے غلاموں

نے خضر خان سے بے وفائی کی اور سارنگ خان سے جا کر مل گئے۔ یہ ملک مروان خضر خان کے باپ ملک سلیمان کا محسن اور مربی تھا۔ ان غلاموں کی غداری کی وجہ سے ملتان خضر خان کے قبضے سے جاتا رہا اور سارنگ خان کا تسلط قائم ہو گیا۔ اس کے لشکر میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

سارنگ خان کی شکست

799ھ/1396ء میں سارنگ خان نے حاکم سامانہ غالب خان اور والی پانی پت تاتارخان کو بے دخل کر کے دہلی تک قبضہ کر لیا۔ نصرت خان نے فیروز شاہ کے غلام ملک الماس کو بڑا لشکر اور بہت سے ہاتھی دے کر تاتار خان کی مدد کے لیے روانہ کیا تاکہ سامانہ سارنگ خان سے چھین کر غالب خان کے سپرد کر دیا جائے۔ محرم 800ھ/1397ء میں موضع کوٹلہ کے علاقے میں ان دونوں فوجوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ سارنگ خان شکست کھا کر ملتان بھاگ گیا۔ تاتار خان نے تلونڈی تک اس کا پیچھا کیا اور وہاں سے کمال الدین مبین کو اس کے تعاقب پر مامور کر کے لوٹ آیا۔

مغلوں کا حملہ

اسی سال ماہ ربیع الاول800ھ/ 1397ء میں میرزا پیر محمد نے جو امیر تیمور گورکان سلطان خراسان وماوراء النہر کا پوتا تھا۔ ہندستان پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کو پار کر کے قلعہ اُوچہ کا محاصرہ کر لیا۔ سارنگ خان کا قلعہ دار علی ملک ایک مہینے تک قلعے میں بند ہو کر مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی مدد کے لیے سارنگ خان نے تاج الدین بختیار کو ایک ہزار سوار دے کر روانہ کیا۔ جب وہ اُوچہ کے قلعے کے قریب پہنچا تو میرزا پیر محمد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا لیکن یہ محض اس کا فریب تھا، کیونکہ اس نے دشمن کو دھوکے میں رکھ کر بیاس ندی کو عبور کیا اور ملک تاج الدین کی فوج پر جب کہ وہ غافل سو رہی تھی حملہ کر دیا اور بہت سے سپاہی قتل کر دیے

بعض دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ مددگار فوج کو تباہ کر کے میرزا پیر محمد نے دوبارہ ملتان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ سارنگ خان برابر چھ ماہ تک پیر محمد سے لڑتا رہا۔ آخر امن طلب کر کے اس کی پناہ میں آ گیا۔ پیر محمد نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور تیمور کے آنے تک ملتان ہی میں قیام پذیر رہا۔

اقبال خان کی حوصلہ آزمائی

ماہ شوال 800ھ/ 1397ء میں اقبال خان جو ملوبا سلطان کے نام سے مشہور تھا بڑے عہد و پیمان کے ساتھ نصرت شاہ کا حامی اور شریک بن گیا اور اسے پورے لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ قصر جہاں نما میں لے گیا۔ مقرب خان اور بہادر ناہر پرانی دہلی کے قلعے میں بند ہو گئے۔ تیسرے دن اقبال خان نے دھوکا دے کر نصرت شاہ کے لشکر پر حملہ کر دیا، وہ بے خبر تھا۔ بدحواس ہو کر فیروز آباد چلا گیا۔ وہاں سے جمنا پار کر کے اپنے وزیر تاتار خان کے پاس پانی پت چلا گیا۔ نصرت شاہ کا سارا ساز و سامان ہاتھی گھوڑے مکار اقبال خان کے ہاتھ آ گئے۔ اقبال خان اور مقرب خان کے مابین دو ماہ تک برابر لڑائی ہوتی رہی۔ کچھ دن کے بعد بعض امرا نے بیچ بچاؤ سے دونوں کی صلح کرا دی لیکن ایک دن موقع پا کر اقبال خان نے دغا کی اور اچانک مقرب خان کے گھر کا محاصرہ کر لیا، اور جب وہ امن کا قول و قرار کر کے باہر نکلا تو اسے قتل کر ڈالا اور سلطان محمود کو تخت پر بٹھا کر برائے نام بادشاہ بنا لیا اور ملک کا سارا بندوبست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ماہ ذی قعدہ 800ھ/ 1397ء میں اقبال خان نے تاتار خان سے پانی پت بھی چھین لیا اور وہاں کا سارا ساز و سامان اس کے قبضے میں آ گیا۔ اس حملے سے تاتار خان نے دہلی پر حملہ کیا مگر وہ کچھ نہ کر سکا بلکہ الٹا ایک بڑا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ لاچار ہو کر وہ دہلی سے اپنے باپ کے پاس گجرات چلا گیا۔ اقبال خان نے دہلی آنے کے بعد تاتار خان کے داماد نصیر الملک کو باذل خان کا خطاب دے کر دوآبہ کا درمیانی علاقہ اس کے حوالہ کر دیا۔

ہندستان پر امیر تیمور کا حملہ

801ھ/1398ء میں امیر تیمور نے ہندستان پر حملہ کیا اور ملتان پہنچ گیا۔ میرزا پیر محمد نے سارنگ خان کے بے شمار لشکریوں کو یہاں قید کر رکھا تھا۔ تیمور نے ان کو قتل کرا دیا تیمور ملتان سے آگے بڑھا اور لگاتار کوچ کرتے ہوئے بہت کے قلعے کو فتح کر لیا۔ راجہ چھکچین بھتی اور دیگر لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ تیموری لشکر نے پیش قدمی کر کے سامانہ بھی فتح کر لیا۔ اس وقت دیپالپور، اجودھن اور سرستی کے سارے لوگ جان کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ نکلے اور اس بلائے آسمانی سے بچنے کے لیے جہاں جگہ ملی چلے گئے۔ تیمور نے ان مفرورین میں سے جن کو بھی جہاں پایا قتل کر دیا اور بعض کو قید کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔

تیموری لشکر دوآبہ میں

سامانہ سے تیمور نے آگے بڑھ کر جمنا کو پار کیا اور دوآبہ کے علاقے میں تباہی مچادی، سارا ملک اس کی لوٹ کھسوٹ سے ویرانہ بن گیا۔ جمنا کے کنارے قصبہ لونی میں جو دہلی کے قریب ہے یہاں اس نے قیام کیا اور یہاں تقریباً پچاس ہزار قیدی جو گنگا کے کنارے تک پکڑے گئے تھے قتل کروا دیے۔ تیمور کے لشکر میں کچھ لوگ بڑے بڑے عمامہ باندھے مولویوں کی صورت بنائے ساتھ تھے۔ انھوں نے مسلمان قیدیوں کو بھی ہندوؤں کے فہرست میں رکھ کر جہاد کی نیت سے ان بے کسوں کو قتل کر دیا۔ 801ھ/1398ء ماہ جمادی الاول میں تیمور نے جمنا کو عبور کیا اور فیروز آباد آ کر رُکا۔ دوسرے دن حوض خاص پر اس کے لیے شامیانے لگائے گئے۔

سلطان محمود کا فرار ہونا

اقبال خان تیموری لشکر کے مقابلے پر بہت سے ہاتھی اور بھاری لشکر لے کر آیا لیکن تیموری فوج نے ایک زوردار حملے میں اسے بری طرح شکست دی اور سارے ہاتھی تیمور کے ہاتھ آ گئے۔ جب رات ہوئی تو اقبال خان اور سلطان محمود عزت و آبرو اور شرم وحیا کو بالائے

طاق رکھ کر اور اپنے اہل وعیال کو اس مصیبت میں بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سلطان محمود تو گجرات کی طرف بھاگا اور اقبال خان جمنا پار کر کے قصبہ برن میں جا چھپا۔

تیمور دہلی میں

دوسرے دن امیر تیمور دہلی میں داخل ہو گیا اور شہر والوں کو کافی مال و دولت کا اقرار لے کر جان کی امان عطا کی۔ حسب اقرار شہریوں سے مقررہ رقم اور مال وصول کر لیا۔ اس کے علاوہ اسے بڑے نذرانے اور قیمتی پیش کش بھی حاصل ہوئی۔ اس درمیان میں تیموری لشکر کے کئی سپاہیوں کو شہر والوں نے قتل کر دیا۔ جب تیمور کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے تمام شہر والوں کی عام گرفتاری کا حکم دیا اور دہلی کے رہنے والے بے شمار لوگوں کو ماوراء النہر پہنچا دیا۔

شیخ احمد کھٹو

ان قید ہونے والوں میں شیخ احمد کھٹو24 بھی تھے جن کا مزار گجرات کے قریب ہے وہ بھی تیمور کے لشکر کے ساتھ گئے تھے۔ تیمور سے ان کی ملاقات بھی ہوئی اور تیمور ان کے فضل وکمال کا بڑا معتقد ہو گیا۔ انھوں نے ماوراء النہر کے تمام علماء کو مباحثے میں لاجواب کر دیا اور تیمور سے قیدیوں کی رہائی کی سفارش کی۔ تیمور نے انکی خاطر سارے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ بلا شبہ شیخ کا اہل ہند پر بڑا احسان ہے۔ اس فتح کے کچھ دن خسرو خان اور بہادر ناہر میواتی جو میوات کے پہاڑوں میں ڈر کر چھپ گئے تھے، امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تیمور نے خضر خان کے سوا باقی سب کو قید کر لیا۔ خضر خان کی غالباً امیر تیمور سے کچھ شناسائی تھی اس لیے وہ بچ گیا۔

لاہور پر تیمور کا حملہ

خضر خان کو دیپالپور اور ملتان کا مالک بنا کر اس سے کہا کہ دہلی بھی ہم نے تجھے عطا

کر دی۔ امیر تیمور لاہور سے کابل ہوتا ہوا قندھار کے راستے سمرقند چلا گیا۔ اس سال دہلی میں ایسی وبا پھیلی اور اتنا سخت قحط پڑا کہ اس کی بربادی اور ویرانی میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ شہر اور گاؤں ایسے اجڑے کہ انسان تو انسان کسی چرند پرند کا سایہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

ہندستان کی بدتر حالت

نصرت شاہ جو اقبال خان کے مقابلے سے بھاگ کر دوآبہ میں چلا گیا تھا اس موقعے کو غنیمت جان کر میرٹھ آیا، وہاں سے سیدھا دہلی پہنچ گیا۔ جو لوگ مغلوں کے ظلم سے جان بچا کر ادھر ادھر چھپے بیٹھے تھے وہ سب اور عادل خان اس کے گرد جمع ہو گئے اور اچھا خاصا لشکر بن گیا۔ اب نصرت شاہ نے شہاب الدین خان کے مقابلے کے لیے برن کی طرف کوچ کیا لیکن راستے میں انھیں ہندوؤں نے قتل کر دیا۔ اقبال خان نے پیش قدمی کر کے اس کے مال واسباب اور ہاتھیوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی سے اقبال خان کا اقبال چمک اٹھا اور روز بروز اس کی جمیعت میں ترقی ہوتی گئی اور نصرت شاہ کی رونق اٹھتی چلی گئی۔ اقبال خان نے پوری تیاری کے بعد برن سے دہلی کی طرف کوچ کیا اس کی لشکر کشی کی خبر سنتے ہی نصرت شاہ فیروز آباد سے میوات کی طرف بھاگ گیا جہاں اس کا انتقال ہوا۔ اس وقت ہندستان کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ جہاں جس نے قدم جما لیا وہ خود کو ہندستان کا سلطان سمجھنے لگا تھا۔

اقبال خان کی کاروائیاں

802ھ/1399ء میں اقبال خان نے بیانہ کے حاکم شمس خان اوحدی پر حملہ کیا، نوہ اور پٹیل کے جنگل میں ان کا مقابلہ ہوا جس میں اقبال خان کو فتح نصیب ہوئی اور شمس خان شکست کھا کر بیانہ کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ بیانہ کے بعد اقبال خان نے کنبھر پر حملہ کیا اور وہاں کے راجہ رائے ہر سنگھ سے کافی مال بطور پیش کش لے کر واپس ہوا۔ اسی سال جونپور

میں خواجہ جہاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ ملک مبارک قرنفل، مبارک شاہ کے خطاب سے قائم مقام بنا۔ 803ھ/1400ء میں بیانہ کے شمس خان اور بہادر ناہر خان کے لڑکے مبارک خان نے اقبال خان سے صلح کر لی اور اس نے دونوں کو اپنے ہمراہ لے کر پٹیالی کی سرحد پر حملہ کر دیا۔ آب سیاہ جو کہ کالے پانی سے مشہور ہے وہاں کے مقدم رائے سیر کو شکست دے کر بھگا دیا اور ان کافروں کا اٹاوہ تک پیچھا کیا۔ اقبال خان جب فوج کشی کرتے ہوئے قنوج پہنچا تو وہاں گنگا کے دوسرے کنارے پر مبارک شاہ جونپور سے کوچ کر کے پہنچ گیا تھا اور اس کی فوج مقابلے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اقبال خان نے اس کنارے پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ فریقین میں سے کسی کو بھی گنگا عبور کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور دونوں اپنے اپنے علاقے کو لوٹ گئے۔ دریا سے واپسی پر اقبال خان نے شمس خان اور مبارک خان کو بر طرف کر کے قتل کر دیا۔ اسی سال ایک بادشاہی غلام نے جو سامانہ کا حاکم تھا کافی بڑی جمعیت اکٹھی کر لی اور 9 رجب 803ھ/1400ء میں اجودھن کے علاقے میں اس نے خضر خان سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر قصبہ بھوہر میں جا چھپا۔ غالب خان اور دوسرے امیروں نے متحد ہو کر اسے قتل کر ڈالا۔

سلطان محمود دہلی میں

804ھ/1401ء میں محمد شاہ کا بیٹا سلطان محمود دہار سے دہلی آیا۔ اقبال خان دکھاوے کے لیے اس کے استقبال کے لیے آیا اسے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ لے جا کر کوشک جہان نما میں ٹھہرایا، لیکن سلطنت کے سارے اختیارات اسی طرح اپنے ہاتھ میں رکھے یہ بات سلطان محمود کو بڑی گراں گزری لیکن وہ بالکل مجبور و بے بس تھا۔ اسی سال مبارک شاہ مر گیا۔ سلطان ابراہیم اس کا چھوٹا بھائی جانشین بنا۔ ابراہیم لشکر تیار کر کے اقبال خان اور سلطان محمود کے مقابلے کے لیے آیا۔ سلطان محمود اقبال خان سے بدگمانی رکھتا تھا وہ لڑائی ہونے سے پہلے شکار کے بہانے اقبال خان کے لشکر سے بھاگ نکلا اور سلطان ابراہیم کے پاس پہنچ گیا سلطان ابراہیم نے اس سے بڑی بے رخی اور لاپروائی برتی اسی

عرصے میں سلطان محمود نے قنوج سے شاہزادہ فتح خان ہروی کو جو مبارک شاہ کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا، نکال کر قلعہ قنوج پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کی تمام رعایا اس کی حامی بن گئی۔ سلطان ابراہیم جونپور اور اقبال خان دہلی کی طرف بغیر لڑے لوٹ گئے اور سلطان محمود نے صرف قنوج پر ہی تسکین کر لی۔ 804ھ/1401ء میں اقبال خان نے گوالیار پر حملہ کیا۔ مغلوں کے حملہ کے دوران یہ قلعہ ہر سنگھ نے مسلمانوں سے چھین لیا تھا۔ اقبال خان نے قلعہ کو ہر سنگھ کے بیٹے بیرم دیو کو شکست دے کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

تاتار خان کی ہلاکت

807ھ/1404ء میں تاتار خان ناخلف نے اپنے باپ ظفر خان کو دھوکے سے قید کر کے اساول بھیج دیا۔ سلطان ناصر الدین نے محمد شاہ خطاب رکھ کر ایک بڑا لشکر جمع کیا اور دہلی کی طرف پیش قدمی کی، لیکن راستے میں اس کے چچا شمس خان نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا اس طرح ظفر خان کو قید سے رہائی دی۔ سارا لشکر اس کے ساتھ ہو گیا۔ 807ھ/1404ء میں اقبال خان نے گوالیار اور اٹاوے کا رخ کیا۔ اس نواح کے جتنے بھی راجہ تھے وہ سب اٹاوے کے قلعے میں اکٹھے ہو گئے۔ چار ماہ تک لڑائی ہوتی رہی آخر کار ان راجاؤں نے چار ہاتھی اور کچھ پیش کش دے کر صلح کر لی۔ اقبال خان نے اٹاوے سے لوٹ کر قنوج کے قلعے پر سلطان محمود سے مقابلے کے لیے حملہ کیا لیکن قلعے کی مضبوطی سے لاچار ہو کر دہلی واپس ہو گیا۔

اقبال خان کا انجام

محرم 808ھ/1405ء میں اقبال خان سامانہ اور پھر وہاں سے روپڑ کی طرف گیا اور بہرام خان ترک بچہ کو جو سارنگ خان کا مخالف ہو گیا تھا۔ دھوکے سے گرفتار کر کے اس کی کھال کھنچوادی اور وہاں سے خضر خان کے مقابلے کے لیے ملتان کا رخ کیا۔ تلونڈی سے

وہاں کے زمینداروں رائے کمال الدین وغیرہ کو اپنے ہمراہ لے کر آگے بڑھا۔ اسی سال 19 جمادی الاول کو ضلع اجودھن میں خضر خان سے مقابلہ ہوا۔ اقبال خان کا اقبال رو بہ زوال تھا اس لیے پہلے ہی حملے میں اسے شکست ہوئی اس کا گھوڑا زخمی ہو گیا تھا اس لیے وہ معرکہ گاہ سے جان بچا کر نکل نہ سکا۔ خضر خان کے لشکریوں نے اس کا تعاقب کر کے پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر فتح پور ضلع ملتان میں بھیج دیا۔

سلطان محمود کی دوبارہ تخت نشینی

808ھ/1404ء ماہ جمادی الآخر میں امرائے دہلی کے بلانے پر سلطان محمود قنوج سے دہلی آ کر دوبارہ تخت نشین ہوا۔ سب امیروں کو مناصب تقسیم کیے۔ مبارک خان کے خاندان کو کول کی طرف روانہ کر دیا۔ 809ھ/1405ء میں سلطان محمود قنوج کے ارادے سے روانہ ہوا لیکن سلطان ابراہیم نے گنگا عبور کر کے راستہ روک دیا اور مقابلے کے لیے صف آرائی کر لی لیکن دونوں فریق بغیر لڑے اپنے اپنے علاقے کو لوٹ گئے۔ ابراہیم نے دوبارہ فوج کشی کر کے قنوج کا محاصرہ کر لیا۔ قنوج میں سلطان محمود کی طرف سے ملک محمود ترمنی ناظم تھا، اس نے چار مہینے تک حملہ آوروں سے مدافعت کی لیکن جب کسی طرف سے بھی مدد نہ ملی تو مجبوراً امان لے کر قنوج ابراہیم کے حوالے کر دیا۔ ابراہیم نے برسات قنوج میں گزاری پھر اختیار خان کو قنوج میں چھوڑ کر دہلی کی تسخیر کے ارادے سے کوچ کیا۔

دہلی پر سلطان ابراہیم کا حملہ

810ھ/1407ء میں سلطان محمود کے کچھ آدمی باغی ہو کر ابراہیم سے آ کر مل گئے۔ ان باغیوں میں نصرت خان گرگ انداز، تاتار خان ولد سارنگ خان، اقبال خان کا غلام ملک مرحبا وغیرہ شامل تھے۔ البتہ اسد خان لودی سنبھل میں قلعہ بند ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی دن سلطان ابراہیم نے قلعہ سنبھل کو فتح کر لیا اور اسے تاتار خان کے سپرد کر دیا اور گنگا عبور

کر کے دہلی کی طرف یلغار کی۔ جب جمنا کے کنارے پہنچا تو اسے خبر ملی کہ ظفر خان نے وہار کو تسخیر کر کے جونپور کی طرف فوج کشی کر دی ہے یہ سن کر سلطان ابراہیم نے دہلی کا خیال چھوڑ دیا اور برن میں ملک مرحبا کو متعین کر کے بڑی تیزی سے جونپور پہنچا۔ سلطان محمود نے اس کا پیچھا کر کے مرحبا کو قتل کر دیا۔ سنبھل کا قلعہ بھی بغیر لڑے اس کے ہاتھ آ گیا اسے سلطان نے اسد خان لودی کے حوالے کر دیا۔ تاتار خان قنوج بھاگ گیا۔ ان اقدامات کے بعد سلطان محمود دہلی لوٹ آیا۔

دہلی پر خضر خان کا حملہ

اسی سال خضر خان نے بڑی تیاریوں کے ساتھ پیش قدمی کی اور دولت خان کو سامانہ سے بے دخل کر دیا۔ وہاں کے سارے امیر خضر خان کے ساتھ ہو گئے، دھیرے دھیرے دہلی کے قریب تک کا سارا علاقہ خضر خان کے ہاتھ آ گیا، صرف روہتک اور دوآبہ کا درمیانی ملک سلطان محمود کے پاس رہ گیا۔ 811ھ/1408ء میں سلطان محمود نے حصار فیروز کا رخ کیا۔ وہاں خضر خان کی طرف سے قوام خان ناظم تھا اسے بھگا کر سلطان محمود نے حصار فیروز26ے پر قبضہ کر لیا اور علاقہ رنہ تک فوج کشی کر کے دہلی لوٹ آیا۔ خضر خان نے بھی فتح آباد سے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ روہتک کے راستے پیش قدمی کی، دہلی پر حملہ کر کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت دہلی میں بڑا شدید قحط پڑا تھا۔ اس لیے وہاں ٹھہر نہ سکا اور دوآبہ کے علاقے پر قبضہ کر کے فتح پور لوٹ گیا۔ 812ھ/1409ء میں بیرم خان ترک بچہ نے خضر خان کی ملازمت اختیار کر لی۔ بیرم خان نے بہرام خان کے بعد سامانہ پر قبضہ کر لیا تھا اور دولت خان سے شکست کھا کر خضر خان کے پاس آ گیا تھا، پھر خضر خان سے بغاوت کر کے دوبارہ دولت خان سے جا کر مل گیا تھا۔ خضر خان نے اسے سابقہ جاگیر عطا کر دی۔ 813ھ/1410ء میں خضر خان نے روہتک کا محاصرہ کر لیا اور چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد اسے فتح کر کے فتح پور واپس چلا گیا اسی سال سلطان محمود بھی کیتھل کی طرف گیا اور وہاں سے لوٹ کر دہلی آ گیا۔

خضر خان کا دہلی پر دوسرا حملہ

814ھ/1411ء میں خضر خان نے نارنول اور میوات پر حملہ کر کے بڑی لوٹ مار مچائی اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ سلطان محمود سیری کے قلعہ میں اور اختیار خان فیروز آباد میں قلعہ بند ہو گیا، کئی دنوں تک لڑائی جاری رہی آخر غلے کی گرانی کی وجہ سے خضر خان پانی پت کے راستے فتح پور چلا گیا۔

سلطان محمود کی وفات

815ھ/1412ء میں محمود کا انتقال ہو گیا اور فیروز شاہ کے خاندان کی سلطنت ختم ہو گئی۔ سلطان محمود نے اتنے فتنہ وفسادات کے باوجود بیس سال دو ماہ حکومت کی۔

محمودی عہد کا شاعر

سلطان محمود کے عہد کا سب سے بڑا شاعر قاضی ظہیر دہلوی گزرا ہے۔ اس کا ایک دیوان مدحیہ قصائد پر مشتمل ہے:

وارث سلطنت قاہرہ سلطان محمود
کہ جہان خدمت جد و پدرش بگزیدہ!

حقیقت تو یہ کہ ہندستان میں قاضی ظہیر کے بعد ایسا بڑا شاعر کوئی اور نہیں گزرا۔

دولت خان اور خضر خان کے مقابلے

سلطان محمود کے انتقال کے بعد مبارز خان، والی روہتک نے جو روہتک کے نگراں تھے، ملک ادریس اور دوسرے امرا نے خضر خان کے مقابلے میں دولت خان سے موافقت

کر لی، خضر خان اس سال فتح پور ہی میں رہا۔ 816ھ/1413ء میں دولت خان شکار کے لیے کٹیھر گیا اور وہاں کے تمام راجاؤں کو گرفتار کر کے پٹیالی کا رخ کیا۔ اس جگہ بدایوں کا حاکم مہابت خان بھی اس سے آ کر مل گیا۔ اسی سال سلطان ابراہیم نے کالپی 27 لے میں قادر خان ولد محمود خان کو گھیر لیا۔ دولت خان کے پاس لشکر زیادہ نہ تھا اس لیے اس نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور دونوں میں سے کسی کو مدد نہ دی۔ اسی سال ماہ ذی القعدہ میں خضر خان فیروز آباد آیا۔ وہاں کے تمام امیر اس سے آ کر مل گئے۔ ملک ادریس روہتک میں قلعہ بند ہو گیا، خضر خان وہاں سے میوات چلا گیا اور بہادر ناہر کے بھتیجے جلال خان میواتی کو ہمراہ لے کر سنبھل پر حملہ کیا اور اسے خوب لوٹا۔

دہلی پر خضر خان کا تیسرا حملہ

816ھ/1413ء ذی الحجہ میں خضر خان نے دہلی پر حملہ کیا اور شہر سے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ دولت خان قلعہ بند ہو گیا لیکن خضر خان کے طرف داروں، ملک لونا وغیرہ کی بے رخی کی وجہ سے مقابلے سے عاجز آ گیا اور بڑی عاجزی سے امن طلب کر کے خضر خان کے پاس حاضر ہو گیا۔ خضر خان نے اسے قید کر کے قوام خان کے سپرد کر دیا۔ قوام خان نے اسے حصار فیروز آباد لے جا کر قتل کر ڈالا یہ واقعہ 17 ربیع الاول 816ھ/1413ء کو پیش آیا۔

سلطان خضر خان بن ملک اشرف

خضر خان پایہ تخت ہند، دہلی کو فتح کرنے کے بعد 816ھ/1413ء میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

خضر خان کا خاندان

فیروز شاہ کے زمانے میں خضر خان کے دادا ملک سلیمان کو ملک نصیر الملک مروان نے

منھ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین بخاری 28؎ کسی کام سے ملک مروان کے گھر آئے۔ کھانے کے وقت ملک سلیمان حضرت کا ہاتھ دھلانے کے لیے آفتابہ اور طشت لے کر سامنے آیا۔ حضرت مخدوم نے اسے دیکھ کر فرمایا ''اس سید زادے سے ایسی خدمتیں لینا مناسب نہیں''۔ اس دن سب کو علم ہوا کہ ملک سلیمان نجیب سید ہے ویسے بھی اس کے طور طریقے سیدوں جیسے ہی تھے۔ ملک مروان جس کا ذکر کیا گیا، فیروزشاہ کے زمانے میں ملتان کا حاکم تھا۔ اس کے مرنے پر ملتان اس کے بیٹے ملک شیخ کو مل گیا۔ کچھ دن بعد جب اس نے بھی وفات پائی تو ملتان کا علاقہ ملک سلیمان کے سپرد ہو گیا۔ کچھ دن بعد جب ملک سلیمان کا انتقال ہوا تو ملتان کا صوبہ اور اس کے ماتحت تمام علاقے فیروزشاہ نے اس کے پوتے خضر خان کے حوالے کر دیے۔

رایاتِ اعلیٰ

ملتان کی عملداری سے بتدریج ترقی کر کے خضر خان بادشاہی کے بلند درجہ تک پہنچ گیا لیکن اس نے بادشاہی کا خطاب اختیار نہیں کیا صرف ''رایات اعلیٰ'' اپنا لقب مقرر کر کے سلطنت کا انتظام سنبھال لیا۔

تاج الملک کی فوج کشی

816ھ/1413ء میں خضر خان نے سلطان محمود کے قصر میں قیام کیا اور خاص و عام ہر ایک کو انعامات دیے۔ اپنے مقربوں کو مناصب و خطابات تقسیم کیے۔ جلوس کے پہلے سال ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دے کر پورب کی طرف روانہ کیا۔ تاج الملک جب دریائے گنگا عبور کر کے کٹیھر پہنچا تو وہاں کے سرکش رائے ہر سنگھ وغیرہ آنولہ کے جنگل میں روپوش ہو گئے۔ تاج الملک نے کٹیھر کو لوٹ کر پامال کر دیا۔ مہابت خان حاکم بدایوں بھی ملاقات کے لیے اس کے پاس حاضر ہوا۔ رائے ہر سنگھ بھی آخر کار حاضر خدمت ہوا اور سالانہ اخراج

میں ایک بھاری رقم دینی منظور کی۔ کیتھر سے تاج الملک اور مہابت خان نے ایک ندی کے کنارے کوچ کیا اور دونوں سرگدواری پہنچے۔ وہاں گنگا عبور کر کے کھور کہ، کنپلہ 29 اور پٹیالی پر فوج کشی کی اور وہاں کے باغیوں کی اچھی طرح خبر لی اس کے بعد قصبہ سکینہ اور یادہم سے گزر کر راپڑی پہنچے۔ راپڑی پر حسن خان اور اس کے بھائی ملک حمزہ کی حکومت تھی۔ یہ دونوں بھائی اور رائے سرحاکم چندوار گوالیار کے سرداروں کے ساتھ حاضر ہو گئے اور سالانہ خرچ دینے کا اقرار کیا۔ تاج الملک نے وہاں سے قصبہ جلیسر کا رخ کیا اور اسے چندوار کے ہندوؤں کے قبضے سے نکال کر اس جگہ ایک مسلمان حاکم مقرر کیا۔ یہاں سے فوجی کارروائی کر کے آب سیاہ یعنی کالا پانی کے علاقے کو فتح کر لیا اور اٹاوہ کے ہندوؤں کا صفایا کر کے دہلی لوٹ آیا۔

شہزادہ مبارک

818ھ/1415ء میں خضر خان نے اپنے چھوٹے لڑکے مبارک کو جس کے خدوخال سے بادشاہی کے آثار جھلکتے تھے۔ فیروز پور، سہرند اور بیرم خان ترک بچہ کا سارا علاقہ حوالے کر دیا اور علاقے کے نظم ونسق پر اسے کامل اختیارات دے دیے۔ اس شاہزادہ کا نائب ملک سدھو نادرہ کو مقرر کیا گیا۔ شاہزادے نے اسی سال سدھو نادرہ، زیرک خان امیر سامانہ اور دوسرے امرا کے ساتھ پورے علاقہ کا دورہ کیا اور سارے بندو بست کو انجام دے کر دہلی لوٹ آیا۔

گوالیار اور بیانہ پر حملہ

819ھ/1416ء میں خضر خان نے ملک تاج الملک کو بڑا لشکر دے کر گوالیار اور بیانہ کی طرف رخصت کیا۔ شمس خان اوحدی کا بھائی ملک کریم الملک بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ تاج الملک اس پورے علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور پورے علاقے پر قبضہ کر کے دہلی لوٹ آیا۔

ترکوں کی سرکشی

اسی سال بیرم خان کے ترکوں نے ملک سادھونادرہ کو جو شہزادے کی طرف سے سہرند میں ناظم تھا دھوکے سے پکڑ کر قتل کر دیا اور سہرند پر قبضہ کرلیا خضر خان کے حکم سے زیرک خان اس طرف گیا اور وہاں کا انتظام کر کے واپس ہوا۔ اسی سال گجرات کے حاکم سلطان احمد نے ناگور کا محاصرہ کرلیا لیکن جب خضر خان کے آنے کی خبر سنی تو محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا۔

گوالیار پر خضر خان کا حملہ

خضر خان نے جھابن پہنچ کر وہاں کے حاکم الیاس خان کو بلایا۔ پھر وہاں سے گوالیار گیا۔ گوالیار کا قلعہ فتح نہ ہو سکا لیکن خراج اور پیش کش میں کافی مال و دولت وصول ہو گئی۔ گوالیار سے بادشاہ نے بیانہ کا رخ کیا۔ شمس خان اوحدی حاکم بیانہ نے اطاعت قبول کرلی۔ 820ھ/1418ء میں طوغان رہجی ترک سردار نے جس کے آدمیوں نے ملک سادھو کو قتل کیا تھا دوبارہ سرکشی کی۔ زیرک خان نے دوبارہ جا کر ان کو منتشر کر دیا۔

شاہی لشکر کے اقدامات

821ھ/1418ء میں خضر خان کٹیھر میں آیا۔ ہرسنگھ دیو اس آنولہ کے جنگل میں جو چوبیس کوس کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا روپوش ہو گیا۔ وہاں سے کچھ دن تک مقابلہ کرتا رہا آخر شکست کھا کر کمایوں کی طرف بھاگ گیا۔ تاج الملک نے رہب ندی اتر کر پہاڑوں تک اس کا تعاقب کیا اور وہاں سے بدایوں آیا۔ حاکم بدایوں مہابت خان کو ساتھ لے کر گنگا کو بجلانہ کے گھاٹ سے عبور کیا، وہاں سے مہابت خان کو رخصت کر کے اٹاوہ تک فوج کشی کی اور کافی مال غنیمت لے کر دہلی واپس آیا۔

بادشاہ کے خلاف بغاوت

اسی سال خضر خان نے دوبارہ کٹیھر پر حملہ کیا اور کول کے راستے سے پٹیالی پہنچ گیا۔ وہاں سے گنگا پار کر کے بدایوں کا عزم کیا۔ اس بار مہابت خان خوفزدہ ہو کر قلعہ بلند ہو گیا اور برابر چھ ماہ تک بادشاہ کا مقابلہ کرتا رہا۔ خضر خان قلعہ کو فتح کر لیتا لیکن اسی دوران اسے اطلاع ملی کہ محمود شاہ کے قدیم امیر قوام خان اور اختیار خان جو دولت خان کو چھوڑ کر خضر خان سے آ کر مل گئے تھے بغاوت کی سازش کر رہے ہیں اس اطلاع کے ملتے ہی وہ بدایوں کو چھوڑ کر دہلی واپس چلا گیا اور 822ھ/1419ء میں گنگا کے کنارے ان باغی امیروں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

نقلی سارنگ خان

822ھ/1419ء میں ایک غیر معروف شخص نے سارنگ خان ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ سارنگ خان ایک مدت پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ اس شخص نے بہت سے لوگوں کو جمع کر لیا۔ جب اس کا فتنہ بہت بڑھا تو خضر خان نے سلطان شاہ لودی کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا۔ سہرند کے علاقے میں بہت سخت لڑائی ہوئی، آخر نقلی سارنگ خان شکست کھا کر پہاڑوں میں بھاگ گیا۔

تاج الملک کا انتقال

اسی سال خضر خان نے تاج الملک کو دوبارہ اٹاوہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کا زمیندار رائے سیر قلعہ میں بند ہو گیا۔ اس نے معافی چاہی اور اپنے ذمے کا روپیہ ادا کرنے کا عہد کیا۔ تاج الملک وہاں سے چندوار گیا اور خوب لوٹ مار کر کے کٹیھر آیا اور وہاں سے دہلی لوٹ گیا۔ اسی سال تاج الملک کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ملک سکندر وزیر مقرر ہوا۔ طوغان ترک نے سہرند میں پھر چڑھائی کی اس بار خیر الدین نے حملہ آور کو روکا۔

میوات اور گوالیار پر حملہ

824ھ/1421ء میں خضر خان نے میوات کی طرف توجہ کی اور کوٹلہ کے قلعہ کو فتح کر کے وہاں سے گوالیار پر فوج کشی کی اور گوالیار کے راجہ سے بہت سامال اور قیمتی پیش کش لے کر اٹاوہ چلا گیا اور وہاں رائے سیر کو قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے نے اطاعت قبول کر لی۔

خضر خان کی وفات

خضر خان اٹاوہ ہی سے بیمار ہو کر دہلی آیا، دہلی پہنچے کے بعد 17 جمادی الثانی 824ھ/1421ء میں اسکا انتقال ہو گیا۔ اس کی مدت سلطنت سات سال چند ماہ رہی:

جہان ای برادر نماند بہ کس
دل اندر جہان آفرین بندو بس

سلطان مبارک شاہ بن خضر خان

سلطان خضر خان کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ تمام امرا کی اتفاق رائے سے 824ھ/1421ء میں تخت نشین ہوا۔

جسرت کھوکھر کی وفات

اسی سال شیخا کھوکھر کے بیٹے جسرت کھوکھر نے بغاوت کی۔ اس بغاوت کا محرک یہ تھا کہ سلطان علی کشمیر کے بادشاہ نے ٹھٹھہ کی جیت کے ارادے سے فوجی کاروائی کی تھی۔ جسرت نے پہاڑ کی گھاٹی میں دھوکے سے اسے شکست دے کر سارا ساز وسامان لوٹ لیا۔ اس کامیابی کا اسے ایسا گھمنڈ ہوا کہ سلطنت دہلی کے خواب دیکھنے لگا اور ایک بڑی جمعیت اکٹھی کر کے بیاس اور ستلج عبور کر کے تلونڈی کے کنارے آیا وہاں رائے فیروز اس کا مقابلہ نہ

کر سکا اور بھاگ گیا۔ اب جسرت کے لیے میدان کھلا ہوا تھا وہ کداہنہ تک بڑھ آیا اور ستلج کے ساحلی علاقوں کو روپڑ تک لوٹ کر تباہ کر دیا پھر آگے بڑھ کر جالندھر پہنچا۔ زیرک خان جالندھر میں قلعہ بند ہو گیا۔ جسرت نے سرستی کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ پہلے تو صلح کر لی پھر دھو کے سے زیرک خان کو قید کر لیا۔ جب جسرت کی ان جسارتوں کی مسلسل خبریں مبارک شاہ کو ملیں تو وہ خود جسرت کے مقابلے کے لیے آیا۔ جسرت کو بادشاہ کے آنے کی خبر ملی تو اس نے زیرک خان کو رہا کر دیا۔ چنانچہ وہ سامانہ میں مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مبارک شاہ جب لدھیانہ پہنچا تو جسرت نے لدھیانہ کی ندی عبور کر کے مقابلے کے لیے صف آرائی کر لی۔ اس علاقے کی ساری کشتیاں جسرت نے اپنے اختیار میں کر لی تھیں اس لیے مبارک شاہ اس سے پہلے دریا کو پار نہیں کر سکا۔ جب کچھ دن بعد دریا میں پانی کم ہو گیا تو شاہی لشکر نے دریا پار کیا۔ شاہی لشکر کی پیش قدمی سے جسرت ڈر کر بھاگ گیا اور چناب پار کر کے پہاڑی مقام بیلھر کی جانب چلا گیا۔ مبارک شاہ نے تعاقب کر کے اس کے بہت سے سوار اور پیادے قتل کر دیئے اور کافی مال واسباب لوٹا۔

لاہور کو از سر نو آباد کرنا

اس مقام پر جموں کا زمیندار رائے بہلیم مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لشکر کے ساتھ مل گیا۔ مبارک شاہ نے لاہور پہنچ کر ایک ماہ تک راوی کے کنارے قیام کیا اور لاہور شہر کو جو پچھلے تباہ کن ہنگاموں میں ویران ہو چکا تھا از سر نو آباد کرایا۔ لاہور کے قلعے کی مرمت کرائی اور ملک محمود کو جس کا خطاب ملک الشرق تھا وہاں چھوڑ کر دہلی واپس لوٹ آیا۔ مبارک شاہ کے لاہور پہنچنے کا سنہ 825ھ/1422ء ہے۔

لاہور پر جسرت کی چڑھائی

پانچ ماہ بعد جسرت نے دوبارہ ایک لشکر جمع کر کے لاہور پر چڑھائی کی اور حضرت شیخ

حسن زنجانی 30 کے مزار کے قریب اپنا خیمہ لگایا۔ جسرت کی فوج ہر روز شہر پر حملہ کرتی تھی لیکن اسے شکست کھا کر پسپا ہونا پڑتا تھا۔ جب کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً کلانور کی طرف پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں اس کی خبر لینے کے لیے رائے بہلیم کی جمعیت تیار تھی۔ فریقین میں لڑائی ہوئی لیکن جلد ہی صلح ہو گئی۔ مبارک شاہ نے ملک محمود حسن کی مدد کے لیے دہلی سے ملک سکندر کو بھیجا۔ اس نے بیاس ندی کو بوہی کے گھاٹ سے پار کیا۔ جب جسرت کو خبر ملی کہ ملک سکندر لاہور پہنچ چکا ہے تو وہ چناب ندی پار کر کے تلواہ کی پہاڑی کی جانب بھاگ گیا۔ شاہی لشکر اس فتنے کو ختم کر دہلی لوٹ آیا۔

شمس آباد پر دھاوا

826ھ/1423ء میں مبارک شاہ کٹیھر گیا۔ یہاں مہابت خان بدایونی نے جو خضر خان کے عہد میں باغی ہو گیا تھا حاضر ہو کر باریابی حاصل کی۔ مبارک شاہ نے اس پر بڑے رحم و کرم کیے۔ کٹیھر سے کوچ کر کے بادشاہ نے گنگا کو پار کیا، اور کھور عرف شمس آباد کے علاقے میں بنواروں کے علاقہ کو لوٹ لیا اور اسے تباہ کر دیا۔ یہاں کے باغیوں کے بندوبست کے لیے ملک مبارز خان، زیرک خان اور کمال خان کو بھاری لشکر دے کر کنپلہ کے قلعے میں مقرر کر دیا اور خود دہلی واپس آ گیا۔

الپ خان کی بغاوت

826ھ/1423ء میں وہار کے حاکم الپ خان نے گوالیار پر حملہ کیا۔ جب مبارک شاہ کو یہ خبر ملی تو وہ گوالیار کی جانب روانہ ہوا۔ بیانہ کے قریب پہنچا تو محمد خان اوحدی کا بیٹا جو بیانہ کا حاکم تھا قلعے میں بند ہو گیا۔ اس نے اپنے چچا مبارک خان سے بغاوت کر کے اسے قتل کر دیا تھا۔ اسی قتل کے ڈر سے اس نے بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا لیکن وہ زیادہ دنوں تک قلعہ کے اندر بند نہیں رہ سکا اور جلد ہی اطاعت اختیار کر لی۔ بیانہ سے فارغ ہو

کر مبارک شاہ نے گوالیار کی طرف کوچ کیا۔ الپ خان نے شاہی لشکر کا راستہ روکنے کے لیے چنبل ندی کے کنارے پر مورچہ بندی کر لی تھی لیکن مبارک شاہ نے اسے غفلت میں رکھ کر ایک دوسرے گھاٹ سے چنبل کو پار کیا اور حملہ آور ہو کر الپ خان کے لشکر کو تہس نہس کر دیا۔ آخر الپ خان نے بھاری پیش کش دے کر صلح کر لی اور اپنے علاقے کی جانب لوٹ گیا، بادشاہ بھی دہلی واپس آ گیا۔

ہندستان میں قحط

827ھ/1424ء میں مبارک شاہ نے دوبارہ کیٹھر اور کمایوں کا رخ کیا۔ وہاں سے واپسی پر میوات کو بُری طرح پامال کر دیا۔ اسی سال ہندوستان میں بہت شدید قحط پڑا تھا۔ 829ھ/1426ء میں بادشاہ نے پھر میوات پر فوج کشی کی اور اندور اور الور کے قلعے فتح کر لیے۔

گوالیار کے راجاؤں کی اطاعت

831ھ/1428ء میں اس نے بیانہ سے محمد خان اوحدی کے عمل دخل کو ختم کر دیا اور اپنے ایک غلام ملک مقبل کو بیانہ کی حکومت دے دی۔ سیکری کو ملک خیر الدین تحفہ کو تفویض کیا۔ اوحدی کے سارے خاندان کو بیانہ سے ہٹا کر کوشک جہان نما میں ٹھہرا دیا۔ ان انتظامات کے بعد گوالیار پر فوج کشی کی۔ اس مرتبہ وہاں کے سارے راجاؤں نے اطاعت قبول کر لی۔

ملک شرقی سے مقابلہ

831ھ/1428ء میں حاکم کالپی قادر خان کے قاصدوں نے آ کر اطلاع دی کہ ملک شرقی نے کالپی کا محاصرہ کر لیا۔ مبارک شاہ قادر خان کی مدد کے لیے دہلی روانہ ہوا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ ایک شرقی بھون گاؤں میں پہنچ چکا ہے اور وہاں سے بدایوں کا ارادہ کر رہا

ہے۔ بادشاہ نے تیزی سے کوچ کیا اور نوہ ٹیل کے گھاٹ سے جمنا پار کر کے موضع جرتولی اور پھر وہاں سے اتر ولی پہنچ گیا۔ یہاں مخبروں نے اطلاع دی کہ ملک شرقی کا بھائی مختص خان ایک بڑا لشکر اور ہاتھی لے کر اٹاوہ کی سرحدوں پر پہنچ گیا ہے۔ مبارک شاہ نے ملک الشرق محمود حسن کو دس ہزار سوار دے کر مختص خان کی طرف روانہ کیا۔ جب اسے شاہی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اپنے بھائی ملک شرقی سے جاملا۔ اس وقت ملک شرقی نے آب سیاہ یعنی کالے پانی کو گھیر لیا اور قصبہ برہان آباد کے قریب جو اٹاوہ کے تحت ہے، مقیم تھا۔

ملک شرقی کا فرار ہونا

مبارک شاہ نے اترولی سے کوچ کیا اور کوٹہ میں آ کر رُکا لیکن ملک شرقی مقابلہ کیے بغیر راپڑی چلا گیا، وہاں سے جمنا پار کر کے بیانہ پہنچا اور کٹیھر کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ مبارک شاہ اس کا پیچھا کرتا ہوا چندوار پہنچ گیا۔ اب دونوں لشکر چار کوس کے فاصلے پر بالمقابل تھے روزانہ فریقین میں صف آرائی اور جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ بیس دن تک لڑائی کا یہی رنگ رہا آخر ملک شرقی نے ایک دن پوری تیاری سے حملہ کیا، دوپہر سے شام تک گھسان لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن ملک شرقی میدان چھوڑ کر اپنے علاقہ کی جانب بھاگ گیا اور مبارک شاہ نے اس خیال سے کہ دونوں طرف مسلمان ہیں ناحق خون بہے گا اس کا پیچھا نہیں کیا۔

حاکم بیانہ کی اطاعت

ملک شرقی کو بھگا کر بادشاہ نے رستگالی پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے چنبل کے ساحل پر قبضہ کرتے ہوئے بیانہ پہنچا۔ محمد خان اوحدی ملک شرقی کے ساتھ ہو گیا تھا اب جو شاہی لشکر آیا تو وہ خوفزدہ ہو کر قلعے میں بند ہو گیا پھر معافی طلب کرتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس کے بعد مبارک شاہ دہلی چلا گیا۔ 823ھ/1428ء میں ملک الشرقی

حسن محمود جو بیانہ میں رہ گیا تھا اس ضلع کا نظم و نسق درست کر کے اور ان لوگوں کو سزائیں دے کر جو محمد خان اوحدی کے گرد جمع ہو گئے تھے، دہلی لوٹ آیا۔ اسی سال ملک رجب نادرہ جو کہ ملتان کا حاکم تھا، مر گیا اور اس کی جگہ ملک محمود حسن کا تقرر ہوا۔ بادشاہ نے اسے عماد الملک کا خطاب عطا کیا۔

فولاد کی فتنہ انگیزی

823ھ/1429ء میں ملک شاہ نے بیانہ کے راستے کوچ کیا اور گوالیار پہنچا۔ راپڑی سے حسن خان کو ہٹا کر ملک حمزہ کو مقرر کیا اور دہلی لوٹ گیا۔ راستے میں سید سالم جو خضر خان کی خدمت میں تیس سال رہا تھا اور تبر ہندہ اس کی جاگیر میں تھا فوت ہو گیا۔ مبارک شاہ نے اس کے ایک بیٹے کو سید خان دوسرے کو شجاع الملک کا خطاب عطا کیا لیکن تبر ہندہ میں سید سالم کے ایک ترک غلام فولاد نے بغاوت کر کے اس کے مال و اسباب اور تبر ہندہ کی عملداری پر قبضہ کر لیا۔ مبارک شاہ نے سید سالم کے مذکورہ بیٹوں کو قید کر لیا۔ (غالباً یہ بغاوت ان کے اشارے پر ہوئی تھی) اور ملک یوسف سردار اور رائے ہنسو بھٹی کو فولاد سے مقابلے کے لیے روانہ کیا فولاد نے رات میں چھپ کر ان کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ کافی مال و غنیمت اس کے ہاتھ لگا۔ اس بے عزتی کے جواب میں مبارک شاہ خود فولاد پر حملہ آور ہوا۔ فولاد قلعے میں بند ہو گیا مبارک شاہ نے ملتان سے عماد الملک کو بلا کر اس کے پاس بھیجا۔ عماد الملک کی کوششوں سے وہ معافی طلب کر کے قلعے سے نکل کر عماد الملک کی پناہ میں آ گیا لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا اس لیے دوبارہ بھاگ کر قلعے میں چلا گیا اور لڑائی جاری رکھی۔ مبارک شاہ نے عماد الملک کو ملتان واپس کر دیا اور فولاد کے مقابلے کے لیے لشکر چھوڑ کر خود دہلی واپس آ گیا۔

کابل کے حاکم شیخ علی کا حملہ

فولاد چھ ماہ تک برابر بادشاہی لشکر سے ٹکر لیتا رہا پھر اس نے کابل کے حاکم شیخ علی31 مغل کے پاس کافی سونا اور قیمتی تحفہ بھیج کر اس سے اپنی مدد کی درخواست کی، شیخ علی ایک بڑا لشکر لے کر فولاد کی مدد کے لیے آیا۔ پنجاب کے ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ شیخ علی نے تبر ہندہ سے فولاد اور اس کے قبیلے کو اپنے ہمراہ لیا اور لاہور پر چڑھائی کر دی۔ ملک الشرقی اسکندر حاکم لاہور ہر سال شیخ علی کے پاس نذرانہ روانہ کرتا رہتا تھا۔ اس بار بھی اس نے نذرانے دے کر شیخ علی سے اپنا پیچھا چھڑا لیا لاہور سے شیخ علی قصور پہنچا اور وہاں سے اس نے دیپالپور کا ارادہ کیا۔ ملتان سے عماد الملک اس کا راستہ روکنے کے لیے پہنچ گیا۔ شیخ علی، راوی کے کنارے کنارے طلبنہ تک چلا گیا اور وہاں سے خوط پور کو لوٹ کر عماد الملک کے لشکر پر حملہ کیا اور اسے شکست دی عماد الملک کا سردار ملک سلیمان شاہ لودی اس لڑائی میں مارا گیا۔ پھر شیخ علی خسرو آباد آکر ٹھہر گیا اور ایک طویل عرصے تک ہر روز اس کی اور عماد لملک کی فوج میں لڑائی ہوتی رہی۔

شیخ علی کی شکست اور اس کا بھاگ جانا

834ھ/1430ء میں مبارک شاہ نے فتح خان بن سلطان مظفر خان گجراتی کی سرکردگی میں ایک بھاری لشکر عماد الملک کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ شیخ علی اس فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور پیچھے ہٹ کر اس احاطہ میں جو اس نے اپنے لشکر کے اطراف بنایا تھا محصور ہو گیا جب عماد الملک نے اس حصار کو بھی گھیر لیا تو مجبور ہو کر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ دریائے جہلم میں اس کے بہت سے لشکری ڈوب گئے۔ عماد الملک کا لشکر برابر تعاقب میں لگا ہوا تھا اس نے شیخ علی کی بہت بڑی جمعیت کو اس جگہ تہ تیغ کر دیا کافی کو گرفتار کر لیا شیخ علی اور امیر مظفر تھوڑے آدمیوں کے ساتھ قصبہ شیور میں پہنچے۔ عماد الملک نے اسی قصبے تک اس کا تعاقب کیا۔ یہاں امیر مظفر تو ایک قلعے میں محصور ہو گیا اور شیخ علی جان بچا کر کابل بھاگ گیا۔

شاہی لشکر فتح کے جھنڈے گاڑتا ہوا دہلی لوٹ آیا۔

جسرت کی بغاوت

مبارک شاہ نے کچھ عرصہ بعد ملتان سے عماد الملک کو ہٹا کر خیر الدین کو مقرر کر دیا۔ اس کاروائی سے ملتان میں بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے اور ادھر جسرت نے بھی پہاڑی علاقے میں شورش برپا کر دی۔ 835ھ/1431ء میں لاہور کا حاکم ملک سکندر جسرت کی بغاوت کو کچلنے کے لیے روانہ ہوا۔ جسرت نے سکندر کو غفلت میں رکھ کر اچانک اس کی فوج پر حملہ کر دیا اور جالندھر کے علاقے میں سکندر کو گرفتار کر لیا پھر اسے اپنے ساتھ ملا کر لاہور پر فوج کشی کر دی سکندر کا نائب نجم الدین اور اس کا غلام ملک خوش خبر جسرت سے مقابلہ کرتے رہے۔

شیخ علی کا دوسرا حملہ

اسی اثناء میں شیخ علی دوبارہ تیاریاں کر کے ملتان کی حدود تک پہنچ گیا اور خوط پر چڑھائی کر کے جہلم کے رہنے والے بہت سے باشندوں کو قید کر لیا۔ طلنبہ کو بری طرح لوٹا وہاں کئی آدمیوں کو قتل اور قید کر کے کابل چلا گیا۔ اسی دوران تبرہندہ سے فولاد ترک نے رائے فیروز کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ رائے فیروز اس مقابلے میں مارا گیا۔ فولاد نے اس کا سر کاٹ کر تبرہندہ بھیج دیا۔

جسرت اور شیخ علی کا بھاگ جانا

اسی سال مبارک شاہ نے ان فتنوں کو ختم کرنے کے لیے لاہور اور ملتان کی جانب کوچ کیا جب شاہی لشکر سامانہ کے قریب پہنچا تو جسرت لاہور کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف اور شیخ علی کابل کی جانب واپس چلا گیا۔ مبارک شاہ نے لاہور اور جالندھر سے شمس الملک کو

معزول کر کے یہ علاقہ نصرت خان گرگ انداز کے سپرد کر دیا اور شمس الملک کے سارے خاندان کو لاہور سے دہلی روانہ کر دیا اور خود بھی دہلی لوٹ آیا۔

مخدومہ جہان کی وفات

836ھ/1432ء میں مبارک شاہ نے جسرت کی بغاوت کو کچلنے کے لیے دوبارہ سامانہ کی طرف کوچ کیا لیکن وہ پانی پت پہنچا کہ اسے اپنی والدہ مخدومہ جہان کے انتقال کی خبر ملی اس نے لشکر کو وہیں چھوڑا اور تنہا دہلی لوٹ آیا۔ دس دن تک ماتم کی رسوم ادا ہوتی رہیں اس کے بعد وہ لوٹ کر لشکر کے پاس چلا گیا اور ملک یوسف سرورالملک کو فولاد کی سزا کے لیے تبر ہندہ کی طرف روانہ کیا اور نصرت خان کو لاہور اور جالندھر سے ہٹا کر یہ شہر ملک الہداد لودی کے سپرد کر دیے۔

جسرت کی دوبارہ شکست

الہداد نے لاہور سے جسرت پر فوج کشی کی اور جالندھر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ جسرت نے بیاس ندی کو پار کر کے بجوارہ میں الہداد سے مقابلہ کیا۔ اور اسے شکست دے کر پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ اسی سال شاہ نے میوات میں جلال خان پر حملہ کیا۔ وہاں سے گوالیار اور اٹاوہ کی فوجیں روانہ کر کے وہ دہلی لوٹ آیا۔

شیخ علی کا تیسرا حملہ

اس سال مبارک علی نے پھر پنجاب میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑ دی۔ مبارک شاہ نے اس علاقے کے امرا کی مدد کے لیے عماد الملک کو روانہ کیا۔ شیخ علی نے شیور سے بیاس تک سارے علاقے کو بری طرح پامال کر دیا اور سینکڑوں آدمیوں کو قید کر کے لاہور پہنچا، جہاں زیرک خان اور دوسرے امرا قلعے میں بند ہو گئے اور کافی عرصے تک حملہ آور غنیم کی مدافعت

کرتے رہے۔ایک رات غنیم کو غافل پاکر ملک یوسف، سرورالملک اور زیرک خان رات میں چھپ کر حملہ آور ہوئے لیکن شکست کھا کر لوٹ گئے۔ شیخ علی نے ان کا پیچھا کر کے اکثر کو قتل اور باقی کو قید کر لیا۔

شیخ علی کا لاہور پر قبضہ

دوسرے دن شیخ علی لاہور شہر میں داخل ہو گیا اور لاہور کے بہت سے باشندوں کو قتل کر دیا اور اکثر کو قیدی بنا لیا۔ کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعد دیپالپور پہنچا، ملک یوسف،سرورالملک دیپالپور پر مورچہ بندی کیے ہوئے تھا اس نے دشمن کے دباؤ کو محسوس کر کے وہاں سے نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن عمادالملک نے بروقت دیپالپور کے قلعے کی حفاظت کے لیے تبرہندہ سے اپنے بھائی ملک احمد کو بھیج دیا جب شیخ علی کو اس مدد کی اطلاع ملی تو وہیں سے لوٹ گیا۔اس فتنے کو حل کرنے کے لیے سلطان مبارک شاہ نے پھر لشکر کشی کی اور سامانہ سے تلونڈی پہنچا وہاں سے کوچ کر کے بیاس ندی کو پوہی کے گھاٹ سے پار کیا اور دیپالپور پہنچ کر راوی ندی کے کنارے خیمے لگا دیئے۔

شیخ علی کی کابل کو واپسی

شیخ علی بادشاہ کے آنے کی وجہ سے گھبرا کر جہلم پار کر کے بھاگا۔مبارک شاہ اسکا پیچھا کرتے ہوئے شیور کے قلعے تک چلا گیا اور راوی کو طلنبہ کے قریب پار کیا۔ یہاں ایک قلعے میں شیخ علی کا بھتیجہ مظفر بند ہو گیا۔ وہ ایک ماہ تک بادشاہی لشکر سے لڑتا رہا آخر کار معافی مانگ کر صلح کر لی اور اپنی لڑکی کو بھاری جہیز کے ساتھ شاہزادے کے عقد میں دیا۔ شیخ علی کا جو لشکر لاہور کے قلعے میں بند تھا وہ شمس الملک سے معافی طلب کر کے باہر نکل آیا۔ مبارک شاہ جب شیور اور لاہور کی مہم سے فارغ ہوا تو لشکر چھوڑ کر اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے ملتان چلا گیا اور وہاں سے لوٹ کر دیپالپور آ گیا۔ کچھ دن وہاں قیام کیا اور شیخ علی کے قید

کرنے کی خاطر لاہور اور دیپالپور کی حکومت عماد الملک کے حوالے کر دی۔ بیانہ پر عماد الملک کی بجائے شمس الملک کو مقرر کیا۔ پھر وہاں سے تنہا تیزی سے کوچ کرتا ہوا عید الاضحیٰ کے دن دہلی واپس آ گیا۔

سرور الملک کی سازش

دہلی پہنچنے کے بعد مبارک شاہ نے وزارت پر ملک سرور الملک کو فائز کیا اور نائب لشکر ملک کمال الملک کو اس کا مددگار بنالیا لیکن ان دونوں میں نبھ نہ سکی۔ سرور الملک کو دیپالپور کی حکومت کے نہ ملنے کا پہلے ہی رنج تھا۔ عماد الملک کی تقرری کے بعد تو وہ بالکل ہی مایوس ہو گیا اس لیے مبارک شاہ سے ناراض ہو کر غدر برپا کرنے کی فکر میں لگ گیا اور مبارک شاہ کے قتل کی سازش میں کانکوی اور کنجوی کھتریوں، میران صدر نائب عرض کو جو باپ دادا کے وقت سے مبارک شاہ کے خاندان میں پرورش پاتا رہا تھا اور بڑے بڑے عہدے اور منصب حاصل کیے تھے ساتھ میں لیا اور کچھ دوسرے نمک حرام مسلمانوں کو بھی شریک کر لیا۔

شہر مبارک آباد

837ھ/1433ء میں مبارک شاہ نے جمنا کے کنارے ایک نیا شہر مبارک آباد بسایا لیکن حقیقت میں یہ شہر اس کے لیے مبارک ثابت نہ ہوا۔ وہ اس کی عمارتوں کے بندوبست میں مصروف تھا کہ قلعہ تبرہندہ سے فتح کی خوش خبری اور فولاد کا سر حضور میں پیش ہوا، بادشاہ نے خوشی خوشی تبرہندہ کا ارادہ کیا اور جلد ہی وہاں سے لوٹ کر مبارک آباد آ گیا۔ اسی سال خبر پہنچی کہ سلطان ابراہیم شرقی اور کالپی کے حاکم الپ خان المخاطب بہ سلطان ہوشنگ کے مابین لڑائی ہو رہی ہے اس خبر کے ملتے ہی بادشاہ نے ہر طرف فرمان بھیجے اور ہر جگہ سے لشکر کو اکٹھا کر کے کالپی پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔

مبارک شاہ کی ہلاکت

ایک دن مبارک شاہ حسب معمول نئی عمارتوں کے معائنہ کے لیے دہلی سے مبارک آباد گیا، وہاں جمعہ کی نماز کی تیاریاں ہو رہی تھی کہ نمک حرام میران صدر جو سرور الملک کے بہکانے سے گھات میں لگا ہوا تھا کسی بہانے سے محل میں آیا اور بادشاہ پر حملہ کردیا اور سدہ پال کجوی کتھری کے پوتے نے مبارک شاہ کو شہید کر دیا۔

مبارک شاہ کی شہادت 837ھ/1434ء میں ہوئی۔ اس نے تیرہ سال تین ماہ سولہ دن تک حکومت کی۔

حواشی

1. سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ بزرگ تھے۔ ان کے وصال پر دہلی کی ولایت شیخ چراغ دہلی سے متعلق ہوگئی۔ ان کے دادا عبداللطیف یزدی تھے والد کا نام یحییٰ تھا اور آپؒ لاہور میں پیدا ہوئے تھے لیکن چراغ دہلی کی ولایت اودھ میں ہوئی۔ ابتداء میں مولانا عبدالکریم شیروانی اور مولانا افتخار الدین گیلانی سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ چالیس سال کی عمر میں اودھ سے دہلی آکر سلطان المشائخ کی ارادت وعقیدت سے وابستہ ہو گئے، حضرت نے ان کومحمود گنج کا خطاب اور چراغ دہلی کا لقب عطا کیا تھا، کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے جو عام طور سے مشائخ کا مخالف تھا ایک دن چراغ دہلی کو اپنے پاس دعوت دی اور کھانا سونے چاندی کے برتنوں میں پیش کیا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ کھالیں تو ان پر حجت شرعی قائم ہو جائے کہ سونے چاندی میں کھا کر حرام کے مرتکب ہوئے اور نہ کھائیں تو بادشاہ کی حکم عدولی کی سزا دی جائے حضرت اس کی نیت بھانپ گئے آپ نے تھوڑا سا کھانا ان برتنوں میں سے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور کراہت سے کھالیا۔ حاسد ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ آپ کے خلفاء میں میر سید محمد گیسو دراز گزرے ہیں جن کا مزار گلبرگہ دکن میں ہے۔

مخدوم جہانیاں جلال الدین جہان گشت جیسے بڑے بزرگ آپ کے مرید تھے۔ 65سال کی عمر میں شب جمعہ 18 ماہ رمضان 757ھ/1356ء میں وصال فرمایا۔

2۔ ہانسی ۔ یہ شہر ضلع حصار موجودہ ہریانہ ریاست میں واقع ہے۔ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ خوبصورت اور مستحکم شہر ہے اس کی فصیل بھی اونچی ہے اسے ایک ہندو راجہ تورا نے بسایا تھا'' ابن بطوطہ تورا دراصل راجہ اننگ پال کو لکھتا ہے۔

3۔ شیخ بدرالدین ۔ شیخ بدرالدین اسحاق سمرقندی کا ذکر ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ملتا ہے جو شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ ہندستان آکر نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے لگے۔ 716ھ/1361ء میں موضع ڈھنگولہ میں وفات پائی۔ یہ بدرالدین کوئی دوسرے بزرگ ہیں کیونکہ یہ 752ھ/1351ء میں باحیات تھے۔

4۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر ہے اور ایسے ریگستان میں ہے جس میں سوائے کیکر کے کوئی اور درخت نہیں ہے۔ مچھلی اور بھینس کا دودھ افراط سے ملتا ہے یہاں کے باشندے سقنقور یعنی ریگ ماہی کھاتے ہیں۔ گرمی بہت زیادہ پڑتی ہے۔ سیوان یا سہوان ضلع کراچی کا ایک قصبہ ہے کراچی سے 91 میل پر آباد ہے۔ یہاں شہباز قلندر کی مشہور خانقاہ ہے جو 1356ء میں تعمیر ہوئی تھی کہتے ہیں کہ یہاں کا قلعہ سکندر نے بنوایا تھا۔

5۔ جونپور اس وقت معمولی مقام تھا۔ فیروز شاہ نے یہاں ایک شہر کا سنگ بنیاد رکھا اور مرحوم سلطان فخر الدین جونا کے نام پر جونپور نام رکھا ، بعد میں اس شہر نے بڑی ترقی کی یہاں سلاطین شرقی کا خاندان مستقل حکمراں بھی رہا۔

6۔ نگر کوٹ ۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ یہ شہر پہاڑی کے اوپر آباد ہے اور شہر کا تعلق صوبہ لاہور سے تھا۔ اس شہر میں ایک قلعہ تھا جس کا نام نگرہ تھا یہاں ایک ہندو دیوی مہابائی کی زیارت گاہ ہے۔

7 ان کتابوں میں جو سلطان فیروز شاہ کے نام پر ترجمہ ہوئی تھیں، کچھ تو فن موسیقی سے متعلق تھیں اور بعض میں فنِ کشتی کے داؤ پیچ کا ذکر تھا۔ دوسرے ایسے ہی مختلف اور عام موضوعات پر تھیں۔

8 ابوالفضل کے مطابق: ''قدیم زمانے سے یہ خودمختار اور جداگانہ ریاست تھی۔ پہلے اس کا پایۂ تخت برہمن آباد تھا۔ یہاں ایک مستحکم قلعہ اوراس کے ساتھ ہی ایک بڑا شہر تھا۔ اس قلعے میں تقریباً 1400 برج تھے یہاں زیادہ تر آبادی بلوچوں کی رہتی تھی۔ یہاں زمانہ قدیم میں ایک راجا سہرس نامی کرتا تھا۔ ایرانیوں سے جنگ میں یہ مارا گیا اور اس کا لڑکا رائے ساہی تخت نشین ہوا اس کے وزیر رام کے پاس ایک ایک برہمن جوچ چچ ملازم تھا اس کا اقتدار بڑھتا گیا اور یہ وزیر کا جانشین ہو گیا۔ چچ خاندان سے ہی راجہ داہر تھا یہی وہی داہر تھا جس کو محمد بن قاسم نے (612-611ء) شکست دی تھی۔

9 مولانا داؤد یا مُلّا دواؤد نے لورک اور چندا کے عشق کی داستان مثنوی چنداین کے نام سے اسی خان جہان کے نام سے منسوب کی ہے یہ مثنوی بڑی اثر انگیز اور صاحبان ذوق کے لیے وجد آور ہے۔

10 یہ شخص مانک پور کا رہنے والا تھا۔

11 اٹاوہ۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس شہر کے مطابق صرف اتنا لکھا ہے کہ ''قلعہ ہے اور دریائے جون کے کنارے پر ہے۔ یہاں چوہان راجاؤں کی حکومت تھی۔

12 ایک فیروز پور تو بنگال میں ہے اس فیروز پور کا ذکر ''آئین اکبری'' میں سرکار تجارہ صوبہ آگرہ کے جدول میں کیا گیا ہے۔ قلعہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور اس پہاڑ میں ایک چشمہ ہے اور اس جگہ مہادیو کی مورت بنی ہوئی تھی اور یہاں پر ہندوؤں کا معبد تھا۔ یہ چشمہ ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اکبر کے وقت یہاں کے زمیندار میو تھے۔

13 اودھ ۔بادشاہت کے زمانے میں اس صوبہ کی حدود کم وبیش گورکھپور سے قنوج اور شمالی ہمالیہ کی پہاڑی سے الہ آباد کی سرحد سدہ پور تک تھیں۔مشرق میں بہار، شمال میں ہمالیہ کی پہاڑی، جنوب میں مانک پور اور مغرب میں قنوج واقع تھا۔

14 انبالہ۔یہ شہر موجودہ ریاست پنجاب کا ایک ضلع ہے مگر بادشاہت کے زمانے میں ایک چھوٹا سا شہر دہلی کے ماتحت تھا۔ یہاں قبیلہ بارہہ اور جاٹ زیادہ آباد تھے۔

15 آئین اکبری کے مطابق ،مہوبہ کا نام'' مہویا'' درج ہے۔ بقول ابوالفضل یہاں ایک سنگین قلعہ ہے اس کی عمارت دو رنگ کے پتھروں سے بنائی گئی ہے اس کے احاطے میں ایک بڑا پہاڑ بھی ہے۔

16 کیتھل۔ آئین اکبری کے مطابق: یہ سرکار ہند صوبہ دہلی کے تحت بتایا گیا ہے یہاں راجپوت قوم آباد تھی۔ ابوالفضل نے صرف اتنا لکھا ہے'' یہاں ایک انیٹوں سے بنا قلعہ ہے اور ہندوؤں کی مقدس زیارت گاہ ہے۔

17 سنبھل۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ سنبھل صوبہ دہلی کے ماتحت تھا جہاں اینٹوں سے بنا ایک قلعہ بھی ہے۔

18 یہ قلعہ جس موضع میں تعمیر ہوا اسے بسولی لکھا گیا ہے ۔ فیروز شاہ نے ندیوں اور دریاؤں کے باندھ بندھوائے۔کئی ایک محلے اور بے شمار باغ اس کی یادگار ہیں شہروں میں فیروز پور، حصار فیروزآباد اور جونپور اس کے بسائے ہوئے ہیں۔

19 دوسری تاریخوں میں یہ نام بہاؤ الدین اور کمال الدین ہیں۔ یہ دونوں ناصر الدین محمد شاہ کے چچا زاد بھائی تھے۔

20 فیروز شاہ جب تخت پر بیٹھا تو اس وقت اس کی عمر پچاس سال سے زائد تھی یعنی کہ فیروز شاہ 1351ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔

21 امیر خسرو کے فرزند نہ بھی ہوتے تو ان کی اصلاحیں اس پایہ کی تھیں کہ انھیں ہر حال میں پسند کیا جاتا اس زمانے میں نہیں تو بعد میں۔

22 ابوبکر شاہ کو میرٹھ کے قلعہ میں 1389ء میں قید کیا گیا تھا۔بحوالہ ابن بطوطہ۔

23 اس شخص کا پورا نام ''آنردی یمن ناہر سنگھ تھا اور راٹھور قوم کا سردار تھا۔

24 شیخ احمد۔ تھانیسر کے رہنے والے تھے اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔آپ کا مزار گجرات میں سرکھیج /سرخیز میں واقع ہے۔

25 وہار۔ ابن بطوطہ نے اسے ظہار لکھا ہے وہ لکھتا ہے یہ مالوہ کا سب سے بڑا شہر ہے جہاں زراعت ہوتی ہے۔

26 حصار فیروز۔ یہ سلطان فیروز شاہ نے آباد کیا تھا اور دریائے جمنا سے ایک نہر نکال کر شہر میں پانی پہنچایا تھا۔ کہتے ہیں ایک مرد عارف نے فیروز شاہ کو فرمانروائی کی بشارت سنائی تھی اور ان کی ہی ہدایت پر یہ نہر تیار کی گئی تھی۔

27 کالپی۔ یہ قصبہ جمنا کے کنارے بہت سے بزرگان دین کی خواب گاہ ہے، سلاطین شرقی کے زمانے میں یہ شہر دہلی کے زیر نگین تھا۔ قادرخان کالپی کے حکمران نے بغاوت کی اور خود مختار بن گیا۔ سلطان ہوشنگ حاکم مالوہ نے فوج کشی کر کے اس کو شکست دی لیکن فتح کے بعد شہر اسی کے سپرد کر دیا۔

28 مخدوم جہانیان۔ اچہ کے سید جلال الدین سرخ بخاری کے پوتے تھے،سید صدر الدین راجو قتال ان کے حقیقی بھائی تھے۔ دو سال تک مدینہ منورہ میں رہ کر شیخ عفیف الدین سے خرقہ طریقت حاصل کیا۔ مکہ میں شیخ امام عبد اللہ یافعی سے بھی ارادت تھی، وہاں سے دہلی آ کر نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں رہے اور سلسلہ چشتیہ کا خرقہ حاصل کیا۔ مشہور ہے کہ جہاں چاہتے تھے، پلک جھپکتے ہی پہنچ جاتے تھے، اس لیے جہانیان جہان گشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مؤلف اخبار الاخیار حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف میں ان کی وفات 887ھ/ 1386ء اور ان کی عمر 81 سال لکھی ہے۔ ابن بطوطہ کی زبانی ''میں نے اُچہ میں سید جلال الدین حیدر علوی کی زیارت کی، انھوں نے مجھے اپنا خرقہ عنایت کیا''اس نام سے ابن بطوطہ کی مراد جہانیان جہان گشت سے ہے۔ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیاء الدین برنی کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ

فیروزشاہ اور جام بابنیہ جو کہ سندھ کا حاکم تھا ان کی صلح بھی سید جلال نے 761ھ/1359ء میں کرائی تھی۔

29 کنپلہ۔ کنپیل۔ قنوج کی حکومت میں ایک محل تھا (بحوالہ آئین اکبری)ابن بطوطہ نے سرگدوارہ کواسی کے علاقہ میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ پانڈوں کی رانی دروپدی یہاں کے راجہ کی بیٹی تھی۔ وہاں ایک ٹیلے کو اب تک راجہ دروپد کا قلعہ بتایا جاتا ہے۔ غیاث الدین کے وقت یہ ڈاکوؤں کی پناہ گاہ تھی۔ غیاث الدین نے اس پناہ گاہ کو درست کر کے ایک قلعہ بنا دیا تھا۔ جہاں پر شاہی فوج رہتی تھی۔ مگر مغلوں کے زمانے میں اس جگہ کے بارے میں اطلاعات بہت کم ملتی ہیں۔ (بحوالہ ہنٹر) ایک اور قدیم مقام کمپیلہ یا کمپلی ریاست بیجانگر کے پاس بلاری احاطہ مدراس کے ضلع میں بھی واقع تھا۔

30 شیخ زنجانی۔ شیخ سید حسین زنجانی ان کا اصلی نام ہے۔ بدایونی نے صرف ''حسن'' لکھا ہے۔ خزینۃ الاصفیا، میں سید حسین ہے۔ وہ معزالدین بہرام شاہ کے آخر دور میں فوت ہوئے شیخ زنجانی جنیدی سلسلے کے بزرگ اور سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے خلیفہ ہیں اور انھیں کے ساتھ زنجان سے لاہور تشریف لائے تھے۔

31 شیخ علی سلطان، شاہرخ مرزا کی جانب سے کابل کا حاکم تھا۔ خضر خان شاہرخ مرزا کے پاس تحائف اور نذرانہ روانہ کیا کرتا تھا۔ مبارک شاہ نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ مرزا نے شیخ علی کو ہندستان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مؤلف منتخب التوریخ بدایونی نے اس کا سبب بیان نہیں کیا ہے اور صرف فولاد کے اس کو بلانے کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے یہ بھی سبب رہا ہو۔ مگر بعد کی تصنیفات میں یہ حوالہ منقول ہے۔

محمد شاہ بن فرید خان

مبارک شاہ کی شہادت کے بعد اس کا بھتیجہ محمد شاہ جسے مبارک شاہ نے اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ 837ھ/1433ء میں تخت نشین ہوا۔ سرور الملک نے مصلحتاً اس سے بیعت کرلی۔ محمد شاہ نے اس کی فتنہ پردازیوں سے صرف نظر کر کے اسے خان جہان کا خطاب اور خلعت عطا کی۔ میران صدر کو معین الملک کا خطاب ملا۔ سرور الملک کے شریک وزارت کمال الملک نے بھی سلطان محمد سلطان محمد شاہ سے بیعت کرلی لیکن اس نے اپنی اقامت شہر سے باہر رکھی۔

سرور الملک کا اقتدار

نمک حرام سرور الملک برابر فتنہ پردازی میں لگا رہا، چنانچہ جلوس کے دوسرے ہی دن مبارک شاہ مرحوم کے بعض غلاموں کو کسی بہانے سے پکڑ کر قتل کرادیا اور لوگوں کو اپنے آپ جاگیریں تقسیم کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے مبارک شاہ کے قاتلوں سدھ پال اور سدھارن کو بیانہ، امروہہ، نارنول اور دوآبہ کے کئی ایک پرگنے عطا کردیے۔

سدھ پال کا غلام رانوں سپہ بیانہ پہنچ کر قلعے میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن عین وقت پر ہنڈون سے یوسف خان اوحدی اپنی جمعیت لے کر پہنچ گیا اور رانوں پر حملہ کر کے اس کے

بہت سے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے اہل وعیال مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور رانوں کا سر کاٹ کر قلعے کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔

امیروں کی بغاوت

سرور الملک کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر خضر خان اور مبارک شاہ کے وقت کے سارے امیر جہاں تھے، باغی بن بیٹھے تھے اور تمام ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ازسرنو طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ سنبھل کا حاکم ملک الہداد کالالودی، حاکم بدایوں ملک چیمن اور امیر علی گجراتی وغیرہ مبارک شاہ کے خون کا بدلہ لینے کے بہانے دہلی پر چڑھ آئے۔

کمال الملک کی بغاوت

بادشاہ نے ان کے مقابلے کے لیے سید خان ولد سید سام جس کا خطاب اعظم خان تھا اور کمال الملک کو روانہ کیا۔ کمال الملک کے ساتھ ملک یوسف ولد سرور الملک سدھارن اور کانکو بھی گئے۔ جب دہلی کا یہ لشکر کچھ کے گھاٹ کو عبور کر کے برن پہنچا تو الہداد اور دوسرے امیروں سے یہ خفیہ اطلاعات ملیں کہ خود کمال الملک سرور الملک سے مرحوم سلطان کے خون کا بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ اس بات پر انھوں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا، سرور الملک کو بھی کسی طرح کمال الملک کے ارادوں کی ہوا لگ گئی اس نے کمال الملک کی مدد کے بہانے اپنے نائب ملک ہشیار کو اپنے بیٹے کی حفاظت کے خیال سے بھیج دیا۔ یوسف خان وغیرہ بھی کمال الملک کے رویہ سے کھٹک گئے تھے، چنانچہ ایک دن موقع پا کر یوسف خان ملک ہشیار اور سدھارن لشکر سے نکل کر دہلی بھاگ گئے۔

باغی امیروں کا دہلی پر حملہ

سنبھل اور بدایوں وغیرہ کے امیروں کا لشکر کمال الملک کے لشکر سے جاملا اور یہ سب مل کر کچھ پہنچ گئے۔ دوسرے دن جمنا پار کر کے ایک باغ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ سرور الملک نے قلعہ بند ہوکر لڑنے کی تیاریاں کرلیں۔ سرور الملک کے لشکریوں نے شہر سے نکل کر امیروں کی فوج پر حملہ کیا لیکن جوابی حملے کی تاب نہ لاکر پسپا ہوگئے اور لوٹتے ہوئے ان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے قید ہوگئے۔

دوسرے دن مبارک شاہی امیروں نے سیری کے قلعے کے سامنے خیمہ لگا دیا۔ شہر کے حصار سے بھی اکثر امیر نکل کران کے ساتھ ہوگئے۔ یہ لڑائی برابر تین ماہ تک جاری رہی۔ اس سال کے آخر میں زیرک خان حاکم سامانہ کا انتقال ہوگیا اور اس کا علاقہ اس کے بیٹے محمد خان کو مل گیا۔

سرور الملک کا قتل

خود سلطان محمد شاہ کا یہ حال تھا کہ وہ مصلحتاً اور مجبوراً سرور الملک کے ساتھ تھا اور دل سے مبارک شاہی امیروں کا حامی تھا۔ سلطان کی اس دلی کیفیت سے سرور الملک غافل نہیں تھا اور اسے ٹھکانے لگانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ سرور الملک نے مزید تاخیر مناسب نہ سمجھی اور 8 محرم 838ھ/1434ء میں سرور الملک میران صدر کے لڑکے کو لے کر سراپردۂ شاہی میں محمد شاہ کے قتل کے ارادے سے گھس گیا۔ محمد شاہ نے اسی وقت کمال الملک کو بلانے کے لیے آدمی بھیجے لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی شاہی خادموں نے سرور الملک اور میران صدر کے لڑکوں کو گھیر کر قتل کردیا۔ ان کے دوسرے ساتھی اپنے اپنے گھر بند کر کے بیٹھے رہے۔

مفسد کھتریوں کا انجام

سرور الملک کا قضیہ پاک ہونے کے بعد کمال الملک دوسرے امراء کے ساتھ بغدادی

دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ بد بخت سدھ پال ہندوانہ رسم کے مطابق اپنی عورتوں کو چتا میں جلا کر مارنے پر تیار ہوگیا۔1

سدھارن، کانکو اور اس کے کھتری دوست بھی مبارک شاہ کے روضے کے پاس قتل کر دیے گئے۔ ان کے ساتھ ملک ہوشیار اور ملک مبارک کوتوال کی گردن ماردی گئی۔

ملک شاہ کی مستقل حکمرانی

دوسرے دن کمال الملک اور دوسرے تمام امیروں نے محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وزارت کا منصب کمال الملک کے حوالے ہوا۔ ملک چیمن بدایونی کو غازی الملک کا خطاب عنایت ہوا اور اسے بدایواں کی قدیم عملداری کے علاوہ امروہہ بھی جاگیر میں دیا گیا۔ ملک الہداد نے خود تو کوئی خطاب قبول نہ کیا لیکن اپنے بھائی کو دریا خان کا خطاب دلوادیا۔ اس کے بعد محمد شاہ کامل الاختیار بادشاہ بن سکا اور اس کی حکمرانی کے لیے کوئی خطرہ اور خدشہ نہ رہا۔

ملتان کا سفر

840ھ/1436ء میں محمد شاہ نے ملتان کا عزم کیا اور کچھ دن مبارک پور میں رُکا رہا۔ جب ہر طرف کے امیر اور سردار مبارک پور میں جمع ہو گئے تو انھیں لے کر ملتان گیا اور وہاں بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کر کے دہلی لوٹ گیا۔

اسی سال اس نے سامانہ پر فوج کشی کی اور اس علاقے کو غارت کر کے ایک فوج شیخا کھوکھر کے مقابلے پر مقرر کردی اور خود دہلی لوٹ گیا۔

فتنوں کا آغاز

841ھ/1437ء میں ملتان میں لنگاہ پٹھانوں کی شورش انگیزی کی خبر ملی اور اسی دوران سلطان ابراہیم شرقی نے دہلی کے بعض پرگنوں پر یلغار کر کے قبضہ کرلیا۔ گوالیار کے زمینداروں

نے بھی مالگزاری دینی بند کر دی۔ضرورت تھی کہ مختلف سمتوں سے اٹھنے والے فتنوں کی طرف سلطان فوری متوجہ ہوتا لیکن محمد شاہ نے ان کے روکنے میں سستی برتی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور سارے ملک میں پھر سے فتنہ وفساد کا دور دورہ ہو گیا۔

محمود خلجی کا دہلی پر حملہ

میوات کے خان زادوں نے جو حسن خان میواتی کے بزرگ تھے مالوہ کے محمود خلجی کو دہلی پر حملے کی دعوت دی اور 844 ھ/1439 ء میں محمود خلجی نے دہلی پر حملہ کر دیا۔محمد شاہ نے بھی اس کے مقابلے کی تیاریاں کیں اور اپنے بیٹے سید علاء الدین کو حملہ کرنے کے لیے شہر سے باہر بھیجا۔

محمود خلجی نے اپنے بیٹوں غیاث الدین اور مدن خان کو اس کے مقابلے پر مقرر کیا۔ دونوں فوجوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔آخر محمود خلجی نے صلح کر لی اور لوگوں سے یہ بہانہ کر کے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مالوہ پر بڑی تباہی آگئی ہے۔ راتوں رات دہلی کا میدان چھوڑ کر مالوہ کی طرف کوچ کر گیا۔

بہلول لودی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے لشکر کا کافی مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہ کامیابی چونکہ بہلول لودی کی کارگزاری سے حاصل ہوئی تھی اس لیے محمد شاہ نے فتح کے انعام میں اسے لاہور اور دیپالپور بطور جاگیر عطا کیا۔

845 ھ/1441 ء میں محمد شاہ نے دوبارہ سامانہ کا رخ کیا اور بہلول لودی کو جسرت کے مقابلے پر رخصت کر کے دہلی لوٹ آیا۔

بہلول لودی کا دہلی پر حملہ

جسرت نے بہلول کے ساتھ ساز باز کر لی اور اسے سلطنت دہلی کے سبز باغ دکھا کر قسمت آزمائی پر آمادہ کر لیا۔ بہلول کے دل میں بھی سلطانی کی امنگ دوڑنے لگی، اور اس

نے اپنی برادری کے تمام پٹھانوں کو ہر طرف سے اپنے پاس بلالیا اور کئی ایک پرگنوں پر قبضہ جما لیا۔ اس طرح محمد شاہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کردیا اور دہلی پر حملہ آور ہوا۔ بہلول کافی عرصہ تک دہلی کا محاصرہ کیے وہاں رکا رہا لیکن اس کی محنت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور دہلی میں داخل ہونے کی کوئی راہ پیدا نہ ہوئی اسے مجبوراً محاصرہ اٹھا کر لوٹ جانا پڑا۔

سلطان محمد شاہ کی وفات

اسی دوران محمد شاہ بُری طرح بیمار ہوگیا۔ اس کی بیماری کی وجہ سے موقع پا کر ہر طرف لوگ باغی ہوگئے۔ یہاں تک کہ دہلی سے بیس کوس تک کے امیروں نے بھی اس کے حلقہ اطاعت کو اُتار پھینکا اور خود مختار بن بیٹھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر محمد شاہ نے اپنے بیٹے علاء الدین کو جس کی بدایوں میں جاگیر تھی اور جو اس وقت شکار کے لیے پہاڑوں پر گیا ہوا تھا دہلی بلا کر اپنا ولی عہد بنا لیا۔

سلطان محمد شاہ اس بیماری سے جانبر نہ ہوسکا۔ 847ھ/1444ء میں اس دار فانی سے رحلت کی۔ اس کی سلطنت چودہ سال چار ماہ رہی۔

علاء الدین بن محمد شاہ

محمد شاہ کی وصیت کے مطابق اسی سال علاء الدین نے تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ ملک بہلول اور دوسرے امیروں نے اس سے بیعت کرلی۔

بہلول لودی کے ارادے

علاء الدین اپنے باپ سے کہیں زیادہ غافل اور لاپرواہ تھا۔ اس کی سُستی اور غفلت کو دیکھ کر ملک بہلول کی نیت پھر بدلنے لگی اور وہ دِل ہی دِل میں اپنی بادشاہت کے منصوبے بنانے لگا۔

850 ھ/1446ء میں سلطان علاء الدین بیانہ کے ارادے سے روانہ ہوا۔ لیکن کسی نے راستہ ہی میں یہ افواہ پھیلا دی کہ جونپور کا بادشاہ دہلی پر حملے کے لیے آ رہا ہے۔ علاء الدین نے کوتاہ اندیشی کے باعث اس خبر کی تحقیق نہ کرائی اور الٹے پاؤں دہلی لوٹ آیا۔

بدایوں کا سفر

851 ھ/1447ء میں بادشاہ نے بدایوں کا سفر کیا۔ اسے بدایوں کچھ ایسا پسند آیا کہ اسی جگہ مستقل قیام کا ارادہ کرلیا اور ایک عمارت کی بنیاد رکھ کر دہلی لوٹ آیا۔

852 ھ/1448ء میں اپنے ایک سالے کو کوتوال شہر اور دوسرے کو میر گو مقرر کر کے دوبارہ بدایوں گیا۔ اس کے پیچھے ان دونوں بھائیوں نے ایسے فتنے برپا کیے کہ شہر والے ان سے تنگ آ گئے اور ہجوم کر کے ان کو قتل کر دیا۔

بہلول لودی کا دہلی پر قبضہ

بادشاہی امراء نے سرکشی اختیار کر لی۔ عمدۃ الملک حسام خان نے جو بادشاہ کے سامنے بے جھجک کھری کھوٹی سنانے کا عادی تھا اور اسی وجہ سے سلطان کی خفگی سے دوچار رہتا تھا اور اسے اپنے عہدے سے بھی معزول ہونا پڑا تھا۔ حمید خان نے جو بادشاہ کی سزا سے ڈر کر دہلی بھاگ آیا تھا متفق ہوکر بہلول لودی کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور لودی نے سرھند میں شاہی خطاب تجویز کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور ایک بھاری لشکر کے ساتھ آ کر دہلی پر بے روک ٹوک قبضہ کرلیا۔

علاء الدین شاہ کی بے نیازی

بہلول لودی نے دہلی میں اپنے ایک نائب کو مقرر کر کے مزید لشکر فراہم کرنے کے لیے دیپالپور کا عزم کیا لیکن ساتھ ہی ایک منافقانہ عریضہ علاء الدین کے پاس روانہ

کر دیا کہ ''میں آپ کا فرمانبردار غلام ہوں اور ساری کاروائی مجھے آپ کی خیرخواہی میں کرنی پڑی ہے''۔

علاء الدین شاہ بھی کچھ نرالے مزاج کا بادشاہ تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ''میں کون سا سلطان 3 ابن سلطان ہوں۔ محمد شاہ مرحوم نے مجھے اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لیے بادشاہ بن گیا، اب میرے پاس بادشاہی کا ساز و سامان نہیں اس لیے میں بدایوں پر ہی صبر وقناعت کرتا ہوں اور باقی سلطنت سے ترے حق میں سبکدوش ہوجاتا ہوں۔

اس خط کے ملنے پر اب کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اس لیے بہلول لودی دیپالپور سے لوٹ کر دہلی آیا اور بلا کسی مزاحمت اور جھگڑے کے تختِ دہلی پر بیٹھ کر مفت میں ہندستان کا بادشاہ بن گیا۔

سلطان علاء الدین بہلول لودی کی اجازت سے بدایوں میں گنگا کے کنارے تک اور ہمالیہ کے دامن سے خیرآباد تک کے حصوں پر قابض رہا۔ اس علاقے میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

سلطان علاء الدین کی وفات

علاء الدین اپنی اس مختصر سی سلطنت میں مگن، کافی عرصے تک زندہ رہا، یہاں تک کہ سات سال چند ماہ کی حکمرانی کے بعد 855 ھ /1451 ء میں وہ عالم بقا کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کے بعد ہندستان کی سلطنت ایک نئے خاندان کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی۔

لودی خاندان

سلطان بہلول بن کالا لودی

محمد شاہ کے عہد میں بہلول[4] کو خان خانان کا خطاب ملا ہوا تھا۔ سلطان علاء الدین کی دستبرداری کے بعد وہ حمید خان کے تعاون سے 855ھ/1451ء میں تخت نشین ہوا۔

اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ عمدۃ الملک حُسام الدین اور حمید خان نے بادشاہ کے خلاف دہلی میں سازش کی تھی۔ سلطان علاء الدین نے حسام الدین کو توقتل کرا دیا تھا لیکن حمید خان بہلول لودی کو بادشاہ بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ حمید خان نے حسام الدین کے قتل کے بعد دہلی میں علاء الدین کے خاندان اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کرلیا تھا اور جب بہلول دہلی آیا تو قلعے کی کنجی اس کے حوالے کردی۔ اس کی نمک حرامی بہت جلد اس کے سامنے آگئی اور بہلول نے اس کے احسان کا یہ بدلہ دیا کہ اسے قید میں ڈال دیا اور بے کھٹکے اپنی بادشاہی کا سکہ جما لیا اور اسی سال ملتان کے بندوبست کے لیے روانہ ہوگیا، بہلول لودی کی تخت نشینی سے ہندستان پر افغانوں[5] کا قبضہ ہوگیا۔

محمود شرقی کا دہلی پر حملہ

856ھ/1452ء میں علاء الدین کے امیروں کی سازش سے سلطان محمود شرقی نے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ بھی بڑی سخت جنگ ہوئی۔ مقابلے میں محمود کا دایاں ہاتھ، فتح خان ہروی مارا گیا۔ اس کی ہلاکت سے محمود کے حوصلے پست ہو گئے اور مقابلے کی تاب نہ لا کر وہ جونپور لوٹ گیا۔

دوسرے سال وہ تیاری کر کے پھر جونپور سے نکلا اور دہلی کے ارادے سے اٹاوہ تک پہنچ گیا۔ اس مرتبہ فریقین میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ دہلی کے وہ پرگنے جو مبارک شاہ کے قبضے میں تھے سلطان بہلول کے ہوں گے اور جن پرگنوں پر سلطان ابراہیم شرقی قابض تھا وہ محمود کے قبضے میں رہیں گے۔ ایک اور شرط یہ تھی کہ شمس آباد بھی جہاں محمود کا نائب جونا خان رہتا تھا موسم برسات کے بعد بہلول کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس قرارداد پر دونوں فریق اپنے اپنے علاقے کی جانب لوٹ گئے۔

شمس آباد پر قبضہ

شرائط صلح کے بموجب برسات کے بعد بہلول نے شمس آباد پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی حکومت بھوگاؤں کے حاکم رائے کرن کے سپرد کر دی۔ محمود کو بہلول کی یہ کارروائی بہت گراں گزری اس نے شمس آباد کے نواح میں بہلول کے لشکر سے لڑائی چھیڑ دی لیکن اسی دوران وہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا محمد شاہ جونپور کا سلطان بن گیا اور وہ صلح کی سابقہ شرائط پر راضی ہو کر اپنے ملک واپس چلا گیا۔

بہلول کا جونپور پر حملہ

جونپور کی اس لشکر کشی کے موقعے پر بہلول کے چچا قطب خان کو محمد شاہ کے لشکر نے قید کر لیا تھا۔ اپنے چچا کو قید سے چھڑانے کے لیے بہلول نے معاہدے کو نظر انداز کیا اور محمد

شاہ کی سرحدوں پر حملہ کیا۔ محمد شاہ بھی جونپور سے نکل کر شمس آباد پہنچا اور اسے ہندو حاکم سے چھین لیا۔ راپڑی کی سرحد پر بہلول کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر قنوج کی طرف بھاگ گیا۔ بہلول بھی اس کا پیچھا کرنے میں لگا رہا۔

سلطان حسین اور بہلول کی صلح

ادھر محمد شاہ بہلول سے اپنا پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا کہ جونپور میں اس کا بھائی حسین شاہ امراء سے سازش کر کے بادشاہ بن گیا اور ایک بھاری لشکر بھیج کر اس نے گنگا کے کنارے راج گڑھ میں محمد شاہ کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد سلطان حسین نے جونپور سے بہلول کے چچا قطب خان کو بلایا اور اسے گھوڑا و خلعت عطا کر کے بہلول کے پاس بھیج دیا اور از سر نو بہلول سے صلح کر کے جونپور سے قنوج کی طرف کوچ کیا۔

بہلول نے بھی سلطان حسین کے بھائی جلال خان کو، جسے اس نے قطب خان کے عوض گرفتار کر رکھا تھا، نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ سلطان حسین کے پاس بھیج دیا۔

تین سالہ جنگی معاہدہ

صلح کی یہ حالت کئی سال قائم رہی۔ پھر سلطان اور بہلول کے مابین چنداور کی سرحدوں پر لڑائی ٹھن گئی، یہ لڑائی زیادہ طول نہیں پکڑ سکی اور تین سال تک کے لیے دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا کہ تین سال بعد دونوں مقابلہ کریں گے۔ اس لڑائی کے موقعے پر حاکم بیانہ احمد خان جلوانی سلطان حسین کا حامی بن گیا اور اس نے اس کے نام کا خطبہ پڑھا۔

سلطان حسین کا دہلی پر حملہ

جب معاہدہ کی یہ تین سالہ مدت گزر گئی تو سلطان حسین ایک لاکھ سوار، ایک ہزار ہاتھی اور بڑا ساز و سامان لے کر دہلی پر حملہ کرنے نکلا۔ بھتوارہ کے مقام پر بہلول کے لشکر سے مقابلہ ہوا

لیکن اس بار بھی مصالحت ہوگئی اور سلطان بہلول کو سلطان حسین اٹاوہ لوٹ گئے۔
دونوں بادشاہوں کے یہ دم خم تھے اور مضحکہ انگیز بات یہ تھی کہ ان دونوں کی حدود سلطنت بس سات منزل کی مسافت تک ہی تھیں۔

سلطان حسین کا بدایوں پر قبضہ

اسی سال بدایوں میں سلطان علاء الدین کا انتقال ہوگیا، اس کی بیٹی ملکہ جہان سلطان حسین کے نکاح میں تھی۔ علاء الدین کے انتقال پر سلطان حسین بدایوں آیا اور اسے علاء الدین کے بیٹوں کے قبضے سے نکال کر اپنی حدود میں شامل کرلیا۔ پھر سنبھل پہنچ کر وہاں کے حاکم تاتار خان کو قید کر کے سارن بھیج دیا۔

دہلی پر دوسرا حملہ

ذی الحجہ 880 ھ/1475ء میں سلطان حسین نے ایک بھاری لشکر کے ساتھ دہلی کا ارادہ کیا اور جمنا کے کنارے پنچھ کے گھاٹ پر منزل کی۔
سلطان بہلول سہرند سے کوچ کر کے دہلی پہنچا اور خان جہان کے بیٹے حسین خان کو میرٹھ سے بلا کر سلطان حسین کے مقام پر مقرر کیا۔ لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ اس مرتبہ بھی قطب خان نے بیچ بچاؤ کر کے اس شرط پر صلح کرادی کہ گنگا دونوں کے درمیان حد رہے اور اس کنارے تک سلطان حسین اور اس کنارے سلطان بہلول قابض رہیں۔

بہلول کا وعدہ توڑنا

سلطان حسین صلح کر کے اپنے وطن کی جانب لوٹ گیا اور مصالحت کے بھروسے پر اس منزل پر اپنا بہت سامال واسباب چھوڑ گیا۔ سلطان بہلول نے اس کے پیٹھ پھیرتے ہی دغا پر کمر باندھ لی اور اس کا چھوڑا ہوا سامان لوٹ لیا۔ ہاتھیوں اور گھوڑوں پر لدا ہوا اس کا کچھ

خزانہ بھی مال غنیمت میں بہلول کو مل گیا۔

نوید خرابی

سلطان حسین کے چالیس امیر جن میں اس وقت کے مشہور عالم قاضی سماء الدین جن کا خطاب قتلغ خان تھا، شامل تھے بہلول کے لشکر میں قید ہو گئے۔ بہلول نے قتلغ خان کو طوق وزنجیر پہنا کر قطب خان کے سپرد کر دیا اور خود لشکر لے کر سلطان حسین کے پیچھے پیچھے دوآبہ میں شمس آباد تک گیا۔ اس وقت شمس آباد سلطان حسین کے قبضے میں تھا۔ بہلول نے وہاں قبضہ کر کے اپنا عامل مقرر کر دیا۔

یہ واقعہ 884ھ/1479ء میں پیش آیا، اس کا مادہ تاریخ ''نوید خرابی'' ہے۔ سلطان حسین نے بہلول کا پیچھا کرنے سے تنگ آ کر راپڑی کی سرحد پر مقابلے کا ارادہ کیا، لیکن فریقین میں پھر سے از سر نو مصالحت ہوگئی اور طے پایا کہ دونوں اپنے اپنے قدیم علاقوں پر قابض رہیں۔

سلطان حسین کی شکست

اس صلح کے بعد حسین نے عہد کیا اور شمس آباد میں لشکر جمع کر کے سلطان بہلول کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ موضع سونہار کے قریب بڑے مقابلے کی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں سلطان حسین کو بری طرح شکست ہاتھ لگی۔ اس کا خاصا مال واسباب لودیوں کے ہاتھ لگا۔ اس کامیابی سے لودیوں کی قوت بہت بڑھ گئی۔

اس دوران دہلی میں خان جہان کا انتقال ہوگیا۔ تعزیت کے لیے سلطان بہلول گوپامئو سے دہلی آیا اور اس کے بیٹے کو خان جہان کا عہدہ دے کر واپس چلا گیا۔

راپڑی کی جنگ

راپڑی میں سلطان حسین سے اس کی ایک اور لڑائی ہوئی،اس بار بھی سلطان حسین شکست کھا کر بھاگا۔ اس بھاگم بھاگ میں سلطان حسین کے خاندان کے کچھ لوگ جمنا میں ڈوب گئے۔قوم بھدوریہ کے شرپسندوں نے بھی اس کی بھاگتی ہوئی فوج کو خوب لوٹا۔

سلطان حسین بھاگ کر گوالیار گیا، حاکم گوالیار رائے کیرت سنگھ نے اس کی اطاعت قبول کرلی اور بطور پیش کش بہت سا نقد روپیہ مال وجنس،ہاتھی، اونٹ، گھوڑے دیے اور بہت سے فوجی اس کے ہمراہ کردیے اور خود بھی کالپی تک اس کے ساتھ گیا۔

کالپی کی جنگ

سلطان بہلول بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا کالپی پہنچ گیا۔کالپی کی سرحد پر فریقین میں پھر لڑائی ہوئی اور یہ مقابلہ کافی دیر تک ہوتا رہا۔اسی دوران میں بکسر کے حاکم رائے تلوک چند (ترلوک چند) نے سلطان حسین کی خدمت میں آکر اس کے لشکر کو گنگا پار کروا دیا۔ سلطان حسین مزید مقابلے کی ہمت نہ پاکر پٹنہ چلا گیا۔ وہاں کے راجہ نے بھی بڑھ کر استقبال کیا اور بہت سا نقد، مال، جنس اور ہاتھی نذر دیے اور اسے جونپور پہنچا دیا۔

بہلول لودھی کا جونپور پر حملہ

سلطان بہلول نے ان لڑائیوں کا قصہ ختم کرنے کے لیے جونپور پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ سلطان حسین بھی جونپور سے نکل کر بہرائچ کی راہ قنوج پہنچا اور وہاں دریائے رھب کے کنارے سلطان بہلول سے مقابلہ کیا۔ پُرانے طرز پر اسے پھر شکست ہوئی اور لودیوں نے اس کی بادشاہی کا سارا ساز وسامان لوٹ لیا۔

سلطان حسین کی بیوی ملکہ جہان بی بی خونزا جو علاء الدین کی بیٹی تھی لودیوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئی۔ بہلول نے اسے بڑی عزت وعِفت کے ساتھ رکھا اور جب اس نے دوبارہ جونپور

پر حملہ کیا تو وہ کسی تدبیر سے نکل کر اپنے شوہر کے پاس پہنچ گئی۔

سلطان بہلول نے جونپور پہنچ کر قبضہ کر لیا اور وہاں مبارک خان لوحانی کو مقرر کر کے بدایوں آیا۔ لیکن جیسے ہی بہلول جونپور سے رخصت ہوا سلطان حسین موقع پا کر جونپور میں داخل ہو گیا اور بہلول کے امیر وہاں سے بھاگ کر قطب خان کے پاس مجھول چلے گئے اور سلطان حسین سے التجا کرتے رہے اسی دوران ان کی مدد کے واسطے سلطان بہلول نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے جونپور کی طرف کوچ کر دیا۔ بہلول کی آمد سے سلطان حسین گھبرا کر بہار چلا گیا۔ جب بہلول قصبہ ہلدی میں پہنچا تو اسے قطب خان کے انتقال کی خبر ملی۔ بہلول نے اپنے چچا کے مراسم تعزیت ادا کیے اور اس کے بعد جونپور میں فاتحانہ شان سے داخل ہوا۔

بہلول نے جونپور کے تخت پر اپنے بیٹے باربک کو بٹھایا اور خود کالپی چلا گیا۔ یہ علاقہ اپنے بھتیجے اعظم ہمایوں کو جس کا اصلی نام خواجہ بایزید تھا دے دیا۔ وہاں سے دھل پور پہنچا وہاں کے راجہ سے کئی من سونا نذرانہ لے کر باری سے ہوتا ہوا رنتھنبور کے علاقے پالھن پور گیا اور اسے پامال و غارت کر کے دہلی لوٹ آیا۔

کچھ دن بعد بہلول نے حصار فیروزہ کا سفر کیا اور وہاں مختصر سے قیام کے بعد دہلی واپس آ گیا۔ دہلی سے سلطان نے گوالیار کی طرف بھی کوچ کیا۔ وہاں کے راجہ مان سے اس وقت کے مروجہ اَسّی لاکھ ٹنکے پیش کش وصول کر کے اور گوالیار کی حکومت اسی کے نام سے بحال کر کے واپس آ گیا۔

سلطان بہلول لودی کی وفات

سلطان بہلول گوالیار سے اٹاوہ کی راہ دہلی واپس جانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے صحیح سلامت دہلی واپس جانا نصیب نہیں ہوا وہ قصبہ سکیٹ میں پہنچا تو بیماری اس کے لیے جان لیوا بن گئی۔

سلطان بہلول نے 894ھ/1489ء میں اڑتیس سال آٹھ مہینے آٹھ دن حکومت

کرنے کے بعد وفات پائی۔

قطعہ تاریخ:

بہ ہشتصد و نود وچار رفت از عالم
خدیو ملک ستان وجہان کشا بہلول
بہ تیغ ملک ستان بود لیک دفعِ اجل
بود محال بہ شمشیر و خنجر معقول

سلطان سکندر بن بہلول لودی

سلطان بہلول کے انتقال کی خبر جب اس کے بیٹے نظام خان کو ملی تو وہ اسی وقت دہلی سے کوچ کر کے قصبہ جلالی میں لشکر سے آملا اور باپ کی نعش دہلی کے لیے روانہ کی۔

سکندر کی تخت نشینی

نظام خان نے جمعہ کے دن سلطان فیروز کے قصر میں جو کالی ندی کے کنارے ہے اپنا خطاب سلطان سکندر رکھ کر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ مشہور ہے کہ جب وہ دہلی سے چلنے لگا تو حضرت شیخ سماء الدین 6 کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ حضرت شیخ جمالی کے پیر تھے اور اس عہد کے بڑے عالم و بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ شاہزادے نے ان سے ''اسعدک اللہ'' کے معنی پوچھے۔ انھوں نے فرمایا ''تجھ کو اللہ تعالیٰ نیک بخت بنائے'' شاہزادے نے عرض کیا: ''آپ اپنی زبان مبارک سے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمادیجئے'' شیخ نے تین مرتبہ ایسا ہی کہا تو شاہزادے نے اٹھ کر کہا کہ: ''میری مراد بر آئی'' اور شیخ سے دعا کرا کے لشکر کی طرف چلا گیا۔

باربک شاہ سے مقابلہ

جب سلطان سکندر کی سلطانی اچھی طرح جم گئی تو اس نے دہلی سے راپڑی اور اٹاوہ کی طرف کوچ کیا۔ اس علاقے میں وہ سات ماہ تک ٹھہرا رہا اور اس دوران اپنے بھائی باربک شاہ سلطان جونپور کے پاس اسمٰعیل خان لوحانی کو مصالحت کا پیغام دے کر بھیجا۔ خود بتیالی کے حاکم عیسیٰ خان پر حملہ کر دیا۔ مقابلے میں عیسیٰ خان نے زخمی ہوکر اطاعت قبول کر لی لیکن وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہوسکا اور مر گیا۔ پٹیالی کا راجہ رائے گنیش جو باربک شاہ کا حامی تھا سکندر سے مل گیا اور سکندر نے اسے پٹیالی کی حکومت پر بحال رکھا۔

باربک شاہ مصالحت پر راضی نہیں ہوا اور لشکر لے کر جونپور سے قنوج آیا۔ اسی جگہ دونوں بھائیوں میں سخت لڑائی ہوئی جس میں باربک کا طرف دار امیر مبارک خان گرفتار ہوگیا اور باربک بدایوں بھاگ گیا۔ سکندر نے پیش قدمی کر کے بدایوں کا محاصرہ کر لیا۔ باربک مجبور ہوکر اس کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

سکندر نے باربک کا اچھی طرح سے خیر مقدم کیا اور اسے تسلی دے کر اپنے ساتھ جونپور لے گیا حسب سابق اسے مملکت شرقی کا حکمراں بنادیا لیکن جونپور کے سارے پرگنے اپنے امیروں میں تقسیم کر دیے اور ہر جگہ اپنی فوج مقرر کردی۔ کالپی سے اعظم خان ہمایوں کو معزول کردیا۔

اس انتظام کے بعد سکندر چھترہ گیا اور وہاں سے گوالیار پہنچا۔ خواجہ محمد علی فرملی کو خلعت خاص دے کر اپنا وکیل بنایا اور اسے راجہ مان کے پاس بھیجا۔ راجہ نے بھی اظہار اطاعت کے لیے اپنے بھتیجے کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور وہ بیانہ تک بادشاہ کے ساتھ رہا۔

بیانہ کی تسخیر

جب سکندر شاہ بیانہ پہنچا تو سلطان الشرق حاکم بیانہ جو سلطان احمد جلوانی کا بیٹا تھا حاضر خدمت ہوا اس نے قلعہ و بیانہ کی کنجی سکندر کے گماشتوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن

بعد میں اس کی نیت بدل گئی اور بیانہ واپس جا کر قلعے میں بند ہو گیا۔

یہاں سے سلطان سکندر آگرہ گیا۔ جہاں سلطان الشرق کا عزیز ہیبت خان جلوانی موجود تھا۔ وہ سکندر کی سرحد پر قلعہ آگرہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ سکندر نے چند امیروں کو آگرہ پر مقرر کیا اور خود بیانہ کی طرف کوچ کر دیا۔

897ھ/1491ء میں جب سلطان الشرق بالکل مجبور ہو گیا تو ہتھیار ڈال دیے اور پناہ طلب کر کے قلعہ بیانہ سلطان کے حوالے کر دیا۔ سکندر نے بیانہ کی حکومت خان جہان فرملی کے حوالے کر دی۔

بچگوتی قوم کی بغاوت

اسی سال جونپور میں بچگوتی قوم نے بغاوت کی اور تقریباً ایک لاکھ سوار اور پیادے جمع کر کے فساد برپا کر دیا۔ ان کی بغاوت کو کچلنے کے لیے سکندر نے جونپور کا رخ کیا۔ باربک نے آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا۔ یہاں سے سکندر کچھ دن کے لیے سیر و شکار کی غرض سے اودھ چلا گیا۔ پھر لوٹ کر جونپور کا قصد کیا۔

جب سکندر جنجھار کے قلعے کے پاس پہنچا تو سلطان حسین شرقی کے امیروں نے اس سے مقابلہ کیا۔ سکندر نے ان کو شکست دے کر بھگا دیا اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ سکندر نے ان کے محاصرہ کی فکر نہ کی بلکہ سیدھا الہ آباد کے قریب باریل چلا گیا اور اس علاقے کو بری طرح پامال کر کے کڑہ اور مانک پور کے راستہ دلمئو کا رخ کیا۔ وہاں سے شمس آباد آیا جہاں چھ ماہ تک قیام کیا پھر سنبھل جا کر شمس آباد لوٹ آیا۔

پٹنہ اور بہار پر فوج کشی

900ھ/1494ء میں برسات کے بعد سکندر شاہ نے پٹنہ پر لشکر کشی کی اور وہاں کے سرکشوں کی خبر لی اور پھر جونپور واپس آ گیا۔ اس سفر میں اتنے گھوڑے مرے کہ دس میں سے

بس ایک زندہ رہا۔ اس کے لشکر کو اس مشکل میں گرفتار دیکھ کر پٹنہ کے زمینداروں نے سلطان حسین شرقی کو عرضی بھیج کر بلایا۔ سلطان حسین ایک بڑی جمیعت فراہم کر سکندر پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوا۔

جب سکندر کو اس کی خبر ملی تو وہ گنگا عبور کر کے جھجھار پہنچا اور وہاں سے بنارس آیا۔ سلطان حسین نے بھی یلغار کرتے ہوئے بنارس کا رخ کیا۔ لیکن ابھی وہ 18 کوس پر ہی تھا کہ سکندر اس کے سر پر بجلی کی مانند ٹوٹ پڑا۔ راستے میں پٹنہ کا راجہ سالباھن بھی سلطان حسین سے کٹ کر سکندر کے پاس آگیا۔ یہ لڑائی بھی سلطان حسین ہار گیا اور پٹنہ کی طرف بھاگ نکلا۔ سکندر نے ایک لاکھ سپاہیوں کے ہمراہ اس کا پیچھا کیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ سلطان حسین بہار کی طرف بھاگ گیا۔ غرض سکندر نویں دن اس کے تعاقب سے لوٹ کر لشکر کے خیمے میں واپس آگیا اور بہار پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوا۔

سلطان حسین کو جب بہار پر اس کی فوج کشی کی اطلاع ملی تو وہ بہار میں اپنے ایک نائب کو چھوڑ کر کھل گاؤں ضلع لکھنوتی چلا گیا۔ سکندر نے حملہ کر کے بہار پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ کر ترہٹ کو فتح کیا۔

901ھ/1495ء میں خواجہ جہان نے انتقال کیا اور اس کے بڑے بیٹے احمد خان کو اعظم خان ہمایوں کا خطاب ملا۔

ترہٹ میں سلطان سکندر حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کی زیارت کے لیے گیا۔ ان کی زیارت سے فارغ ہو کر درویش پور آیا۔ وہاں سے شاہ بنگالہ علاء الدین پر فوج کشی کی۔ بہار کے علاقے میں علاء الدین کا بیٹا دانیال اس کے مقابلے پر آیا۔ آخر دونوں میں صلح ہوگئی اور دونوں اپنے وطن کی طرف واپس ہوگئے۔

قحط اور تنگدستی

اس سال شاہی لشکر قحط و تنگدستی میں بُری طرح مبتلا ہوگیا اور بادشاہ نے ہر طرف فرمان بھیج دیا کہ غلّہ کی زکوۃ بند رکھی جائے۔ سکندر بنگالہ کی سرحد سے لوٹ کر سارن پہنچا اور اس

علاقے کو تقسیم کر کے اپنے امیروں کے حوالے کر دیا شاہی لشکر سارن سے براہ بہلی گڑھ، جونپور پہنچ گیا جہاں چھ ماہ تک قیام کیا۔

جون پور سے سکندر نے دوبارہ پٹنہ پر لشکر کشی کی اور 904 ھ/1498ء میں پٹنہ سے باندھو گڑھ کا سارا علاقہ برباد کر ڈالا۔ البتہ وہاں کے مضبوط قلعوں کو فتح کیے بغیر ہی جونپور واپس چلا گیا۔

امیروں کی سازش

جونپور کے امیروں میں کسی کھیل کے دوران اختلاف ہو گیا اور قتل وخون تک نوبت پہنچ گئی۔ سکندر اپنے ان جھگڑالو امیروں سے بدگمان ہو گیا اور اپنی حفاظت کے لیے خاص بھروسہ کے لوگوں کو مقرر کر دیا۔ یہ محافظ دستہ ہتھیار باندھے رات بھر بادشاہ کی حفاظت کرتا تھا۔

سکندر نے ناراض ہو کر جن جن امیروں کو معزول کر دیا تھا انھوں نے سلطان بہلول کے بیٹے فتح خان کو سلطنت کے لیے اکسایا۔ فتح خان سادہ لوح آدمی تھا، اس نے اپنی ماں، شیخ طاہر اور سلطان کے معتمد امراء سے سازش کا ذکر کر دیا اور ترغیب دینے والے امیروں کے نام بھی ظاہر کر دیے۔ ان سب نے فتح خان کو اس خام خیالی سے منع کیا اور اسے اچھی طرح سمجھا بجھا کر ایسے کسی اقدام سے روک دیا اور خود کو ذمہ داریوں سے بچانے کے لیے سلطان سکندر سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ سکندر نے بڑی حکمتِ عملی سے کام لے کر ان مفسد امیروں کو منتشر کر دیا۔

905 ھ/1499ء میں سکندر سنبھل آ کر رُکا۔ پورے چار سال یہاں اُس نے سیر وشکار، تفریح اور عیش وعشرت میں گزارے۔

دہلی کے حاکم کی بغاوت

سکندر کو عیش وعشرت میں مشغول دیکھ کر 905 ھ/1499ء میں دہلی کے حاکم اصغر

نے بغاوت کردی۔ سکندر نے سنبھل سے ماچھی واڑہ کے حاکم خواص خان کے نام فرمان بھیجا کہ ''اصغر کو گرفتار کر کے ہمارے حضور بھیج دو'' خواص خان فرمان شاہی کی تعمیل میں روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اصغر نے خود ہی سنبھل پہنچ کر اپنے آپ کو گرفتار کے لیے پیش کردیا۔ اس کی جگہ سلطان نے خواص خان کو دہلی کا حاکم مقرر کردیا۔

اسی سال بیانہ کے حاکم خان خانان فرملی کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دنوں تک بیانہ پر اس کے بیٹے عماد اور سلطان مقرر رہے، پھر دونوں کو خدمت شاہی میں طلب کرلیا گیا اور بیانہ کا قلعہ خواص خان کے سپرد ہوگیا۔ آگرہ صفدر خان کے حوالے کردیا گیا۔

دھول پور کی مہم

خواص خان نے حاکم میوات عالم خان لوحانی اور خان خانان لوحانی کو اپنی مدد کے لیے ساتھ لے کر دھولپور 7 پر فوج کشی کی۔ دھولپور کے راجہ نے جم کر مقابلہ کیا۔ لڑائی میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ جب سکندر کو خبر ملی تو وہ لشکر لے کر ان کی مدد کے لیے دھولپور آیا۔ شاہی لشکر کی آمد پر دھولپور کا راجہ مانک دیو قلعہ چھوڑ کر گوالیار بھاگ گیا اور اس علاقے میں لوٹ مار اور غارت گری شروع کردی۔

سکندر ایک ماہ تک دھولپور میں رہا پھر وہاں سے کوچ کر کے گوالیار پہنچا اور وہاں آدم لودی کو مقرر کر کے چنبل ندی کو پار کیا اور مینڈکی کے کنارے لشکر گاہ قائم کی۔ وہاں آب وھوا کی خرابی کی وجہ سے لشکر میں وبا پھیل گئی۔ اسی اثنا میں گوالیار کے راجہ نے صلح کرلی اور بادشاہ کے لشکر سے بھاگے ہوئے امیروں سعید خاں، بابوخان اور رائے گنیش وغیرہ کو جو گوالیار میں پناہ لیے بیٹھے تھے اپنے قلعے سے باہر کردیا اور اپنے بڑے بیٹے کو سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے اسے گھوڑے اور خلعت عطا کر کے واپس کردیا، وہ وہاں سے آگرہ چلا گیا اور دھولپور کی حکومت مانک دیو کے نام دوبارہ بحال کردی۔ سکندر نے پورا موسم برسات آگرہ میں بسر کیا۔

910ھ/1504ء میں آگرہ سے کوچ کر کے قلعہ مورائل پر لشکر کشی کی وہاں کے رائے

نے معافی لے کر قلعہ چھوڑ دیا۔ سکندر نے قلعے میں داخل ہوکر وہاں کی ساری عبادت گاہیں توڑ دیں۔ وہاں سے لوٹ کر دھولپور کے قلعے کو ازسرنو تعمیر کرایا اور وہاں سے آگرہ چلا گیا۔

آگرہ پہنچ کر سلطان سکندر نے اپنے تمام امیروں کو لشکر سے چھٹی دے کر ان کو متعلقہ جاگیروں پر رخصت کر دیا۔

سید محمد مہدی

900 ھ/1494 ء میں سیّد محمد جون پوریؒ نے انتقال فرمایا یہ بڑے پایہ کے بزرگ اور ولی کامل تھے۔ انھوں نے امام مہدی ہونے کا بھی دعوی کیا تھا۔ جب وہ حج سے لوٹ رہے تھے شہر فرہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی تاریخ وفات قاضی حسین زرگر قندھاری نے لکھی ہے:

گفتا کہ بروز شیخ کن استفسار

شیخ مبارک نے مادہ تاریخ نکالا تھا: ''مضاء مہدی''

تباہ کن زلزلہ

911 ھ/1505 ء میں سارے ہندستان میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ پہاڑ تک دہل گئے اور بڑی بڑی عمارتیں زمین کے اندر دھنس گئیں۔ جابجا زمین میں دراڑ پڑ گئی اور درخت اُکھڑ کر دور دور تک جا گرے۔ لوگ یہ دیکھ کر سمجھنے لگے کہ بس قیامت آگئی۔ بابر کی تاریخ اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن یہ زلزلہ صرف ہندستان میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی آیا تھا۔ اس زلزلہ کی تاریخ لفظ ''قاضی'' سے نکلتی ہے۔

قطعہ:

در نہصد واحدی عشراز زلزلہ ھا
گردید سواد آگرہ چون مرحلہا

با آنکہ بناھاش بسی عالی بود
از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

کہتے ہیں کہ آدم کے وقت سے لے کر اس وقت تک ایسا زلزلہ کبھی نہیں آیا تھا۔

اونت گڑھ اور نرور کی فتح

912ھ/1506ء میں سلطان سکندر نے اونت گڑھ کے قلعے پر حملہ کیا اور اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس محاصرے میں سلطانی فوج کے بہت سے لوگ مارے گئے لیکن سلطان کو فتح حاصل ہوئی۔ بڑی تعداد میں ہندو بھی جاں بحق ہوئے۔ جو بچے اپنے اہل وعیال سمیت خود جل کر مر گئے۔ سلطان نے وہاں کے بت خانے توڑ کر مسجدیں تعمیر کرائیں۔

913ھ/1507ء میں نرور کے قلعے پر چڑھائی کی۔ راستہ میں جلال خان لودی نے اپنے سواروں اور پیادوں کی ایک بڑی جمعیت بادشاہ کے حضور پیش کی۔ سکندر کو اس کی یہ کارگزاری کہ اتنی بڑی جمعیت اس نے اپنے گرد اکھٹی کر لی تھی کچھ پسند نہ آئی اور اس نے اس جمعیت کو منتشر کر کے اسے گرفتار کر لیا اور قلعہ اوسکر میں بھیج دیا۔ نرور کے محصورین نے معافی مانگ کر صلح کر لی۔

نعمت خان

914ھ/1508ء میں نرور کے اطراف ایک اور حصار تعمیر کرایا تاکہ قلعہ اور زیادہ مستحکم ہو جائے۔ اسی دوران قطب خان کی بیوی نعمت خاتون سکندر سے ملنے کے لیے آئی۔ سلطان نے شہزادہ جلال خان کو دو سو گھوڑے اور پندرہ ہاتھی دیے اور اسے نعمت خان کے ساتھ کالپی کے لیے روانہ کیا اور وہ علاقہ شہزادے کی جاگیر میں دے دیا۔

آگرہ کی طرف واپسی

915ھ/1509ء میں سلطان ھاہر سے کوچ کر کے ہنکات اور وہاں سے آگرہ روانہ ہوا۔ راستے میں جگہ جگہ تھانے مقرر کیے۔ اس کے آگرہ پہنچنے کا مادہ تاریخ ہے:

"ولہ الحکم والیہ ترجعون"

اسی سال مالوہ کے سلطان ناصر الدین کا نواسہ اپنے نانا کے خوف سے بھاگ کر سکندر کے پاس پناہ لینے آیا۔ سلطان نے چندیری اس کی جاگیر میں عطا کیا اور شہزادہ جلال خان کو اس کی مدد اور تعاون کی تاکید کی۔

915ھ/1509ء میں سکندر نے آگرے سے دھولپور تک جگہ جگہ عمارتیں بنوائیں اور باغات لگوائے تاکہ اس علاقے میں سیر وشکار اور آرام کرنے کی سہولتیں موجود رہیں۔

محمد خان ناگوری کی اطاعت

اسی سال محمد خان ناگوری نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس کی ساری قوم پہلے ہی سے سکندر سے مل گئی تھی اور اب اس کے لیے اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنے ملک میں سلطان کے نام کا خطبہ بھی شروع کرا دیا نیز بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ سکندر کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔

جس وقت سکندر اونت گڑھ کی مہم پر گیا تھا اس نے خان خانان فرملی کے بیٹے سلیمان کو نوپر کی طرف روانہ کیا تھا لیکن یہ تعیناتی اس نے قبول نہیں کی تھی اور ٹال مٹول کرتا رہا تھا۔ اس سال سکندر نے اس حکم عدولی کے جرم میں اسے معزول کر دیا البتہ اندری کرنال کا پرگنہ اس کی معاش کے لیے دے دیا۔ وہ اسی جگہ جا کر مقیم ہو گیا۔

چندیری کا شامل کیا جانا

مالوہ کے سلطان محمود کی سلطنت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہجت

خان مالوہ نے چندیری کو سلطان سکندر کے حوالے کر دیا اور وہاں سکندر کے نام کا خطبہ شروع کرا دیا۔اس خوش خبری کے فرمان اور فتح نامے ہر طرف بھیجے گئے۔سلطان سکندر نے سلطان ناصر الدین کے پوتے محمود خان کے پہلے شہر چندیری میں نظر بند کر دیا تھا بعد میں چندیری اس کو عطا کر کے اسے بحال کر دیا، البتہ احتیاط کے لیے اس پر اپنے اعتبار کے لائق حاکم بھی مقرر کر دیے گئے۔

سید نعمت اللہ حسینی

چندیری کے انتظام کے بعد بادشاہ نے بیانہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء وفضلاء کی خدمت میں حاضری دی۔ بیانہ میں سید نعمت اللہ حسینی 8 سے جو بڑے بزرگ اور صاحب کشف وکرامات تھے جن سے سلطان سکندر کو بڑی عقیدت تھی، اکثر وہ ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

دولت خان کی اطاعت

رنتھنبور کے حاکم شاہزادہ دولت خان نے بھی جو سلطان محمود مالوی کے ماتحت تھا علی خان ناگوری کے ذریعہ سلطان کی ملازمت اختیار کر لی اور قلعے کی کنجی حوالے کر دینے کا عہد کیا لیکن علی خان ناگوری کی نیت کچھ بدل گئی اور اس نے کنجی دینے سے روک دیا۔بادشاہ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی لیکن اس نے علی خان کی اس حرکت کو نظر انداز کر دیا اور دولت خان سے بیٹوں کی طرح شفقت ومہربانی کا سلوک کیا، خاص خلعت کئی گھوڑے اور ہاتھی اسے عطا کیے۔

سلطان سکندر لودی کی وفات

سلطان نے قلعہ تھکر پہنچ کر کچھ دن قیام کیا۔ وہاں سے سیر کرتے ہوئے قصبہ باری

میں آیا پھر آگرہ واپس ہوگیا۔

آگرے پہنچنے کے بعد سکندر بیمار ہوگیا اور اسی بیماری میں اتوار کے دن 17/ذی القعدہ 922ھ/1516ء میں انتقال ہوا اس کی تاریخ وفات کا مادہ ہے۔

"وَجَنّاتُ الفردوسِ نزُلاً"

سلطان سکندر نے 28 سال پانچ ماہ بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔

سکندر لودی کی شعر گوئی

سلطان سکندر بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ شعروسخن کا اسے ذوق تھا۔ شاعروں سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا، اکثر شعراء اس کی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔ سکندر خود بھی قدیم ہندی طرز میں شعر کہا کرتا تھا اس نے اپنا تخلص گلرخ رکھا تھا۔ یہ چند شعر اسی کے ہیں:

سروی کہ سمن پیرھن وگل بد نستش
روحی ست مجسم کہ دران در شکنتش
مشک ختن چیست کہ صد مملکت چین
در حلقہ آن زلف شکن در شکنتش
گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف
ھم چون درسیراب سخن درد ہنستش
در سوزن مژگان بکشم رشتہ جان را
تا چاک بدزم کہ دران پیر ھنستش

سلطان سکندر کے عہد میں ایک نامور شاعر برہمن بھی تھا جو باوجود کفر کے مروجہ علوم کی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا۔ حسب ذیل مطلع اسی کا ہے، جسے اس نے مسعود بیگ کی زمین میں کہا ہے:

دل خون نشدی چشم تو خنجر نشدی گر
رہ گم نشدی زلف تو ابتر نشدی گر

عہد سکندری کے علماء

سلطان سکندر کے زمانے کے علماء میں دہلی میں شیخ عبداللہ طلنبی اور شیخ عزیز طلنبی سنبھل میں تھے۔ یہ دونوں بزرگ ملتان کی بربادی کے وقت ہندستان آئے تھے۔ ہندستان میں علوم معقولات کی ترویج میں ان بزرگوں کا بڑا حصہ ہے۔ اس سے پہلے علم منطق اور کلام میں ''شرح شمسیہ اور شرح صحائف'' بس یہ دو رسالے ہی ہندستان میں رائج تھے۔

شیخ طلنبی

استادوں سے سننے میں آیا ہے کہ شیخ عبداللہ کے حلقۂ درس میں چالیس سے زیادہ بڑے بڑے متبحر عالم جیسے میاں لادن، جمال خان دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میران سید جلال بدایونی فارغ ہوکر نکلے تھے۔

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر بھی شیخ عبداللہ کے درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دبے پاؤں آکر ادب سے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا تھا تاکہ طلبہ کے سبق میں خلل نہ پڑے۔ درس کے بعد سلام علیک کہہ کر دیر تک ان کی صحبت میں بیٹھا رہتا تھا۔

شیخ عزیز اللہ طلنبی

دوسرے عالم شیخ عزیز اللہ طلنبی بھی بڑے رشد و ہدایت والے عالم تھے۔ ان کا حافظہ بلا کا تیز اور ذہن خوب رسا تھا۔ مشکل سے مشکل منتہی کتابوں کو بغیر مطالعے کے بہ آسانی پڑھا دیتے تھے۔

اکثر لوگوں نے امتحان کے طور پر ان کے سامنے الجھے ہوئے پیچیدہ سوالات رکھے

لیکن انھوں نے ان سوالوں کو چٹکیوں میں حل کر کے دکھا دیا۔

ان کے تلامذہ میں میاں حاتم سنبھلی تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی عمر میں شرح مفتاح کا تیس سے زیادہ اور مطول کا چالیس سے زیادہ مرتبہ بسم اللہ سے آخر تک درس دیا۔

شیخ الہدیہ (اللہ دیا)

ایک دوسرے صاحب تصانیف عالم جونپور کے شیخ الہدایہ تھے۔ انھوں نے فقہ کی ہدایہ پر چند جلدوں پر مشتمل شرح لکھی ہے۔ انھوں نے کافیہ کی جو شرح لکھی ہے اس کی تعریف تو زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ انھوں نے تفسیر مدارک وغیرہ پر حاشیے لکھے ہیں جو اس زمانے تک پڑھائے جاتے ہیں۔

سکندر نے ایک مرتبہ اپنے ایک ملک کے تمام علماء کو جمع کیا۔ ایک جانب شیخ عبداللہ اور شیخ عزیزاللہ اور دوسری جانب سے شیخ الہدیہ اور ان کے لڑکے بھکاری نے علمی مباحثہ کیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے دو بزرگ تقریر میں اور دوسرے دو تحریر میں سب سے فائق و ممتاز ہیں۔

شیخ عبداللہ کا انتقال 922ھ/1516ء میں ہوا ان کا مادہ تاریخ ہے:

"أُولٰئك لهم درجات العلیٰ"

عہد سکندری کے شعراء

اس زمانے کے شاعروں میں ایک شیخ جمالی کنبو دہلوی تھے۔ سلطان سکندر ان کو اکثر اپنے شعر سنایا کرتا تھا۔ شیخ جمالی بڑے رنگارنگ شاعر تھے، سیر و سیاحت بھی بہت کی تھی۔ مولانا جامی 9 کی خدمت میں بھی عرصے تک رہے تھے اور شعر و سخن میں ان سے اصلاح لی تھی۔ ان کا نمونہ کلام ہے:

مارا از خاک کویت پیرھنی ست برتن
و آن ھم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

عشق راطی لسانی ست کہ صد سالہ سخن
دوست بادوست بیک چشم زدن میگوید

ان کی یہ غزل جو ہندی طرز میں کہی گئی ہے بڑی وجد آور اور بہت مشہور ہے۔

طال شوقی الیٰ منازلکم
ایہا الغائبون عن نظری
روز و شب مونسم خیال شماست
فاسئلوا عن خیالکم خبری

تذکرہ سیر العارفین

شیخ جمالی نے سیر العارفین کے نام سے ہندستان کے بزرگوں کے حالات پر ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ یہ تذکرہ ہے تو خوب لیکن اس میں غلطیاں بے شمار ہیں۔ تذکرے کی ابتداء حضرت خواجہ بزرگوار معین الحق والدین الاجمیریؒ سے اور اس کا اختتام ان کے اپنے پیر شیخ سماء الدین کنبو دہلوی پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نظم و نثر میں ان کی اور بھی چیزیں ہیں۔ ان کا دیوان آٹھ نو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

سلطان ابراہیم بن سکندر لودی

سلطان سکندر کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم امراء کے اتفاق سے تخت نشین ہوا۔ سلطان سکندر نے شہزادہ جلال خان کو جونپور کی حکومت عطا کی تھی۔ امراء نے اسے بھی شریک سلطنت قرار دے دیا۔ اسی دوران خان جہان خان لوحانی راپڑی کا حاکم آگرہ آیا اور جلال خان کو شریک سلطنت بنانے پر امیروں کو لعنت ملامت کی۔ پورب کے تمام امراء کے نام فرامین جاری کرائے کہ جلال خان کو گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کر دیں۔

جلال خان کا بادشاہت کا دعویٰ

جلال خان جونپور سے کالپی پہنچا۔ وہاں ایک بہت بڑا لشکر اکٹھا کر کے اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرایا اور اپنا خطاب سلطان جلال الدین رکھا۔ اعظم ہمایوں سروانی کچھ عرصے تک تو جلال خان کا معاون بنا رہا لیکن بعد میں سلطان ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

سلطان ابراہیم نے اسمٰعیل خان، حسین خان اور دوسرے شاہزادوں کو جو پہلے سے قید میں تھے، ہانسی کے قلعے میں بھجوا دیا۔ ان کے لباس اور کھانے کا انتظام کرا کے دو دو خدمت گار ہر ایک کے لیے مقرر کر دیے۔

ابراہیم لودی کی لشکر کشی

سلطان ابراہیم نے پورب کی طرف لشکر کشی کی اور بھون گاؤں پہنچا اور اس علاقے کو پامال کرتا ہوا قنوج آیا۔ وہاں سے کئی ایک امیروں کی سرکردگی میں جلال خان کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ جلال خان نے بھی تیس ہزار سواروں اور کثیر ہاتھیوں کے ساتھ آگرے کا رخ کیا۔ سلطان ابراہیم کی طرف سے آگرے کی حفاظت پر ملک آدم کا تقرر کیا۔ اس کی مدد کے لیے بھی کئی ایک امیر پہنچ گئے۔

جلال خان کا اظہار اطاعت

امیروں نے جلال خان سے تفصیلی گفتگو کی اور کہہ سن کر اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ سلطان ابراہیم کے حق میں بادشاہت سے الگ ہو جائے اور کالپی اس کی جاگیر میں رہے۔ اس شرط پر امراء نے اس کے قصور معاف کرا دینے کی حامی بھری۔ جلال خان اس بات پر راضی ہوگیا اور شاہی امتیاز، چتر، آفتاب گیر اور نقارہ وغیرہ ملک آدم کو دیا۔ ملک آدم نے اٹاوہ کے قریب یہ چیزیں بادشاہ کے حضور پیش کیں اور جلال خان کی سفارش کی۔

جلال خان کا فرار ہونا

سلطان ابراہیم نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور جلال خان کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کردی۔ جلال خان پریشان ہوکر گوالیار بھاگ گیا اور سلطان سکندر کے تمام امیروں نے جنھوں نے یہ حالت پیدا کی تھی سلطان ابراہیم کی اطاعت قبول کرلی۔ صرف ایک امیر میاں بھوہ ایسا تھا جسے بادشاہ نے معاف نہیں کیا یہ سکندر کا بڑا نامی وزیر اور مشیر رہ چکا تھا۔ ابراہیم نے سلطنت کے برخلاف اسے زنجیر میں بندھوا کر ملک آدم کے حوالے کر دیا اور وہ اسی قید میں مرگیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے کو باپ کا منصب اور عہدہ دے دیا۔
سلطان نے حاکم کڑہ اعظم خان ہمایوں سروانی کی کمان میں تیس ہزار سوار اور ایک سو ہاتھی گوالیار کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب جلال خان کو شاہی لشکر کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ گوالیار سے سلطان محمود مالوی کے پاس مالوہ چلا گیا۔

گوالیار کا محاصرہ

شاہی فوج نے گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔اس وقت وہاں کا حاکم رائے مان سنگھ تھا جس نے اپنے باپ رائے بکرما جیت کو قتل کر کے حکومت حاصل کی تھی وہ مسلمانوں کے حملے کی مدافعت نہیں کر سکا اور گوالیار کا قلعہ زیریں حصار بادل گڑھ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ وہاں ایک کانسے کا بت تھا جس کی ہندو پوجا کرتے تھے۔ ہمایوں نے وہ بت سلطان کے پاس آگرہ روانہ کردیا۔ بادشاہ کے حکم سے اس بت کو شہر دہلی کے دروازے پر ڈال دیا گیا۔ یہ بت اس کتاب کی تصنیف سے دس سال پہلے فتح پور سیکری لایا گیا تھا۔ میں (مؤلف منتخب التواریخ) یعنی عبد القادر نے اس بت کو دیکھا ہے۔ اس کے سامنے ناقوس اور گھنٹہ بجایا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں سلطان ابراہیم اپنے اکثر امیروں سے بدظن ہوگیا اور مختلف مقامات پر تبادلے کر کے ان کو منتشر کردیا۔

جلال خان کا قتل

مالوہ میں جلال خان اور محمود مالوی کے درمیان زیادہ دن نبھ نہ سکی اور جلال خان مالوہ سے بھاگ کر کڑہ کنکہ کی طرف نکل گیا۔ اس جگہ گونڈ قبیلے کے لوگوں نے اسے پکڑ کر سلطان ابرھیم کے پاس روانہ کردیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو بھی دوسرے شاہزادے کے ساتھ قلعہ ہانسی میں قید رکھا جائے، لیکن کسی دشمن نے اسے راستے ہی میں قتل کردیا۔

اعظم ہمایوں کی گرفتاری

گوالیار پر اعظم ہمایوں برابر محاصرہ کیے پڑا تھا۔ قریب تھا کہ اس کی کوششوں سے یہ مستحکم قلعہ فتح ہوجائے کہ عین وقت پر سلطان کی طلبی کا فرمان آگیا اور وہ محاصرہ اٹھا کر آگرہ لوٹ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی بادشاہ نے اسے اور اس کے بیٹے فتح خان کو قید کرلیا۔

اسلام خان کی بغاوت

اعظم ہمایوں کا دوسرا بیٹا اسلام خان کڑہ میں تھا۔ اسے باپ کی ساری دولت اور ساز و سامان مل گیا۔ اس نے اس مال سے کڑہ میں ایک بڑی جمیعت منظم کرلی اور اس نواح کے امراء کو اپنا معاون بنالیا اور حاکم کڑہ احمد خان پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔

اعظم ہمایوں لودی کا بھائی احمد خان ایک بڑے جتھے کا سربراہ تھا۔ سلطان نے اسے اور خان خانان فرملی جیسے بڑے بڑے امراء کو اسلام خان اور اس کے شریک باغی امیروں کے مقابلے پر بھیجا۔ جب یہ شاہی لشکر قنوج کے قریب بانگرمئو کے قصبے میں پہنچا تو اعظم خان ہمایوں کا دایاں ہاتھ اقبال خان جو کہ گھات لگائے بیٹھا تھا اس نے گھات سے نکل کر ایسا حملہ کیا کہ شاہی لشکر بکھر گیا۔

بادشاہ نے احمد خان کی مدد کے لیے اور فوج روانہ کی۔ باغی امیر بھی چالیس ہزار سوار اور پانچ سو ہاتھی لے کر مقابلے پر آیا، سخت لڑائی ہوئی۔ عین لڑائی کے وقت بہار کی جانب

سے نصیر خان لودی نے آ کر باغیوں پر حملہ کردیا۔ باغی امیر دو سمتوں سے گھر گئے۔ دونوں طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، آخر بڑی جانفشانی اور جدوجہد کے بعد شاہی لشکر ان کو شکست دے سکا۔ اس مقابلے میں اسلام خان مارا گیا اور سعید خان قید ہوگیا۔

امیروں سے بدگمانی

شاہی امراء نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بڑی ایمانداری، دیانت داری اور جاں نثاری کا ثبوت دیا تھا لیکن ابراہیم کا دل اپنے امیروں کی طرف سے پھر بھی صاف نہ ہوا اور وہ ان سے اسی طرح بدگمان اور بدظن رہنے لگا۔ سلطان کے اس رویّے سے امیر بھی برداشتہ خاطر اور ٹوٹے ٹوٹے رہنے لگے اور ہر طرف سے بادشاہ کی مخالفت شروع ہوگئی۔

اعظم ہمایوں سروانی اور سکندر وزیر میاں بھوہ بڑے کارگر اور پایہ کے امیر تھے۔ سلطان ابراہیم نے ان دونوں کو قید کرلیا۔ اور وہ اسی قید میں مرگئے۔ میاں حسن فرملی ایک اور امیر تھا جسے سلطان ابراہیم کے اشارے پر چندیری میں اوباش شیخ زادوں نے قتل کردیا۔ دریا خان لوحانی بہار کا حاکم اور خان جہان لودی بھی بادشاہ کی عادت سے ڈر کر باغی بن بیٹھے۔ دریا خان چند دن بعد مرگیا۔ اس کا بیٹا بہادر خان جانشین ہوا اور وہاں کے تمام پرگنوں کے امیر اس کے ساتھ ہوگئے۔

بہادر خان کی خودمختاری

بہادر خان نے بہار میں ایک لاکھ سوار جمع کر کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا اور اپنا خطاب سلطان محمد رکھ کر بادشاہت کا اعلان کردیا۔ سکّہ اور خطبہ اپنے نام کا جاری کرادیا۔ اس نے سنبھل تک فوج کشی کی اور مدت تک بہار اور اس کے اردگرد اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔

مغلیہ سلطنت کو دعوت

اسی دوران لاہور سے دولت خان لودی کا بیٹا خان خانان آگرے آکر شاہی خدمت میں حاضر ہوا۔لیکن وہ بھی بادشاہ کے رویہ سے خوفزدہ ہوکر اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا۔ دولت خان نے جب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو بادشاہ کے چنگل سے کسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتا تو اس نے اسے کابل بھیج دیا۔ یہی خان خانان وہ شخص ہے جو ہندستان میں مغل سلطنت کے قیام کا باعث بنا۔ اس نے کابل جانے کے بعد ظہیرالدین بابر کو ہندستان پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا اور اسے لے کر ہندستان آیا تھا۔ بعد میں اسی خان خانان نے بابر سے اپنے باپ کی شکایتیں کر کے اس کا دل دولت خان سے پھیر دیا تھا۔ خان خانان، شیر شاہ کے عہد تک زندہ تھا اور اسی کی قید میں اس کا انتقال ہوا تھا۔

بابر سے امیروں کی نسبت

بہار میں سلطان محمد خان کا جلد انتقال ہوگیا۔ اس وقت تک تمام امیر سلطان ابراہیم لودی سے بری طرح بگڑ گیے تھے اور اس کے خلاف سازشوں میں لگے ہوئے تھے، چنانچہ ان امیروں نے جن میں دولت خان اور اس کے بیٹے غازی خان اور دوسرے بڑے بڑے امیر شامل تھے، عالم خان لودی کے ذریعے ظہیر الدین بابر کے پاس کابل میں عرضیاں لکھ لکھ کر بھیجیں اور اسے ہندستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔

بابری لشکر کی یلغار

بابر نے پہلے اپنے چند امیروں کو عالم خان کے ساتھ ہندستان کے سرحدی علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان امیروں نے بہت جلد لاہور اور سیالکوٹ وغیرہ فتح کرلیا اور تفصیلی حالات بابر کے پاس لکھ کر روانہ کیے۔ اس کی فتح کی تاریخ ہے:

ظہیرالدین محمد شاہ بابر
سکندر دولت و بہرام صولت
بہ دولت کرد فتح کشور ھند
کہ تاریخ آمدش فتح بدولت

بابر کا ہندستان پر حملہ

جب بابر کوان فتوحات کی خبریں موصول ہوئی تو وہ بھی متواتر کوچ کرتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے آکر اُتر گیا۔ اس پڑاؤ پر اس کا لشکر دس ہزار تھا۔ بابر کے حملہ کی خبر پاتے ہی دولت خان اور غازی خان اپنے عہد و پیمان سے منحرف ہوگئے اور تیس ہزار پٹھان سواروں کو لے کر قصبہ کلانور پر قبضہ کرلیا اور بابر کے امیروں پر حملہ کرنے کے لیے لاھور کی طرف کوچ کردیا۔ جب غازی خان سیالکوٹ پہنچا تو بابر کا امیر خسرو قلعہ چھوڑ کر بابر کے لشکر سے جاکر مل گیا۔

سیالکوٹ کی تباہی

کچھ دن بعد بابر سیالکوٹ آیا اور اسے بری طرح تاخت و تاراج کردیا۔ پوری طرح ویران کرکے سیالکوٹ کے بجائے دھولپور کو آباد کرایا۔ یہاں سے بابر نے عالم خاں کو دہلی پر حملے کے لیے آگے بڑھایا۔ اس نے سلطان ابراہیم کے لشکر پر رات میں چھپ کر حملہ کردیا۔ اس رات ابراہیم کے چند امیر جلال خان وغیرہ عالم خان سے جاکر مل گئے۔

عالم خان کی شکست

سلطان ابراہیم نے اس رات کے حملے کے جواب میں صبح تک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ عالم خان کا لشکر غنیم کی خاموشی پر اپنی فتح کے گمان میں ادھر اُدھر منتشر ہوگیا۔ اس

وقت صبح ہو چکی تھی اور عالم خان کے ساتھ تھوڑے فوجی رہ گئے تھے۔ سلطان ابراہیم نے اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ایک ہاتھی کو آگے بڑھا کر حملہ آور غنیم پر حملہ کر دیا۔ اس کا یہ حملہ ایسا سخت اور غیر متوقع تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عالم خان میدان سے جان بچا کر بھاگا اور دوآبہ سے گزر کر سہرند پہنچا۔ وہاں سے آگے بڑھ کر قلعہ گنگونہ میں جوملوت کے توابعات میں پہاڑ پر واقع ہے پناہ لی۔

دلاور خان لوحانی یہاں سے عالم خان کے لشکر سے جدا ہوکر بابر کے لشکر میں چلا گیا۔ جب وہ بابر کے پاس گیا تو وہ اس کی تعظیم میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی بڑی عزت وتوقیر کی اور اسے خلعت عطا کی۔

بابر کی پیش قدمی

اب بابر نے خود پیش قدمی کی اور ضلع کلانور جا کر پڑاؤ کیا۔ یہاں لاہور سے اس کے امیر محمد سلطان مرزا وغیرہ بھی آ کر مل گئے۔ قلعہ ملوت کے اردگرد میں جہاں سے غازی خان بھاگ گیا تھا۔ بابری لشکر پہنچا تو دولت خان جو بابر سے منحرف ہو چکا تھا لشکر میں حاضر ہوگیا۔ لوگوں نے اس کو باندھ کر اس کی گردن میں دو تلواریں ڈال دیں۔ اس حالت میں اسے بابر کے دربار عام میں پیش کیا گیا۔ بابر نے جب یہ دیکھا تو لوگوں کو اس سے منع کیا اور دولت خان کو نہایت تعظیم سے بلایا اور اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی لیکن اس کا سارا مال واسباب لشکر والوں میں تقسیم کرا دیا۔ ملوت پر بابری لشکر نے قبضہ کرلیا اور دولت خان چند دن بعد بابر کی قید میں ہی انتقال کر گیا۔

دولت خان کا قصہ تمام ہونے کے بعد بابر نے غازی خان کا پیچھا شوالک کی پہاڑی تک کیا۔ اور نادوں کے مقام پر خیمہ لگایا۔ جب وہاں غازی خان لشکر والوں کے ہاتھ نہ آیا تو بابر وہاں سے لوٹ کر منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے ضلع سہرند میں پہنچا اور گھگر کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ پھر وہاں سے سامانہ اور سنام کا رخ کیا۔

سلطان ابراہیم نے عالم خان کو شکست دینے کے بعد سرحدوں کی فکر نہیں کی اور دہلی

میں پڑا رہا۔ بابر نے ابراہیم کے لشکراور جنگی تیاریوں کے متعلق اطاعات حاصل کرنے کے بعد امیر کتہ بیگ کونامزد کر کے رخصت کیا۔ اسی مقام پر بابر کا امیر بین افغان باغی ہوگیا تھا لیکن جلد ہی شاہی لشکر سے آ کر مل گیا۔

شہزادہ ہمایوں کا حملہ

بابر کواطلاع ملی کہ سلطان ابراہیم کا خاص رسالدار حمید خان حصار فیروزہ سے لشکر فراہم کر کے لڑنے کے لیے آرہا ہے۔ بابر نے مقابلے پر شاہزادہ محمد ہمایوں کے ساتھ مرزا خواجہ کلاں اور دوسرے امراء کومقرر کیا۔ ہمایوں اور حمید خاں کی فوجوں میں سخت جنگ ہوئی شدید جد و جہد کے بعد حمید خاں کو ہمایوں نے شکست دی۔ اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوگئے ۔اس فتح کی خوشی میں بابر نے حصار فیروزہ ہمایوں کو جاگیر میں دے دیا۔

پٹھانوں کی سرکوبی

یہاں سے آگے بڑھ کر بابری لشکر نے جمنا کے کنارے شاہ آباد سے دومنزل پر قیام کیا۔ سلطان ابراہیم کے امیر داؤد خان وغیرہ پانچ چھ ہزار سوار لے کر جمنا پار کر گیے تھے۔ داؤد خان کے مقابلے پر بابر نے سید محمد مہدی، خواجہ محمد سلطان مرزا اور سلطان جنید برلاس کو آگے بڑھایا۔ ان لوگوں نے پٹھانوں کی اچھی طرح کچلا اور بہتوں کوقتل و قید کرلیا۔ جو جان بچا کر نکل گئے، وہ ابراہیم کے لشکر سے جا ملے۔

بابر کا توپ خانہ

بابر نے شاہ آباد سے کوچ کر کے لڑائی کا ساز و سامان درست کیا۔ اسی ایک دن میں ا ٹھ سو گاڑیاں تیار ہوگئیں۔ بابر کے ماہر آتش باز استاد علی قلی نے حسب الحکم توپ خانے کو

روم کے توپ خانہ کی طرح مستحکم کر دیا۔ اس نے تمام گاڑیوں کو زنجیروں اور تسموں سے باہم جکڑ دیا اور جا بجا دو دو گاڑیوں کے درمیان چھ سات مٹی سے بھرے ہوئے بورے رکھوا دیے تاکہ ان مورچوں کی حفاظت میں رہ کر سپاہی بندوقیں چلا سکیں۔

طے یہ پایا کہ یہاں سے چل کر پانی پت تک لشکر کو پیچھے رکھ کر قیام کیا جائے اور میدان میں ان گاڑیوں کی قطار لگا دی جائے۔ سارے سوار اور پیادے ان کے پیچھے رہیں، حملے کے وقت ادھر اُدھر سے نکل کر دشمن پر یلغار کریں اور حسب ضرورت اس مورچہ بندی کی حفاظت میں آجائیں۔

بابر پانی پت میں

30 / جمادی الآخر 932ھ نومبر 1525ء بروز جمعرات بابر نے پانی پت کے قریب خیمہ لگایا۔ وہاں سے سلطان ابراہیم کا لشکر چھ کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس وقت بابر کے پاس صرف پندرہ سوار اور پیادے تھے اس کے مقابلے میں ابراہیم لودی کے پاس ایک لاکھ سوار اور ہزار ہاتھی تھے۔ بابر کے لشکر روزانہ پٹھانوں پر چھاپے مار کر سپاہیوں کے سر کاٹ لے جاتے تھے۔ لشکر لڑنے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن ابراہیم اپنی جگہ چپ چاپ رہا اور کوئی حرکت نہ کی۔

ایک رات بابر کے امیر مہدی خواجہ اور محمد سلطان مرزا وغیرہ نے پانچ ہزار کی جمعیت لے کر ابراہیم کے لشکر پر رات میں چھپ کر حملہ بول دیا اور بہت سے سپاہیوں کو قتل کر کے صحیح سلامت لوٹ گئے۔

پانی پت کی پہلی خونریز لڑائی

932ھ/1526ء کو بروز جمعہ خدا خدا کر کے سلطان ابراہیم کی سواری حرکت میں آئی اور اس نے فوج کی تنظیم و ترتیب کر کے میدان میں صف بندی کر لی۔

بابر نے بھی بڑی آن بان کے ساتھ فوج کو منظم کیا۔ نقشہ جنگ اس طرح تجویز کیا کہ دائیں جانب سے امیر قراقورچی اور امیر شیخ علی وغیرہ اور بائیں جانب سے ولی قزلی اور بابا قشقہ تمام مغل جمیعت کو ساتھ لے کر دو جانب سے دشمن کے پیچھے سے حملہ کریں اور بقیہ میمنہ اور میسرہ والی فوج اور امیر محمدی کوکلتاش، امیر یونس علی اور امیر شاہ منصور برلاس کا لشکر سامنے سے دشمن پر حملہ کرے۔

جب لڑائی چھڑی تو دائیں طرف پٹھانوں کا زیادہ دباؤ تھا۔ اسی لیے بابر نے امیر عبدالعزیز کو بھی اس سمت پر روانہ کر دیا۔ اس نے جاتے ہی یک بارگی دشمن پر تیروں کی بوچھار کر دی۔ فریقین نے جب خوب جم کر مقابلہ کیا دونوں طرف کے بہادروں نے جی کھول کر داد شجاعت دی اور ایسی گھمسان کی جنگ ہوئی کہ دونوں طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں اس لڑائی کو دو قرن کی مدت (پون صدی) گزر چکی ہے۔ لیکن آج تک (مولف کے وقت تک) راتوں میں اس میدان سے "مارمار" کی آواز آتی رہتی ہے۔ ایک مرتبہ 997 ھ/1584ء میں، میں (مولف منتخب التواریخ) لاہور سے فتح پور جارہا تھا، اسی میدان سے گزر ہوا۔ چاروں طرف سے "بکش"، "بزن" کی آوازیں آنے لگیں، جو لوگ ہمراہ تھے ان کو شبہ ہوا شاید کوئی دشمن حملہ کرنے پہنچ گیا ہے۔

ابراہیم لودی کا قتل

مختصر یہ کہ اس خوں ریز جنگ کے نتیجے میں بابری فوج کو فتح ہوئی، پٹھان شکست کھا کر بھاگے۔ سلطان ابراہیم کا سر کاٹ کر بابر کے سامنے پیش کیا گیا۔

جس جگہ سلطان ابراہیم قتل ہوا تھا وہاں پانچ چھ ہزار مقتولین کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

بابر دہلی میں

اس فتح کے بعد بابر بادشاہ دہلی میں داخل ہوا۔ اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بابر نے

شاہزادہ محمد مرزا کو بہت سے امراء کے ساتھ آگرہ کی طرف روانہ کیا اور سلطان ابراہیم کا سارا خزانہ جو حد و شمار سے زیادہ تھا، مغل لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

یہ واقعہ 932ھ/1526ء میں پیش آیا۔ اس کا مادہ تاریخ ہے۔

''شہید شدن ابراہیم''

سلطان ابراہیم نے نو سال حکومت کی۔ وہ لودی سلطنت کا آخری پٹھان فرمانروا تھا۔ اس کے بعد ہندستان کی بادشاہت تیموری خاندان کے ہاتھ آ گئی۔

مغلیہ خاندان

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

پانی پت کی فتح کے بعد مقابلے میں کوئی طاقت نہیں رہی تھی۔ بابر نے 10 دہلی پہنچ کر تخت سلطنت کو اپنے جلوس سے زینت بخشی اور جی کھول کر فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ اس فتح کے شکرانے میں سمرقند، کاشغر، عراق اور خراسان کے لوگوں کو انعامات روانہ کیے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور اکثر بزرگوں کے مزاروں پر نذریں بھیجیں اور ہندستان کے خزانوں سے بدخشاں اور کابل کے باشندوں کے لیے بھی کافی زر نقد روانہ کیا۔ اس کے لطف وکرم سے سارے ہندستان میں خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ بابر نے ہندستان کے امراء کی بھی بڑی دل دہی کی لیکن وہ دل وجان سے اس کے مطیع نہیں ہوئے اور قلعوں میں پناہ گزیں رہے۔ چنانچہ سنبھل میں قاسم سنبھلی، بیانہ میں نظام خان، الور میں حسن خان میواتی اور گوالیار میں تاتار خان اور سارنگ خان قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اٹاوہ میں قطب خان اور کالپی عالم خان کے قبضے میں تھے۔ قنوج اور شمال مشرق کے سارے علاقے پٹھانوں کے قبضے میں تھے انھوں نے بہادر خان کے بیٹے کو سلطان محمد کا لقب دے کر بادشاہ بنا لیا تھا اور

بہار تک کے علاقے پر اسی کا قبضہ تھا۔نصیر خان لوحانی اور معروف فرملی جیسے امراء نے بھی اس کی اطاعت اختیار کرلی تھی۔مہابن کے قصبے پر سلطان ابراہیم کے ایک غلام مرغوب نامی نے قبضہ کر رکھا تھا۔

سنبھل پر حملہ

جب یہ امیر سیدھی راہ پر نہیں آئے تو بابر نے ان پر لشکر روانہ کیے اس فوج کشی سے کچھ پٹھان ان کے مطیع ہوگئے۔ فیروز خان، سارنگ خان اور مصطفے فرملی کے بھائی شیخ بایزید نے حاضر ہوکر جاگیر پائی۔

شیخ کھورن بھی دوآبہ کی جمعیت کو لے کر بادشاہ کے حضور میں آگیا۔ یہ شخص ہندستان کا معزز امیر تھا۔ظرافت اور موسیقی میں اسے کمال حاصل تھا۔ بابر نے سنبھل شاہزادہ ہمایوں کی جاگیر میں عطا کیا۔ ہمایوں نے سنبھل پر حملہ کر کے قاسم سنبھلی کو گرفتار کرلیا اور بابر کے حضور بھیج دیا۔ ایک دوسرے لشکر نے بیانہ پر حملہ کر کے نظام خان کا محاصرہ کرلیا۔

اسی سال رانا سانگا نے رنتھنبور کے ایک نواحی قلعے کھندپار پر حملہ کر کے اسے حسن ولد مکھن سے چھین لیا۔ ادھر لوحانی پٹھان پچاس ہزار کی تعداد میں قنوج سے آگے بڑھ کر پیش قدمی کرنے لگے۔ بابر نے ہمایوں کوان امراء کے ساتھ جوکہ دھولپور میں مقرر تھے پٹھانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ ہمایوں چلا تو سید مہدی خواجہ اور سلطان مرزا بھی، جو اٹاوہ کی مہم پر لگے ہوئے تھے اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ہمایوں نے اس یلغار میں تمام شمالی علاقے کو جوکہ جونپور تک شمار کیا جاتا تھا فتح کرلیا۔

رانا سانگا کی جدوجہد

اسی اثناء میں رانا سانگا اور حسن خان میواتی نے باہمی اتفاق سے سلطان محمود کو جو سکندر لودی کی اولاد میں سے تھا، بادشاہ بنالیا اور ایک بڑا لشکر جمع کر کے لپساور کی طرف سے

پیش قدمی کی اور فتح پور سیکری پہنچ گئے۔

بیانہ کے حاکم نظام خان نے مصالحت و اطاعت کے لیے بابر کے حضور میں بہت سے عریضے روانہ کیے اور سید رفیع الدین صفوی 11 کے وسیلے سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ سید صفوی بلخ کے سادات عظام میں سے تھے اور علم حدیث کے بڑے ماہر عالم تھے۔ سکندر لودی کے عہد میں یہ ہندستان آئے تھے۔ ان کو "حضرت مقدس" کا خطاب ملا تھا۔

جب رانا سانگا نے کھند پار پر قبضہ کیا تھا تو اس طرف کے علاقوں میں ہندوؤں کو بڑی طاقت حاصل ہوگئی تھی۔ ان کی شورہ پشتی دیکھ کر تاتار خان سارنگ خان نے بھی متعدد عریضے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے اور گوالیار کے قلعے کو سپرد کردینے پر رضامند ہوگیا تھا لیکن جب خواجہ رحیم داد اور شیخ کھورن قلعے کو تحویل میں لینے وہاں پہنچے تو اس کی نیت بدل گئی۔ شاہی امیر شیخ محمد غوث گوالیاری عامل کے ذریعے قلعے میں داخل ہوگئے اور تاتار خان سے جبراً قلعہ چھین لیا۔ تاتار خان کو بادشاہ کے حضور بھیج دیا گیا۔

دھولپور کے قلعے پر محمد زیتون افغان قابض تھا۔ اس نے بھی قلعہ امرائے بابر کے حوالے کر دیا اور خدمت میں حاضر ہوگیا۔ رانا سانگا نے بیانہ کا رخ کیا اور وہاں کچھ دن رکنے کے بعد فتح پور آ گیا، رانا کے مقابلے کے لئے بابر نے بھی تیاری کی اور آگرہ میں جتنی فوج تھی ہمراہ لے کر باہر نکلا۔ ہمایوں کو لکھ بھیجا کہ جونپور پر کسی امیر کو مقرر کر کے جلد رانا سے مقابلے کے لیے آگرہ آجائے۔ اس اثناء میں ہمایوں حرند اور بہار بھی نصیر خان لوحانی سے چھین چکا تھا۔ اس نے جونپور کی حکومت امیر شاہ حسن اور امیر جنید برلاس کو تفویض کی اور وہاں سے کالپی پہنچ کر عالم خان کو صلح سے یا لڑائی کے ذریعے زیر کرلیا اور وہاں سے تیزی کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے باپ کی خدمت میں ہندستان پہنچ گیا۔

اس زمانہ میں خواجہ خاوند 12 نقشبندیؒ جو ایک باکمال بزرگ تھے۔ کابل سے ہندستان آئے۔

رانا سانگا کی شکست

رانا سانگا 13 ایک ڈرپوک دل لشکر کو لے کر میدان جنگ میں آیا تھا۔ بابر کے پاس اس کے مقابلے میں بہت مختصر فوج تھی۔ اس کے امیروں نے رائے دی کہ آگرہ کے قلعے میں کچھ چھوڑ کر بادشاہ پنجاب چلا جائے اور دیکھے غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ بابر نے اس بزدلانہ مشورے کو قبول نہ کیااور جان لڑا دینے کا عزم کیا۔ اس کے حوصلے کو دیکھ کر امرانے بھی قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر جنگ میں لڑکر جان دے دینے یا دشمن پر فتح حاصل کرنے کا حلف اٹھایا۔ جب رانا کی فوج سے مقابلہ ہوا تو امراء نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ آخر ایک گھمسان لڑائی کے بعد اللہ نے بابر کو فتح دی۔ حسن خان میواتی پیشانی پر تیر لگنے سے گر کر مر گیا۔ اس کی لاش لوگوں نے ایک کنویں میں ڈال دی۔ اس کے گرتے ہی باقی ساری فوج بھاگ نکلی۔

نقلی حسن خان

سلیم شاہ کی وفات کے بعد 960 ھ/1552 ء دسمبر، میں ایک میواتی نے جو بلند قد اور تنومند جسم والا تھا۔ حسن خان ہونے کا دعوی کیا اور میواتیوں کو خاص علامتیں بتائیں جس سے بہتوں کو اس پر یقین آ گیا تھا۔ 965 ھ/1557ء میں، میں نے بھی (مؤلف منتخب التواریخ) اسے آگرے میں اُسے دیکھا ہے۔ اس کے چہرے سے تو نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی سردار ہے بلکہ وہ بدشکل گنوار معلوم ہوتا تھا۔ خان خانان بیرم خان کہا کرتے تھے کہ حسن خان بڑے رعب داب کا آدمی اور شاعر بھی تھا۔ اس کے شعر بھی لوگوں کو یاد ہیں۔ یہ شخص بہر حال کسی صورت میں بھی حسن خان نہیں تھا۔ اس کو چند دن بعد میواتی خان زادوں نے غیرت کے مارے قتل کر دیا۔

بابر کی وفات

رانا سانگا پر فتح پانے کے بعد بابر 14 بیمار ہوگیا اور بیماری کچھ اس طرح اس کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑی کہ جان لے کر ہی ٹلی۔ بابر نے 937 ھ/1530ء میں اس عالم فانی سے کوچ کیا۔ اس کی عمر 50 سال تھی۔ بارہ سال کی عمر میں وہ تخت نشین ہوا تھا اور ماورء النہر، بدخشان، کابل، کاشغر اور ہندستان میں اس کی سلطنت کی کل مدت 38 سال ہے۔

بابر کی تاریخ وفات ہے:

تاریخ وفات شاہ بابر
درنہ صد وسی وھفت بودہ

لفظ ''شش شوال'' بھی اس کی وفات 15 کا مادہ تاریخ ہے۔

عہد بابری کے علماء

بابر کے وقت کے ممتاز عالم شیخ زین خان 16 تھے۔ جنھوں نے ''تاریخ واقعات بابری'' کا جوخود بابر بادشاہ نے لکھی تھی بڑی عمدہ زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ اشعار انہی کے ہیں:

آرمیدی بہ رقیبان ورمیدی ازما
ماچہ کردیم وچہ دیدی وچہ شنیدی ازما
بہر دل بردن ماحاجت بیداد نبود
می سپردیم اگرمی طلبیدی ازما

ایک دوسرے فاضل مولانا بقائی تھے۔ انھوں نے مخزن کی بحر میں ایک مثنوی لکھی تھی۔
ایک اور عالم مولانا شہاب الدین معمائی تھے۔ معمے کے فن میں ان کو ایسی مہارت تھی کہ ان

کے سامنے ان کے دوسرے اوصاف وکمال لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"اِن ربکم الذی خلق السموٰتِ والارض فی ستت ایّام"

اور یہ حدیث صحیح ہے کہ دنیا کی پیدائش سات دن میں ہوئی۔ اس کو رفع کیا تھا۔ مولانا شہاب الدین نے ان کی تقریر کو رد کر کے حدیث اور آیت کی، مطابقت میں کئی ایک عمدہ وجہیں لکھی تھیں۔ اس رسالہ پر اکثر علماء نے تقریظیں لکھی تھیں۔ میں نے (مؤلف منتخب التواریخ) بھی نظم ونثر میں تھوڑا بہت لکھا تھا۔

ہمایوں بادشاہ 942ھ/1535ء میں جب گجرات کے سفر سے واپس ہوا تو اس وقت شہاب الدین انتقال فرما گئے تھے۔ ان کی وفات کا مادہ تاریخ میر آخوند مورخ نے کہا تھا جو:

''شہاب ثاقب'' ہے۔

بابر کی علم دوستی

بابر خود بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کی خاص ایجاد ''خط بابری'' ہے۔ اس خط میں قرآن لکھ کر اس نے مکہ معظمہ روانہ کیا تھا۔ اس کے ترکی اور فارسی اشعار کا ایک دیوان بھی مشہور ہے۔ بابر نے ایک کتاب ''فتح مبَیَن'' 17 (ب اور ی پر زبر) فقہ حنفی میں لکھی تھی، اس کی شرح شیخ زین نے شرح مبین کے نام سے لکھی ہے۔ فن عروض میں بھی بابر کے رسالے مشہور ہیں۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ

والد کے مرنے کی خبر ملتے ہی ہمایوں سنبھل سے کوچ کر کے دارالخلافہ پہنچا وکیل سلطنت اور وزیر مطلق امیر حنیفہ کے مشورے وحمایت سے 937ھ/1530ء میں تخت نشین ہوا۔

شاعر نے اس کے جلوس کی تاریخ لکھی ہے۔

محمد ھمایون شاہ نیک بخت
کہ خیرالملوک است اندر سلوک
چو برمسند بادشاھی نشست
شدش سال تاریخ "خیرالملوک"

اس نے تخت نشینی کے موقعے پر سونے سے بھرا طشت لوگوں میں تقسیم کرایا۔اس لیے کسی نے اس کی تاریخ جلوس "کشتی زر" بھی نکالی ہے۔

ہمایوں کی لشکر کشی

سلطنت کے نظم ونسق سے فراغت پاکر ہمایوں نے کالنجر پر فوج کشی کی اور اسے فتح کرلیا۔ جونپور میں سکندر لودی کے بیٹے سلطان عالم نے بغاوت کردی تھی، اس پر بھی حملہ کرکے اس فتنے کوختم کیا۔

ان فتوحات کے بعد آگرہ واپس آکر بادشاہ نے ایک بڑے جشن کا انعقاد کیا۔ اس جشن میں بارہ ہزار آدمیوں کوخلعتیں عطا کی گئیں۔ اسی زمانے میں زمان میرزا جو کچھ عرصے سے باغی ہوگیا تھا گرفتار ہوکر آیا۔

ہمایوں نے اسے بیانہ کے قلعے میں بھیج کر اندھا کردینے کا حکم دیا تھا لیکن حسن اتفاق سے اس کی بینائی سلامت رہی اور کچھ دن بعد وہ قید سے بھاگ کر گجرات کے بادشاہ سلطان بہادر گجراتی کے پاس پناہ گزیں ہوگیا۔

سلطان بہادر گجراتی

جس وقت محمد زماں مرزا سلطان بہادر گجراتی کے یہاں گیا وہ چتوڑ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ موسم نہایت ہی گرم تھا، گرمی سے محمد زمان کو اختلاج قلب کا دورہ پڑا۔ طبیبوں نے صرف گلقند علاج میں تجویز کیا۔ مرزا نے سلطان بہادر کے پاس سے تھوڑا سا گلقند

منگوایا۔ سلطان نے اپنے شربت دار کو بلا کر پوچھا لشکر کے ساتھ کتنا گلقند ہے؟ اُس نے عرض کیا ''بیس سے زیادہ چھکڑے گلقند سے بھرے ہوئے موجود ہیں۔ سلطان نے وہ سارے چھکڑے محمد زمان کے پاس بھجوا دیے اور معذرت بھی کی کہ سفر کی حالت میں لشکر کے ساتھ فقط اتنا ہی گلقند موجود تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سلطان بہادر کے لیے گلقند کا عرق کشید کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس قدر گلقند ہمیشہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

اسی دوران محمد زماں میرزا کے دونوں بیٹوں الغ مرزا اور شاہ مرزا نے حملے کر کے قنوج میں فساد برپا کردیا۔ ہمایوں نے کئی بار محمد زمان مرزا کو روانہ کرنے کے لیے سلطان بہادر کو خط لکھے لیکن اس نے ہمیشہ دوٹوک جواب بھیج دیا۔ اس کی اس گستاخی پر ہمایوں نے گجرات پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اس زمانے میں سلطان بہادر نے رانا سانگا کے خلاف لشکر کشی کر کے چتوڑ کا محاصرہ کرلیا تھا۔ اس کی طرف سے تاتار خان لودی نے حملہ کر کے بیانہ کے قلعے پر قبضہ کرلیا اور آگرے تک چھاپے مارنے شروع کردیے۔ تاتارخان نے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مرزا ہندال پر حملہ کیا اسی لڑائی میں تاتارخان مارا گیا۔

جس زمانے میں سلطان بہادر نے چتوڑ کا دوسری مرتبہ محاصرہ کیا تھا اسی وقت ہمایوں نے آگرے سے گجرات کا عزم کیا۔ اسی زمانے میں لاہور سے مرزا کامران نے قندھار پر حملہ کر کے شاہ طہماسپ کے بھائی سام مرزا کو جس نے ان دنوں خواجہ کلاں بیگ کا محاصرہ کر رکھا تھا شکست دی۔ اس فتح کی تاریخ ہے:

''زدہ بادشہ کامران سام را''

سلطان بہادر سے مقابلہ

ہمایوں نے گجرات پر حملے کا ارادہ کرلیا تھا۔ لیکن وہ یہ سوچ کر سارنگ پور میں رُک گیا کہ ایسے وقت میں جبکہ دشمن چتوڑ کے محاصرے میں لگا ہوا ہے اس پر فوج کشی کر کے

اس محاصرہ سے ہٹا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لینا شیوۂ مردانگی نہیں بلکہ باعث رسوائی ہے۔

سلطان بہادر نے بھی جلد از جلد قلعہ چتوڑ کو فتح کر لیا اور اس مہم سے فارغ ہو کر ہمایوں کے مقابلے کی تیاری کی۔ مندسور کے علاقے میں فریقین کے درمیان دو ماہ تک جنگ کی سی حالت رہی۔ اسی دوران سلطان بہادر کے لشکر میں غلہ کی رسد بند ہوگئی۔ اس کے سپاہی اور مویشی بھوک کے مارے مرنے لگے۔ مجبور ہو کر سلطان بہادر اپنے پانچ معتمد ساتھیوں کے ساتھ خیمہ گاہ کے پیچھے سے نکل کر مندسور بھاگ گیا۔

ہمایوں نے بہادر کا پیچھا کیا۔ ایک دن تو مغل لشکریوں نے اسے سوتے ہوئے گھیر لیا لیکن وہ جاگ کر نہایت پھرتی کے ساتھ ان کے قبضے سے نکل گیا اور چھ سات سواروں کے ہمراہ گجرات بھاگ گیا۔ البتہ سلطان عالم لودی پکڑا گیا اور اس کے پاؤں کے جوڑ کاٹ دیے گئے۔

ہمایوں سلطان بہادر کا پیچھا کرتا ہوا احمد آباد پہنچ گیا اور اس شہر کو خوب لوٹا۔ سلطان بہادر احمد آباد سے بھاگ کر کھمبایت اور وہاں سے بندر دیپ کی طرف نکل گیا۔ اس یلغار میں قلعہ چمپانیر پر بھی ہمایوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس قلعے سے بادشاہ کو بڑا خزانہ غنیمت میں ملا۔

مرزا عسکری کی سرکشی

سلطان بہادر گجراتی نے دوبارہ سورت کے زمینداروں کو اپنے ساتھ لے کر احمد آباد پر قبضے کا ارادہ کیا تھا۔ ہمایوں احمد آباد، مرزا عسکری کے حوالے کر کے برہانپور چلا گیا تھا۔ ہمایوں کے جاتے ہی مرزا عسکری نے امیر ھندو بیگ قوچین کی تائید وحمایت سے چاہا تھا کہ اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر بادشاہت کا اعلان کر دے لیکن بہادر خان کی سرکشی کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوا اور وہ بہادر خان سے کچھ مقابلہ کر کے چمپانیر کی طرف چلا گیا۔

چمپانیر کے حاکم تردی بیگ کو جب مرزا عسکری کے ارادوں کا پتہ چلا تو وہ قلعے میں بند ہوگیا اور عسکری کو داخل نہیں ہونے دیا اور ایک عریضہ بھیج کر ہمایوں کو عسکری کے باغیانہ خیالات کی اطلاع دی۔ جس وقت ہمایوں مندو سے آگرے کی طرف جا رہا تھا، میرزا عسکری

ہر طرف سے مایوس ہو کر خدمت شاہی میں حاضر ہو گیا اور سلطان بہادر نے تردی بیگ سے صلح کر کے چمپانیر پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال جمالی کنبو 18 کی وفات ہوئی۔ ان کا مادہ تاریخ ہے: ''خسرو ھند بودہ'' 942ھ/1535ء

طہماسپ کا حملہ

اسی سال سام مرزا کا بدلہ لینے کے لیے عراق سے شاہ طہماسپ 19 قندھار پہنچا۔ خواجہ کلاں بیگ نے شہر خالی کر دیا اور اس حال میں وہاں سے نکلا کہ دیوان خانہ جو عمدہ فرش اور مجلسی ساز و سامان سے آراستہ تھا اسی طرح سجا پڑا تھا۔ شاہ طہماسپ نے اسی سال دیوان خانہ میں اپنی نشست رکھی اور خواجہ بیگ کی بڑی تعریف کی کہ کامران مرزا نے نوکر بہت اچھا رکھا ہے۔ پھر وہ اپنے ایک امیر بدرغ خان کو قندھار پر مقرر کر کے عراق واپس چلا گیا۔ اس کی واپسی کے بعد کامران مرزا نے قندھار پر حملہ کر کے دوبارہ اسے فتح کر لیا۔

سلطان بہادر چھینی ہوئی حکومت واپس لینے کے لیے برابر ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ اس نے محمد زمان مرزا کو فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے ہندستان بھیج دیا تھا۔ جس وقت مرزا کامران لاہور سے رخصت ہوا تو اس نے لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ جب بادشاہ کے لوٹنے کی خبر ملی تو محاصرہ اٹھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔

شیر خان کا فتنہ

باوجود اس کے کہ اطراف و اکناف سے کئی ایک فتنے کھڑے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے آگرے سے حرکت نہ کی۔ ہمایوں کی اس لاپروائی سے شیر خان افغان سوری نے پورا فائدہ اٹھایا اور گوڑ، بہار، جونپور، اور قلعہ چنار پر قبضہ کر لیا اور اس کی طاقت کافی بڑھ گئی۔

شیر خان کے بڑھتے ہوئے اثرات سے گھبرا کر آخر کار ہمایوں نے آگرہ سے کوچ کیا

اور 14 صفر 943ھ/1536ء کو چنار کے قلعے سے باہر کیمپ لگا دیا۔ یہاں شاہی لشکر سے شیر شاہ کے بیٹے جلال خان نے جو اسلام شاہ کے خطاب سے شیر شاہ کا جانشین بنا تھا مقابلہ کیا، لیکن مغل لشکر کے ماہر فن آتش باز رومی خان کی تدبیروں سے چنار کا قلعہ جلد ہی فتح ہو گیا۔

یہ رومی خان وہی شخص ہے جس کے نام کو سلطان بہادر نے ایک معمہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

حیف باشد نام آن سگ برزبان
میخ درجانش نہ ونامش بخوان

چنار سے شکست کھا کر جلال خان دریا کے راستے بھاگ گیا اور شیر شاہ کے لشکر سے جو اُن دنوں حاکم بنگالہ نصیب شاہ سے لڑ رہا تھا، جا کر مل گیا۔ نصیب خان کو شیر خان کے مقابلے میں شکست ہوئی اور وہ زخمی ہو کر ہمایوں کے پاس چلا آیا۔

بنگال پر فوج کشی

اسی زمانے میں ہمایوں نے بندو بیگ قوچین کو امیر الامراء کا عہدہ دے کر جونپور کی حکومت پر مامور کیا اور اسے ایک زریں کرسی بھی عطا کی۔ خود لشکر لے کر بنگال کی طرف کوچ کیا۔ یہاں ہمایوں نے بہار اور بنگال کے درمیان گڑھی کی تنگ وادی کو عبور کیا۔ اس گھاٹی پر شیر خان کے لشکر نے بڑی مستحکم ناکے بندی کر رکھی تھی۔

ہمایوں کی پیش قدمی کی خبر ملتے ہی شیر خان نے جھار کھنڈ کے راستے یلغار کی اور قلعہ رہتاس پر پہنچ کر وہاں کے راجہ کو پیغام بھیجا۔ ''میں اپنی عورتوں وغیرہ کو آپ کے اس مضبوط اور محفوظ قلعے میں چھوڑ جانا چاہتا ہوں''۔ رہتاس کے راجہ نے اس لالچ میں کہ شیر خان کی عورتیں اور بہت سا سامان واسباب مفت میں ہاتھ آ رہا ہے رضامندی ظاہر کر دی اور قلعے

کا دروازہ کھول دیا۔ شیر شاہ نے پردہ دار ڈولوں میں دو ہزار سپاہیوں کو بٹھا کر قلعے میں بھیج دیا۔ جب ڈولے رکھے گئے تو بجائے عورتوں کے سفاک سپاہی تلواریں سونت کر نکل آئے اور تمام قلعے والوں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ اس تدبیر سے شیر شاہ نے رہتاس کے قلعے پر بہ آسانی قبضہ کر لیا۔

جنّت آباد میں قیام

ہمایوں کو بنگال کی آب و ہوا بہت پسند آئی۔ اس نے گوڑ کا نام جنت آباد رکھ دیا اور دو تین ماہ اسی جگہ ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی کے ارادے سے کوچ کیا۔ اس مہلت میں شیر خان نے کافی جمیعت اکٹھی کر لی تھی۔ جب ہمایوں لوٹنے لگا تو شیر شاہ نے اسے عرضی لکھی کہ: ''تمام پٹھان آپ کے فرمان بردار اور غلام رہنا چاہتے ہیں اور جاگیروں کے طلبگار ہیں، اگر حضور سے ان کو جاگیریں مل جائیں تو امن وچین سے رہیں گے ورنہ بھوک کے مارے ان کے سرکش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اب تک میں حسن وتدبیر سے ان کو قابو میں رکھے ہوئے ہوں، آئندہ حضور کی مرضی پر ہی سارا انحصار ہے۔''

ہمایوں اس عریضہ کو دیکھ کر اس کے اصل منشا سے واقف ہو گیا لیکن اس وقت اس کی توجہ اور ہی معاملات پر لگی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے تو لشکر کا ساز وسامان درست کرانا تھا کیونکہ ان مسلسل طویل اسفار میں سارا سامان خرچ ہو چکا تھا۔ اکثر گھوڑے اور اونٹ مر چکے تھے، دوسری طرف دہلی سے برابر محمد سلطان مرزا، الغ مرزا اور شاہ مرزا کی فتنہ انگیزیوں کی خبریں آ رہی تھیں۔ ان باغیوں کی خبر لینے کے لیے بادشاہ نے مرزا ھندال کو جو مونگیر تک ہم رکاب تھا مقرر کیا اور اسے رخصت کیا لیکن وہ اس مہم کے بہانے آگرے جا کر بیٹھ گیا تھا۔

سلطان بہادر کو فرنگیوں نے دھوکے سے سمندر میں غرق کر دیا اور محمد زمان مرزا بے یار و مددگار رہ گیا۔ جب کوئی چارہ نہ رہا تو وہ ہمایوں کی پناہ میں آ گیا۔

945ھ/1538ء میں مرزا ھندال نے شیخ محمد غوث 20 گوالیاری کے بڑے بھائی شیخ بہلول کو قتل کر دیا۔ شیخ بہلول صاحب فضل اور مشہور عالم تھے بادشاہ بھی ان سے بڑی

عقیدت رکھتا تھا۔ان کی تاریخ شہادت:''فقد مات شہیدا'' ہے۔

مرزا ھندال کی بغاوت

اسی سال مرزا ھندال نے آگرے میں خودمختاری اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ہمایوں نے جہانگیر بیگ مغل کو پانچ ہزار سپاہی دے کر بنگال کی حکومت عطا کی اور اسے حسب ضرورت اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت بھی دے دی۔ اس انتظام کے بعد ہمایوں نے آگرہ کا رخ کیا۔ اس وقت شاہی لشکر کی حالت بہت خستہ وخراب تھی، ہمایوں کوچ پر کوچ کرتے ہوئے اسی بے سروسامانی کی حالت میں گنگا کے کنارے ایک قصبہ چوسہ 21 نامی مقام پر پہنچ گیا۔اسی جگہ جونپور اور چنار کے امیر، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شیر خان کا حملہ

شیر خان کو شاہی لشکر کی بے سروسامانی کی پوری اطلاع تھی اور وہ برابر تاک میں لگا ہوا تھا۔چوسہ میں جب ہمایوں رُکا تو اس نے آگے بڑھ کر شاہی فوج کا راستہ روک لیا۔گنگا کی شاخ برسات کے پانی سے لبریز چل رہی تھی۔اس ندی کے دونوں کناروں پر فریقین مورچے جمائے ہوئے تھے تین ماہ تک برابر دونوں لشکروں میں لڑائی ہوتی رہی۔

حواشی

1. ستی: ہندو عورتیں اپنی عزت وقار اور پاکی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے شوہر کے مرجانے یا شہید ہو جانے پر چتا میں جل کر اپنی جان نچھاور کر دیا کرتی تھیں کبھی کبھی اپنے شوہر کے میدان جنگ میں جانے سے پہلے بھی ستی ہو جایا کرتی تھیں۔

2. سرہند: مولف اکبر نامہ اور آئین اکبری ابوالفضل اپنی معتبر تصنیف آئین اکبری میں تحریر کرتا ہے کہ یہ صوبہ دہلی کے ماتحت تھا۔ اس وقت اس سرکار کے تحت 31 محال اور پرگنے تھے۔ یہ شہر پٹیالہ، لدھیانہ اور انبالہ (پنجاب) کے درمیان راجپورہ سے 16 میل کے فاصلے پر تھا۔ آخری مغل عہد میں سکھوں نے اسے لوٹ کر تباہ کر دیا تھا۔

3. مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ علاء الدین شاہ، محمد مبارک شاہ کا لڑکا نہیں تھا بلکہ فرید خان بن خضر خان کا بیٹا تھا۔

4. بہلول لودی: یہ شخص سلطان شاہ لودی کا بھتیجہ اور شاہو خیل قبیلہ کا رکن تھا۔ سلطان کا باپ قلوت سے ملتان آ کر تجارت کرنے لگا یہ سلطان محمود کا زمانہ تھا۔ سلطان شاہ نے خضر خان کی ملازمت اختیار کی۔ سرہند جاگیر اور اسلام خان کا خطاب

ملا۔ سلطان شاہ لودی کے بھتیجے کا لڑکا بہلول ملتان میں پیدا ہوا تھا، اس کی ماں حاملہ تھی کہ مکان کی چھت گرنے سے مرگئی۔ مردہ ماں کا پیٹ چاک کر کے اسے نکالا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں سے ایک درویش نے کہا کہ کون سا شخص دہلی کا تخت اتنی رقم کے عوض خریدنے کو تیار ہے؟ سب ہنسنے لگے لیکن بہلول نے خوشی سے اتنی رقم درویش کو دے دی۔ کہتے ہیں کہ اس فقیر کی دعا سے وہ اس مرتبے پر پہنچا۔

5 افغان: یہ قوم ہمیشہ سے وحشی اور اجڈ رہی ہے۔ لودی قوم کے لوگ افغان ہونے سے انکار کرتے رہے اور خود کو شاہ عجم ضحاک تازی کے نسب سے جوڑتے رہے ہیں۔ محمد قاسم ہندوشاہ فرشتہ اپنی تصنیف تاریخ فرشتہ میں اس قوم کے متعلق یوں لکھتا ہے: 22 ھ/642ء میں حضرت عثمان کے زمانے میں فارس کے مرتدوں کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بن عامر نے فوج کشی کی۔ حجاج بن یوسف کے وقت میں کابل کا حاکم خالد بن عبداللہ تھے جنھیں یوسف نے معزول کردیا اور وہ ملتان اور پشاور کے درمیان کوہ سلیمان پر جا کر بس گئے اور وہاں کے ایک پٹھان سردار کے نکاح میں اپنی لڑکی دے دی۔ اس سے دو لڑکے ہوئے ایک لودی اور دوسرا سور لودی اور سوری قوم انہی دو کی اولادیں ہیں''

مطلع الانوار کے مصنف نے ان کی نسل کا ایک اور سلسلہ بتایا ہے جسے فرشتہ نے بھی نقل کیا ہے۔ جب نیل ندی میں فرعون غرق ہوا تو قبطیوں کی ایک جماعت جلاوطن ہو کر کوہ سلیمان میں آکر بس گئی اور یہاں کا قبیلہ افغان کہلایا۔ فرشتہ کے ایک اور بیان کے مطابق ''جب یہ قوم ہندستان میں پہنچنے کے بعد پٹنہ میں جا کر مقیم ہوئی تو ان کا نام پٹھان پڑ گیا۔

فرشتہ کا ہم عصر مورخ خواجہ نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ مصنف ''تاریخ مخزن افغانی'' جس نے 1018 ھ/1609ء یعنی جہانگیری عہد میں خان جہان لودی کی سفارش پر فرزندی کا خطاب حاصل کیا تھا وہ اس کو قبطی کے بجائے بنی

اسرائیلی ثابت کرتا ہے اور اس کے بیان کے مطابق: ''جس وقت بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کردیا تو بنی اسرائیل کی ایک شاخ جلاوطن ہوکر کوہ سلیمان میں آکر بس گئی۔ ان کی زبان سریانی تھی۔ کوہ وصحرا کے قیام سے بدلتے بدلتے پشتون بن گئی'' اور مصنف یہی ان کی وجہ تسمیہ بتا تا ہے کہ فتح مکہ کے دن قیس بن عبدالرشید کی بہادری پر خوش ہوکر حضور اکرمؐ نے اسے ''جہاز کی بنیادی لکڑی'' یعنی ''پتان'' کہا تھا۔ اور یہی لفظ پتان سے پٹھان ہوگیا۔ انھیں قیس بن عبدالرشید کے بیٹوں سربنی، بٹنی، غرغشی اور کرالی کے خاندان سے پٹھانوں کے مختلف قبیلوں کا تعلق ہے۔

6. شیخ سماء الدین سہروردیؒ: یہ حضرت مخدوم جہانیانؒ کے پوتے سید کبیرالدین اسمٰعیل کے خلیفہ تھے، علوم ظاہری و باطنی دونوں پر عبور حاصل تھا۔ بیانہ میں عرصے تک مقیم رہے پھر دہلی آکر متوطن ہوئے، آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے مگر بغیر علاج ہی ان کی بصارت لوٹ آئی۔ ''مفتاح الاسرار'' ان کی تصنیف ہے۔ شیخ فخرالدین عراقی کی ''لمعات'' پر بڑے عمدہ حواشی لکھے ہیں۔ سلطان بہلول اور سکندر، شیخ کے معتقد تھے، سکندر کے زمانے میں 17/ جمادی الاول 901ھ/1495ء میں آپؒ نے وصال فرمایا۔ ان کی کرامات بڑی مشہور ہیں۔

7. ابوالفضل نے اپنی تصنیف آئین اکبری میں دھولپور کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ''آگرے کا تحت ایک محال تھا اور دریائے چنبل کے کنارے واقع تھا''۔

راجہ دھولن نے اس شہر کو گیارہویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا۔ 1501ء میں سلطان سکندر لودی نے اس پر قبضہ کرلیا۔ سولہویں صدی عیسوی میں ہمایوں نے چنبل کے سیلاب سے حفاظت کی خاطر آبادی کو شمال کی طرف منتقل کردیا۔ شہر سے باہر مسجدوں، سراؤں اور مقبروں کے آثار اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ صادق محمد خان کا مقبرہ قدیم صناعی کا نمونہ ہے یہ اکبر کے عہد کا جرنیل تھا اور 1597ء میں فوت ہوا۔ دھولپور کا حکمراں خاندان برولیا گوت کے جاٹ ہیں جو پہلے گوہد

کے رانا کہلاتے تھے، گوالیار بھی ان کے ماتحت تھا۔مرہٹوں نے اس ریاست کوختم کردیا تھا۔

8 فرشتہ نے شاہ نعمت اللہ ولی کا ذکر کیا ہے کہ ان کی دعا وبرکت سے دکن کے فیروزشاہ بہمنی کے خان خانان احمد کو فیروز شاہ کی سلطنت نصیب ہوئی۔موصوف نے ان کی تاریخ وفات 834ھ/1430ء بمقام کوہ یگلی ودمتور لکھی ہے۔لیکن بدایونی نے جس بزرگ کا نام لکھا ہے وہ سید نعمت اللہ حسینیؒ ہے اور 915ھ/1509ء میں سلطان سکندر کی ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔یا تو ناموں یا تاریخوں کے درمیان غلطیاں ہیں یا دونوں مختلف بزرگ ہیں۔کیونکہ نعمت اللہ ولیؒ قادریہ سلسلہ کے بزرگ تھے اور حضرت غوث اعظمؒ کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔

9 مولانا جامی: ان کا لقب عمادالدین اور نورالدین ہیں ، نام عبدالرحمٰن احمد جام ژندہ پیل کی نسبت سے جامی تخلص کرتے تھے۔ والد کا نام نظام الدین اور دادا کا شمس الدین تھا۔سلسلہ نسب امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانی سے ملتا ہے آپ کی 99 تصانیف ہیں۔

10 تاتاری مغلوں نے اپنے وطن سے نکل کر (1210ء) ماوراء النہر ایران اور خراسان اور ایشیا کے تقریباً ایک تہائی حصے پر قبضہ کرلیا۔ چنگیز خان اور ہلاکو کی تلوار نے عرب وعجم کے بیشتر ملکوں کو فتح کرلیا۔ ان کے بعد امیر تیمور نے دریائے ڈلگا سے گنگا کے کنارے تک مغل فتوحات کی دھاک بٹھائی (1398ء) تیمور کے مرنے کے بعد اس عظیم الشان سلطنت کے تمام اجزاء پریشان ہوگئے اور جگہ جگہ خودمختار مغل حکمرانوں نے اپنی اپنی بادشاہت قائم کرلی۔ بابر کی پیدائش کے وقت سمرقند پر بابر کا ایک چچا سلطان احمد مرز احاکم تھا۔ بدخشاں، قندز، ترمذ اور مصار پر سلطان محمود مرزا کی حکومت تھی۔کابل اور غزنی پر الغ بیگ مرزا قابض تھا۔تاشقند اور شاہرخیہ پر بابر کا ماموں سلطان محمود خان حکمران تھا۔

خراسان پر سلطان حسین مرزا کی فرمانروائی تھی۔ ولایت فرغانہ پر بابر کا باپ عمر شیخ مرزا حاکم تھا۔ عمر شیخ مرزا سلطان ابوسعید مرزا کا بیٹا تھا اور ابوسعید امیر تیمور کے بیٹے میران شاہ کا پوتا تھا۔ عمر شیخ مرزا کی اپنے بھائیوں اور سسرال والوں سے ہمیشہ لڑائی رہی۔ اس کی وفات 4 رمضان899 ھ/1493 ء کو اخسی کے قلعے میں ہوئی۔

بابر کی ماں قتلغ نگار خانم، یونس خان مغل کی بیٹی تھی۔ یونس خان چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا۔ اس طرح بابر کی رگوں میں تیمور اور چنگیز دو اولوالعزم فاتحین کا خون بہہ رہا تھا۔ بابر نے اپنی تصنیف تزک میں اپنی ماں کے متعلق لکھا ہے۔ ''اکثر معرکوں اور لڑائیوں میں میری ماں ساتھ دیتی تھی۔ اس کا انتقال 911 ھ/ 1505 ء میں کابل میں ہوا۔ بابر فرغانہ کا رہنے والا تھا۔ جو ترکستان کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے قصبوں میں اوش جہاں کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے۔ بابر 6 محرم 888 ھ/1484ء کو پیدا ہوا۔

شاعر جامی لکھتا ہے:

اندر شش محرم زاد آن شہ مکرم
تاریخ مولدش ھم آمد شش محرم

بابر 5 برس کی عمر میں اپنے چچا سلطان مرزا کے پاس سمرقند چلا گیا اور اس کی شادی چچا کی لڑکی عائشہ سلطان بیگم سے ہوگئی۔ بابر کی تعلیم و تربیت قاضی عبداللہ خواجہ مولانا کے سپرد ہوئی۔ یہ بزرگ شیخ الاسلام برہان الدین کی اولاد میں سے تھے۔ بارہ سال کی عمر میں بابر شیخ فرید کے زیر سایہ حکومت کے کام کاج میں داخل ہوا۔ اسی سال سلطان احمد مرز اور بابر کے ماموں سلطان محمود خان نے مل کر فرغانہ پر حملہ کیا نیز عمر شیخ مرزا کا انتقال اسی دوران ہوا۔ بابر 5 رمضان899 ھ/1493 ء میں بارہ سال کی عمر میں قلعہ فرغانہ میں تخت نشین ہوا۔ سولہ سال کی

عمر میں اس نے شوال 901 ھ/1495ء میں سمرقند پر حملہ کیا لیکن برف باری کی وجہ سے لوٹ آیا۔ 902 ھ/1496ء میں دوبارہ سمرقند پر حملہ کیا اور بایسنغر مرزا اور شیبانی خان کو شکست دے کر سمرقند پر قبضہ کرلیا۔ پھر سمرقند پر سلطان علی مرزا نے قبضہ کرلیا اور بابر صحرانوردی میں یہاں سے وہاں دوڑتا رہا پھر وہ ترمذ پہنچا اور دوتین سو آدمی ساتھ لے کر کابل پر حملہ کردیا۔ اس وقت کابل پر سلطان حسین مرزا کی حاکم ارغون خان کی حکومت تھی۔ بابر نے اس کے بھائی مقیم خان کو شکست دے کر کابل پر قبضہ کرلیا اور شیبانی خان کے قتل کے بعد بابر نے تیسری مرتبہ سمرقند و بخارا کو فتح کیا لیکن آٹھ ماہ بعد ہی اوزبکوں نے اسے شکست دے کر وہاں سے نکال دیا۔ بابر نے افغانستان پر صبر کرلیا اور بادشاہ کا لقب اختیار کر کے سلطان بن گیا۔ تیموری خاندان میں بادشاہ کا لقب پہلی مرتبہ بابر نے ہی رکھا۔ اب تک تیمور کی اولاد مرزا کہلاتی تھی۔ بابر 932 ھ/1525ء میں نومبر، والے حملے سے پہلے بھی چار حملے پنجاب پر کر چکا تھا۔ جس وقت بابر نے ہندستان پر حملہ کیا اس وقت لودی خاندان کی حکومت پنجاب سے بہار تک تھی۔ دکن میں بہمنی سلطنت مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔ گجرات کی بادشاہت 175 برس کے اقتدار کے بعد دم توڑ رہی تھی۔ مالوہ کی خود مختار حکومت جس کا دارالخلافہ مندو (اندور) تھا رانا سانگا کے حملوں سے دم توڑ رہا تھا۔ بنگال میں ایک خاندان الگ خود مختار بادشاہی کر رہا تھا۔ ہندوؤں میں چتوڑ کا راجہ رانا سانگا اور بجے نگر کا راجہ مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے حتی الامکان کوشش کر رہے تھے۔

11 یہ بزرگ میر معین الدین مصنف ''تفسیر معنیٰ'' کی اولاد میں سے تھے۔ سالہا سال مدینہ منورہ میں مجاوری کی اور مولانا جلال الدین دوّانی سے علم حدیث وتفسیر حاصل کیا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سلیم شاہ کے عہد میں شیخ علائی مہدوی سے 954 ھ/1548ء میں مناظرہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں ۔954 ھ/1548ء میں ان کا انتقال ہوا اور بعض 957 ھ/1551ء بتاتے ہیں خیر جو بھی ہو۔ یہ سلیم شاہ

پسر شیر شاہ کا عہد تھا'' ان کا مزار اکبر آباد میں آصف جاہ کی حویلی میں واقع ہے۔ (بحوالہ مخبر الواصلین)

12۔ خواجہ خاوند نقشبندیؒ۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ ہیں والد کی طرف سے خواجہ علاء الدین عطار سے ان کا نسب ملتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں سلسلہ طریقت اختیار کیا اور بخارا سے سیاحت کے لیے نکلے اور کابل پہنچے، وہاں سے کشمیر گئے۔ ایک عرصے تک وہاں مقیم رہے کشمیر سے ہندستان آ کر لاہور، دہلی اور اکبر آباد میں قیام کیا۔ شاہ جہاں کے عہد تک زندہ تھے۔

13۔ رانا سانگا میواڑ کے راجاؤں میں اکیاون واں راجہ تھا جو 1509 ء میں چتوڑ کے تخت پر بیٹھا تھا۔

14۔ بابر کس مرض میں گرفتار ہوا۔ نہ تو فرشتہ نے لکھا ہے نہ کسی اور مورخ کی تصنیف میں نظر سے گزرتا ہے۔ البتہ بابر آگرہ میں 936 ھ/1529 ء میں بیمار پڑا تھا۔

15۔ بابر کی وفات بروز پیر 5 جمادی الاول/ 937 ھ/ 1530 ء میں ہوئی۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی لاش کابل میں دفن کی جائے۔ اس لیے چند دن میّت ''نورافشان باغ'' جسے اب آگرہ میں آرام باغ کہتے ہیں میں امانتاً رہی۔ پھر کابل لے جا کر ''قدم گاہِ رسول'' مین دفن کیا گیا۔ شاہ جہاں نے قبر پر سنگ مرمر کا مقبرہ تیار کرایا تھا۔

16۔ ان کا پورا نام شیخ زین الدین خوافی خان تھا اور تخلص وفائی تھا۔ آگرہ میں جمنا کے دوسری طرف ان کی یادگار ایک مدرسہ اور مسجد ہے۔ فن معمہ، تاریخ گوئی، بدیہہ گوئی اور نظم ونثر کی تمام اصناف میں بے مثل عالم تھے۔ ان کا انتقال چنار گڑھ کی حدود میں 940 ھ/1533 ء میں ہوا اور آگرے میں اپنے ہی مدرسے میں دفن ہوئے۔

17۔ فتح مبین، فرشتہ نے بابر کی اس کتاب کا نام ''مثنوی مبَین'' لکھا ہے۔ ممکن ہے پورا نام مثنوی فتح مبین ہو کیونکہ یہ کتاب ترکی نظم میں تھی اور فقہ کے موضوع پر

تھی۔ بابر کی فقہ حنفی میں مہارت کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے۔''وہ مجتہدانہ قوت رکھتا تھا۔'' اس مثنوی کے کچھ شعر''واقعات بابری'' میں بھی درج ہیں۔ اس نے اپنے حالات پر جو تزک لکھی ہے وہ بھی ترکی میں ہے۔ اکبر کی فرمائش پر عبدالرحیم خان خانان نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام''واقعات بابری'' رکھا گیا۔ فرشتہ ان کی تصنیف تزک کے متعلق لکھتا ہے۔''بابر بڑا اچھا ادبی نقاد بھی تھا۔ خواجہ آصفی کے کلام کی نسبت اس نے بڑی موزوں رائے دی ہے۔'' فن عروض میں بھی بابر کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ عروض پر بھی اس کا ایک رسالہ ہے۔ موسیقی میں بھی بڑی اچھی دسترس تھی۔ معاصر موسیقاروں کے حسن و قبح پر بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے۔ مشہور مُصوّر بہزاد بابر کا معاصر تھا۔ اس نے بہزاد کی ایک تصویر کے نقائص بھی ظاہر کیے ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے: ''بابر دربار میں بادشاہ، جنگ میں سپہ سالار، بزم میں یار باش رند، اہل علم کی صحبت میں محقق اور نقاد تھا''

18. جمالی کنبو: آزاد بلگرامی نے''خزانہ عامرہ'' میں لکھا ہے کہ یہ ایک باکمال سخنور شاعر تھے۔ نام فضل اللہ تھا قوم کنبو تھی، قوم کنبو کے دہلی میں قاضی اور مفتی تھے۔ حرمین کی زیارت کے لیے گئے اور سلطان حسین مرزا کے عہد میں خراسان کا سفر کیا اور مولانا جامی اور جلال الدین دوّانی سے فیض حاصل کیا تھا۔

19. شاہ طہماسپ: ایران کے صفوی خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا۔

20. شیخ محمد غوث گوالیاریؒ: غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کے سلسلہ طریقت میں شیخ حاجی حمید کے خلیفہ اور بڑے صاحب کمال گزرے ہیں۔ ان کے دادا نیشاپور کے شیخ تھے اور ہندستان میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ شیخ غوث لاغر اندام شخص تھے لیکن سیاحت بہت کی تھی۔ ابتدا میں قلعہ کلچیتر / کالنجر میں وعظ و بیان کا مشغلہ تھا بعد میں راہ سلوک اختیار کی، ہمایوں ان کا معتقد تھا۔ آپ نے ایک ''معراج نامہ'' لکھی تھی جس میں اپنی''معراج'' کا تذکرہ تھا۔ شیر شاہ کے زمانے میں اس کتاب پر بڑے اعتراض ہوئے شیر شاہ ان کی فکر میں تھا کہ وہ

گوالیار سے گجرات چلے گئے۔ گجرات کے علماء نے بھی ان کو گھیر لیا۔ آخر میں علماء کی مجلس میں جب انھوں نے یہ کہا کہ مجھے یہ معراج عالم بے ہوشی کے حالت میں ہوئی تب کہیں جاکر ان کی جان بچی۔ آپ کی تصانیف میں جواہر خمسہ، اوراد غوثیہ اور بحرالحیات مشہور ہیں۔ وفات 5 رمضان المبارک 997 ھ/1589ء میں ہوئی۔ مزار گوالیار میں ہے، ہمایوں سے تعلقات کی وجہ سے ان کا بھائی شیخ بہلول عمدہ مناصب پر پہنچ گیا تھا۔ جس کی شہادت کا واقعہ بالا بیان کیا گیا ہے۔

21ے اصل فارسی متن میں مُلّا عبد القادر بدایونی نے جوسہ لکھا ہے ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی ہو اصل نام چوسہ ہے نہ کہ جوسہ۔

صلح کا پیغام

کہتے ہیں ایک دن ہمایوں نے ملا محمد عزیز کو جس کی شیر خان سے پہلے کی جان پہچان تھی، اپنا قاصد بنا کر اس کے پاس روانہ کیا۔ جس وقت وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سخت گرمی میں شیر خان آستین چڑھائے پھاوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے خندق کھود رہا ہے۔ ملا محمد کو دیکھ کر اس نے ہاتھ دھوئے ان کے لیے شامیانہ لگوایا اور خود بے تکلف وہیں زمین پر بیٹھ گیا جب بادشاہ کا پیغام سن چکا تو اس نے کہا: ''میری طرف سے اتنا جا کر کہہ دیجیے کہ تم خود لڑنا چاہتے ہو لیکن تمہارا لشکر لڑنا نہیں چاہتا اور میں لڑنا نہیں چاہتا لیکن میرا لشکر لڑنے پر مصر ہے۔''

اس کے بعد خود شیر خان نے شیخ خلیل کو جو حضرت شیخ فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے اور شیر خان کے پیر تھے، صلح کا پیام دے کر بادشاہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا: ''بنگال کے سوا میں کسی اور علاقے سے سروکار نہیں رکھنا چاہتا اور یہاں بھی میں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا ہی برقرار رکھونگا۔ اس عہد کے لیے کلام اللہ کی قسم بھی کھائی۔ ہمایوں نے اعتماد و یقین کر کے صلح پر رضامندی کا اظہار کیا اور پوری طرح مطمئن ہو کر ندی پر پل باندھنے کا حکم دیا۔

ہمایون کی شکست

شیر خان کی طرف سے صلح کا یہ پیغام محض ایک دھوکا تھا۔ اس نے دوسرے دن صبح ہی اچانک شاہی لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج بالکل ہی بے خبر تھی، پریشانی میں صف آرا نہ ہو سکی اور شیر خان نے ایک ہی حملے میں ہمایوں کو شکست دے دی۔ جو پل اس نے تیار کرایا تھا اسے پٹھانوں نے توڑ دیا۔ ان کے توپچیوں اور تیر اندازوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر ہمایوں پر گولوں اور تیروں کی بوچھار کر دی۔ اس معرکے میں محمد زمان میرزا مارا گیا۔ ہمایوں نے اس عالم میں کہ کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں تھا گھبرا کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ جب ڈوبنے لگا تو ایک سقّے نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی اور دریا سے پار کرا دیا۔ اس وقت شیر خان نے یہ شعر کہا:

فرید حسن راتو شاہی دھی
سپاہ ہمایوں بہ ماہی دھی

اس کے استاد نے اس کی اس طرح اصلاح کی ہے:

یکی رابر آری و شاھی دھی
سپاہ ہمایون بہ ماھی دھی

یہ واقعہ 946 ھ /1539ء میں پیش آیا۔ اس کی تاریخ ہے: ''سلامت بود بادشاہ کسی'' اس فتح کے بعد شیر خان نے بنگال کے علاقوں پر لشکر کشی کی اور متعدد لڑائیوں کے بعد جہانگیر قلی بیگ کو اس کے لشکر سمیت تباہ و تاراج کر دیا۔ اب سارا بنگال شیر خان کے قبضے میں تھا، وہ وہاں اپنے نام کا خطبہ پڑھ کر شیر شاہ کے خطاب سے تخت نشین ہو گیا۔ دوسرے سال ہی شیر شاہ نے بڑی تیاریوں کے ساتھ آگرے کا قصد کیا۔

ہمایوں کے بھائی

کامران میرزا کو جب چوسہ کی شکست، شیر خان کے غلبے اور میرزا ھندال کی سرکشی کی خبریں ملیں تو وہ قندھار سے لاہور پہنچ گیا اور وہاں سے کوچ کر کے 946ھ/1539ء میں آگرے میں داخل ہوا۔ مرزا ھندال اس کے آنے سے پہلے ہی دہلی جا چکا تھا، وہاں اس نے میر فخر علی اور میرزا یادگار ناصر کا جو دہلی میں قلعے کے اندر بند ہو گئے تھے محاصرہ کر لیا لیکن جب کسی طرح کامیابی حاصل نہ ہوئی تو محاصرہ اٹھا کر آگرے میں مرزا کامران سے آ کر مل گیا۔ چند دن بعد میر فخر علی بھی کامران کے پاس گیا، البتہ مرزا یادگار ناصر برابر دہلی کے قلعے پر جما رہا، پھر مرزا ھندال کامران سے آگرے میں مل کر الور کی طرف چلا گیا۔

ہمایوں کی پریشانی

چوسہ کی شکست کا داغ تو تھا ہی، آگرے میں بھائیوں کی ان حرکتوں کا حال سن سن کر ہمایوں سخت پریشان اور مضطرب تھا، ایک دن کامران سرا پردہ میں غافل بیٹھا تھا کہ اچانک ہمایوں اندر داخل ہو گیا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے لیکن جیسے ہی ان کی نظریں ملیں خون نے جوش مارا، محبت امڈ آئی اور دونوں گلے مل کر رونے لگے۔ اس کے بعد ھندال مرزا، محمد سلطان مرزا، اس کے دونوں بیٹے جو عرصے سے مخالف و سرکش بنے ہوئے تھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہمایوں نے سب کے قصور کو معاف کر دیا اور شیر خان کو کچلنے کے لیے ان سب سے مشورہ کیا۔ بظاہر مرزا کامران نے یہ کہا کہ میرے ساتھ پنجاب کا جو لشکر ہے وہ آراستہ اور تازہ دم ہے اس لیے آپ دارالخلافہ میں رہیں اور میں شیر خان کے مقابلے پر فوج کشی کرتا ہوں۔ ہمایوں نے اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ چند دن بعد کامران نے پنجاب واپس ہو جانے کی اجازت مانگی اور بادشاہ سے بھاری مطالبہ کرنے لگا۔ ہمایوں نے پنجاب کے علاوہ اس کے سارے مطالبے قبول کر لیے۔ خواجہ کلان بیگ نے بھی کامران کو پنجاب رخصت کر دینے کے لیے تاکید کی۔ چھ ماہ بس اسی کہا سنی میں نکل

گے اور کچھ طے نہ پا سکا اسی دوران مرزا کامران کو مختلف بیماریوں نے گھیر لیا۔ طبیبوں نے تشخیص کیا کہ ان تمام بیماریوں کا اصل مادہ زہر ہے۔ جو کسی نے کھلا دیا ہے۔ لگائی بجھائی کرنے والوں نے اس کو ہمایوں کی طرف سے بدگمان کرا دیا اور وہ یہ سمجھ کر کہ ہمایوں نے ہی زہر دلوایا ہے۔ اسی بیماری کی حالت میں پنجاب کی طرف کوچ کر گیا۔ پہلے تو اس نے یہاں تک کہا تھا کہ میں اپنی ساری فوج آگرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا لیکن اس قول کو پس پشت ڈال کر سکندر نامی سردار کے صرف دو ہزار سپاہی آگرے میں چھوڑ دیے اور باقی سارا لشکر اپنے ساتھ ہی لے کر چلا گیا۔ میرزا حیدر مغل کشمیری بھی آگرے میں رہ گیا۔ اس پر بادشاہ نے بڑے لطف و کرم کا اظہار کیا۔

بھائیوں کی نااتفاقی

شیر خان کو بھائیوں کی اس نااتفاقی کی بھی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں، ان حالات میں اس کی جرأت اور بڑھ گئی اور وہ اسی سال کے آخر میں گنگا کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں سے اپنے بیٹے قطب خان کو ایک لشکر دے کر کالپی اور اٹاوہ کی طرف روانہ کیا۔ قاسم حسین سلطان اوزبک نے یادگار ناصر مرزا اور اسکندر سلطان کو ہمراہ لے کر کالپی کے علاقے میں قطب خان کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست دے دی اس کا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے سر کاٹ کر ہمایوں کے پاس آگرے کے لیے روانہ کر دیے۔

خرابی ملک دِلّی

ہمایوں ایک لاکھ سواروں کا لشکر لے کر شیر خان کے مقابلے کے لیے آگرے سے نکلا اور قنوج کا دریا پار کر کے صف آرائی کی۔ شیر خان کی فوج پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مہینہ بھر تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر جمی رہیں۔ ممکن تھا کہ شاہی لشکر کامیاب ہو جاتا لیکن اس نازک موقعے پر محمد سلطان مرزا اور اس کے بیٹے لشکر سے فرار ہو گیے اور

کامران کی فوج کے جتنے لشکری تھے وہ بھی ہمایوں نے کسی اونچے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے وہاں سے کوچ کرا دیا تھا، اس حال میں شیر خان نے بھرپور حملہ کر دیا۔ اکثر مغل بغیر لڑے ہی بھاگ گیے۔ بادشاہ کا ارادہ صرف اونچے مقام پر جانا تھا نہ کہ بھاگنا۔ لیکن لشکر والوں نے اسے فرار پر محمول کر کے میدان جنگ سے پیٹھ پھیر لی اور جس کا جدھر منھ اٹھا نکل گیا۔ مجبوراً بادشاہ نے اپنا گھوڑا گنگا میں ڈال دیا اور پانی کے بہاؤ میں دریا میں گر پڑا۔ اس وقت شمس الدین محمد غزنوی نے مدد کی اور بادشاہ کو دریا پار کروایا۔ وہاں سے ہمایوں آگرہ گیا مگر شیر خان برابر پیچھا کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اس لیے وہ وہاں بھی ٹھہر نہ سکا اور فوراً پنجاب چلا گیا۔ یہ لڑائی 947ھ/1540ء میں ہوئی تھی، اس کا مادۂ تاریخ ہے۔ ''خرابی ملک دلی (947ھ)''

لاہور میں مشورے

ہمایوں نے لاہور پہنچ کر یکم ربیع الاول 947ھ/1540ء میں تمام امراء و سلاطین کو جمع کر کے مشورہ کیا لیکن ہمایوں کے بھائیوں اور دوسرے امرا کے درمیان پھوٹ پڑ چکی تھی اس لیے کسی تجویز پر اتفاق نہ ہو سکا۔ محمد سلطان اور اس کے بیٹے لاہور سے ملتان بھاگ گیے۔ مرزا ھندال اور مرزا یادگار ناصر ٹھٹھہ کی طرف چلے جانے کی رائے دے رہے تھے۔ مرزا کامران چاہتا تھا کہ سب لاہور سے ٹل جائیں تو وہ کابل چلا جائے۔ آخر بڑے صلاح ومشورے کے بعد طے پایا کہ مرزا حیدر کو ایک لشکر دے کر کشمیر پر حملہ کیا جائے اور کشمیر فتح ہو جائے تو بادشاہ وہاں چلا جائے۔ ہمایوں نے مرزا حیدر کو اس مہم پر روانہ کر دیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر اور بہت سے کشمیریوں کو اپنا گرویدہ بنا کر کشمیر فتح کر لیا اور 22 رجب 947ھ/1540ء میں اس علاقے پر قابض ہو گیا۔

ہمایوں کا فرار ہونا

خواجہ کلاں بیگ سیالکوٹ تک پہنچا تھا کہ بادشاہ کو خبر ملی، شیر خان سلطان پور کی ندی پار کر کے لاہور سے 22 کوس کے فاصلے پر آ گیا ہے۔ یہ سن کر ہمایوں لاہور کی ندی کو پار کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ مرزا کامران مصلحتاً کچھ دور تک تو ساتھ رہا۔ خواجہ کلاں بیگ بھی سیالکوٹ سے ہٹ کر لشکر سے آملا لیکن جب یہ سب بھیرہ کے علاقہ میں پہنچے تو میرزا کامران اور مرزا عسکری عہد و پیمان بھول کر خواجہ کلاں بیگ کے ساتھ کابل کی طرف نکل گیے، ہمایوں نے سندھ کا رخ کیا۔ چند منزل بعد میرزا ھندال اور میرزا یادگار ناصر بھی ساتھ چھوڑ گیے لیکن امیر ابوالبقاء کے سمجھانے سے دوبارہ لوٹ آئے۔ سندھ ندی کے کنارے شاہی لشکر ایسے قحط میں مبتلا ہوا کہ ایک سیر غلہ ایک اشرفی میں بھی ملنا محال ہو گیا۔ پانی بھی دور دور تک نہیں تھا۔ بھوک اور پیاس سے اکثر لشکری مر گئے۔ ہمایوں سخت مصیبتوں اور صعوبتوں کے بعد ایک مختصر سی جمیعت کے ساتھ جیسلمیر اور مارواڑ پہنچ سکا۔ وہاں بھی اسے کئی ایک حادثوں سے دوچار ہونا پڑا۔ آخر وہ کسی طرح ہندستان کی سرحد سے نکل کر عراق پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں سے شاہ طہماسپ سے مدد لے کر قندھار اور کابل پر حملہ کیا اور ان شہروں کو فتح کر کے وہاں لشکر منظم کر کے دوبارہ اس نے ہندستان کو فتح کیا۔

سوری خاندان

شیر شاہ بن حسن سور

"خرابی ملک دلی" نہ صرف ہمایوں کی شکست کی، بلکہ شیر شاہ کی تخت نشینی کی بھی تاریخ ہے، کیونکہ اس سال یعنی 947ھ/1540ء میں شیر شاہ نے آگرے میں تخت سلطنت پر جلوس کیا تھا۔

شیر شاہ کے ابتدائی حالات

شیر شاہ کا اصل نام فرید خان تھا۔ اس کا دادا ابراہیم سور[1] افغانستان کے علاقے رن سے ہندستان آیا تھا اور یہاں وہ سلطان بہلول لودی کے لشکر میں ملازم ہو گیا اور کافی عرصے تک حصار فیروزہ اور نارنول میں کار پرداز رہا۔ جب وہ مرگیا تو اس کے بیٹے حسن نے سلطان سکندر لودی کے ایک امیر جمال خان کی ملازمت اختیار کرلی۔ اسے جمال خان کی طرف سے سہسرام[2] اور خواص پور جو کہ قلعہ رہتاس کے ماتحت پرگنے تھے، جاگیر کے طور پر ملے تھے۔ اس کے زیر حکم پانچ سو سوار تھے۔ فرید خان (شیر شاہ) کے سات اور بھائی تھے۔

اس نے باپ اور بھائیوں سے لڑ کر ملازمت ترک کر دی اور جونپور میں جا کر طالب علمی اختیار کر لی۔

اس زمانے میں اس نے کافیہ مع حواشی اور چند مختصر دوسرے رسالے اور فارسی میں گلستان و بوستان اور سکندر نامہ پڑھا۔ اس کے اکثر اوقات جونپور کے مدرسوں اور خانقاہوں میں گزرتے تھے جہاں وہ علماء اور صلحاء کی صحبت سے استفادہ کرتا اور اپنے اخلاق کی تربیت میں مصروف رہتا تھا۔ چند دن بعد اس کی باپ سے صلح ہوگئی اور اس کے باپ حسن خان نے جاگیر کے انتظام کے لیے اسے مقرر کر دیا۔ اپنی عملداری میں شیر خان نے بڑے عدل و انصاف اور حسن انتظام سے کام لیا اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس نے تمام فتنہ پردازوں کا صفایا کر دیا۔ شیر خان کا یہ دور بھی مختصر رہا۔ چند معاملات میں اس کی باپ سے پھر مخالفت ہوگئی اور وہ اپنے ایک بھائی کے ساتھ آگرے چلا گیا، وہاں سلطان ابراہیم کے ایک سردار دولت خان کے یہاں ملازمت کر لی اور سلطان ابراہیم کے پاس اپنے باپ اور بھائیوں کی شکایت پہنچائی۔ سلطان الٹا اسی سے ناراض ہوگیا اور کہا کہ ''یہ تو بہت برا آدمی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باپ اس سے ناراض ہے اور یہ ہے کہ باپ کی شکایت کرتا ہے۔'' حسن خان کے مرنے کے بعد دولت خان نے اس کی جاگیر کے پرگنے شیر خان کو دلوا دیے اور وہ ایک عرصے تک اپنی جاگیروں ہی میں رہا۔ بھائیوں سے اس کی مخالفت پہلے کی طرح باقی تھی۔

شیر خان بہار میں

جس زمانے میں سلطان ابراہیم پانی پت میں مارا گیا تھا اور بابر نے فتح پائی تھی، دریا خان کے بیٹے بہادر خان نے بہار میں سلیمان محمد کے لقب سے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا تھا فرید خان بھی ان دنوں جاگیر کو چھوڑ کر بہار چلا گیا اور سلطان محمد کے یہاں ملازم ہوگیا اور ایک دن سلطان محمد کی رکاب میں اس نے ایک شیر کا شکار کیا۔ اس وقت سلطان محمد نے اسے ''شیر خان'' کا خطاب عطا کیا اور اپنے بیٹے جلال خان کا اتالیق مقرر کر دیا۔ ولایت ''چوند'' کے حاکم محمد خان سور نے شیر خان کے بھائیوں کی طرفداری میں سلطان

محمد کو شیر خان سے بدل کر دیا اور جاگیر میں اس کے بھائیوں کو بھی شریک کرا دیا۔ اور اس کے بھائی سلیمان کو اپنے ایک غلام شادی خان کے ساتھ کر کے خواص پور کا قبضہ دلانے کے لیے بھیجا۔ وہاں ان کا مقابلہ شیر خان کے ایک غلام بھکہ نامی سے ہوا۔ اس شخص کے متعلق مشہور تھا کہ یہ خواص خان کا باپ ہے۔ مقابلے میں بھکہ مارا گیا اور اس کے آدمی بھاگ کر شیر خان کے پاس سہسرام میں آ گئے۔

شیر خان مغل لشکر میں

شیر خان نے جب دیکھا کہ وہ محمد خان سے مقابلہ نہیں کر سکتا تو جاگیروں سے دست بردار ہو کر سلطان جنید برلاس کے پاس چلا گیا جو بابر کی طرف سے کڑہ اور مانک پور کا حاکم تھا اور اس کو بہت سے تحائف نذر دے کر اپنا حامی بنا لیا، پھر اس سے مدد لے کر محمد خان پر حملہ کر دیا اور اس سے پرگنہ چوند بھی چھین لیا۔ محمد خان نے روہتاس کے قلعے میں پناہ لی۔ شیر خان نے اپنی جاگیروں پر قبضہ کر کے بھائیوں کو سزا دی، اور محمد خان سے اس گستاخی کی معذرت کر کے اس کے پرگنے اسے لوٹا دیے اور جاگیر کے انتظام پر اپنے بھائی نظام کو مقرر کر کے سلطان جنید برلاس کے پاس واپس چلا گیا۔

شیر خان بابر کے حضور

سلطان جنید عموماً بابر کے دربار میں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ شیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اور بادشاہ سے سفارش کر کے اسے شاہی ملازموں میں شامل کرا دیا۔ چنانچہ چندیری کے سفر میں وہ بابر کے ہم رکاب تھا۔ اسی سفر میں اس کو اندازہ ہوا کہ مغل حکمران امور مملکت سے نہایت بے پرواہ ہے اور عملہ کے لوگ رشوتیں لے کر لوگوں کے معاملات کو بگاڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر شیر خان کو یقین سا آ گیا کہ ان مغلوں سے بادشاہت چھین لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اس وقت سے شیر خان حصول اقتدار کی تدبیروں

میں لگ گیا۔ ایک دن بابر نے کھانا کھاتے وقت دستر خوان پر شیر خان کی کوئی گستاخانہ حرکت دیکھی۔ اس وقت اہل مجلس نے موقع پاکر شیر خان کی خودسری اور اس کے باغیانہ خیالات سے بابر کے کان بھرے۔ شیر خان ان باتوں سے نہایت خوفزدہ ہوا، اور شاہی لشکر سے بھاگ گیا اور اپنے پرگنوں میں جا کر رُکا۔ جنید برلاس کو یہ شکایت لکھ کر بھیجی کہ ''مغلوں کی ملازمت اختیار کر لینے کی وجہ سے محمد خان نے جس کو مجھ سے دلی عداوت ہے۔ سلطان محمد کو میری جاگیر پر لشکر کشی کے لیے آمادہ کر دیا تھا اس لیے جلدی اور اضطراب میں بادشاہ سے اجازت لینے کی مہلت نہ مل سکی اور میں بغیر پوچھے ہی اپنے پرگنوں میں چلا آیا۔ میں اسی طرح بادشاہ کا خیر خواہ اور مخلص ہوں۔'' اس کے بعد شیر خان نے دوبارہ سلطان محمد کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کر لیا اور اس کا مقرب بن کر ممتاز خدمات پر مامور رہا۔ پھر اس کے بیٹے جلال خان کا وکیل مقرر ہوا اور اس کے سارے معاملات شیر خان کے زیر انتظام ہو گئے اور جب سلطان محمد کا انتقال ہوا تو بہار سرکار کا سارا نظم و نسق اسی کے حوالے ہو گیا۔

بنگال میں حوصلہ آزمائی

اسی زمانے میں بنگال کے حکمران کے ایک امیر مخدوم عالم سے جو حاجی پور[3] کا حاکم تھا، شیر خان کی بڑی دوستی ہو گئی۔ پھر بنگال میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ وہاں کے سلطان نے مخدوم عالم پر حملہ کرنے کے لیے اپنے ایک امیر قطب خان کو روانہ کیا۔ شیر خان نے حق دوستی ادا کر کے مخدوم عالم کی طرف سے قطب خان کا مقابلہ کیا اور اسے قتل کر کے اس کا سارا خزانہ مال و اسباب اور ہاتھی لوٹ لیے۔ بعد میں اس کے معاون جلال خان اور دوسرے لوحانیوں نے بہار کا علاقہ سلطان بنگال کے سپرد کر دیا اور شیر خان کو مصیبت میں تنہا چھوڑ کر سلطان کی اطاعت اختیار کر لی۔ بنگال والوں نے مقتول قطب خان کے لڑکے ابراہیم خان کو اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے شیر خان کے خلاف روانہ کیا۔ شیر خان نے قلعے میں بند ہو کر کافی عرصے تک ان کا مقابلہ کیا۔ اس اثناء میں بنگالی فوج کی مدد پر مزید دستے وہاں پہنچ گئے اور شیر خان کے بچ نکلنے ک [illegible] بھی بند ہو گیا اب شیر خان چاروں

طرف سے بُری طرح گھر گیا تھا۔ کوئی راہ نہ پا کر آخر اس نے ایک دلیرانہ حملہ کرنے کا عزم کیا اور قلعے سے باہر نکل کر جان توڑ مقابلہ کیا۔ بڑی سخت جدو جہد کے بعد ان پر فتح پائی۔ اس لڑائی میں ابراہیم مارا گیا اور اس کا سارا مال و اسباب فیل خانہ اور توپ خانہ شیر خان کے ہاتھ آ گیا۔ اس فتح سے اسکی شان وشوکت بہت بڑھ گئی اور سارا بہار اس کے قبضہ اقتدار میں آ گیا۔

سلطان محمود لودی

اس دوران سلطان محمود لودی جسے حسن خان میواتی اور رانا سانگا نے بادشاہ بنا کر بابر سے مقابلہ کیا تھا، مغل لشکر سے شکست کھا کر چتوڑ کے قلعے میں محفوظ ہو گیا تھا۔ لودی امرا نے اسے چتوڑ سے بلا کر پٹنہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے لشکر کشی کر کے شیر خان سے بہار کا علاقہ چھین لیا اور شیر خان نے اس کی اطاعت اختیار کر لی ۔ کچھ عرصے بعد شیر خان، سلطان محمود سے اجازت لے کر اپنے پرگنے میں آ گیا۔ بعد میں جس وقت محمود کا سہسرام سے گزر ہوا تو اس نے شیر خان کو بہار کا عہد نامہ لکھ کر دے دیا اور وہاں سے جونپور کی تسخیر کے ارادہ سے کوچ کیا۔ جونپور پر ہمایوں کے سرداروں کو شکست ہوئی اور یہ علاقہ لکھنو کی سر حدوں تک لودیوں کے قبضے میں آ گیا، ہمایوں کے امیر شکست کھا کر کالنجر کے علاقے میں بادشاہ کے لشکر میں حاضر ہو گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے خود ہمایوں نے سلطان محمد اور اس کے معاون بایزید کے مقابلے کے لیے کوچ کیا۔ اس اثناء میں شیر خان سلطان محمود کے لشکر سے کچھ دن تو علاحدہ ہی رہا بعد میں آ کر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو شیر خان نے مغلوں کے امیر الامراء ھندو بیگ قوچین کو خفیہ پیغام بھیجا کہ '' میں لڑائی کے وقت بہانے بنا کر الگ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے سلطان محمد اور بایزید کا اقتدار ایک آنکھ نہیں بھاتا۔'' چنانچہ جب لڑائی ہوئی تو شیر خان اپنی جمعیت کو لے کر میدان سے ہٹ گیا اور سلطان محمود شکست کھا کر پٹنہ چلا گیا۔ اس کا انتقال 949ھ/1542ء میں اڑیسہ کی سرحد پر ہوا۔

ہمایوں اور شیر خان کا اختلاف

اس فتح کے بعد ہمایوں نے ہندو بیگ کو اپنا نمایندہ بنا کر شیر خان کے پاس بھیجا اور اس سے قلعہ چنار سپرد کر دینے کا مطالبہ کیا۔ شیر خان نے بہانہ کر کے بادشاہ کے مطالبہ کو ٹال دیا۔ ہمایوں نے اپنے چند امیروں کو قلعے کے محاصرہ کے لیے رخصت کیا۔ وہ خود بھی اس مہم پر جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا کہ شیر خان کی ایک عرضی اس کے نام آئی جس میں اس نے اپنے خلوص اور اطاعت کا ذکر کیا تھا اور بابر بادشاہ کے وقت کی خدمات اور سابقہ حقوق کے حوالے تھے، خاص طور سے سلطان محمود سے میدان جنگ میں علیحدگی کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ شیر خان نے یہ عریضہ اپنے بیٹے قطب خان کے ذریعے ایک بڑی جمعیت اس کے ہمراہ کر کے روانہ کیا تھا اور اپنے وکیل اور وزیر عبر خان حجاب کو بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ گجرات میں قطب خان ہمایوں کے لشکر سے فرار ہو کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا اور شیر خان نے ہمایوں کی گجرات سے واپسی تک کے عرصے میں اپنی قوت میں کافی اضافہ کر لیا، پھر ہمایوں سے مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔

شیر گڑھ

شیر شاہ نے تخت نشینی کے بعد قنوج کے قدیم شہر کو ویران کر دیا اور اسے گنگا کے کنارے آباد کرایا۔ یہ شہر اب شیر گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ شمس آباد کے قلعے کو بھی اجاڑ کر اسے دوسری جگہ اس نے تعمیر کرایا اور اس کا نام رسول پور رکھا لیکن اب یہ قلعہ پھر اپنی اصلی جگہ پر آباد ہو گیا ہے۔ شیر خان نے علاؤ الدین کی بسائی ہوئی پرانی دلی کو بھی ویران کر کے ایک شہر فیروز آباد تین کوس کی لمبائی میں بسایا۔ اس کے قلعے کا دروازہ سنگ و گچ (چونے) سے نہایت بلند بنوایا تھا۔ ضروری انتظامات کے بعد شیر شاہ کوچ کرتے ہوئے سلطان پور پہنچ گیا۔ یہاں ہمایوں کے بھائی آپس کے جھگڑوں میں الجھے ہوئے تھے شیر شاہ کے آتے ہی یہ جھگڑالو بھائی وہاں سے بھی نکل بھاگے، پھر شیر شاہ نے ان کو ہندستان کی

حدود میں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا۔

شیر شاہی سڑک

اس سال شیر شاہ نے حکم دیا کہ بنگال سے روہتک (ہریانہ) تک جو چار ماہ کا راستہ ہے سڑک بنائی جائے۔ اس سڑک پر آگرے سے مانڈو تک ہر کوس پر ایک سرائے، مسجد اور پختہ کنواں تعمیر کرایا گیا اور مسجد میں ایک مؤذن اور ایک امام مقرر کیا گیا ایک ہندو سقے کو بھی مقرر کیا گیا۔ اس سڑک پر بادشاہ کے حکم سے دونوں جانب درخت لگوائے گئے تاکہ مسافر ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کریں۔ ان تعمیرات کے آثار میرے اپنے زمانے (مؤلف منتخب التواریخ) تک کہ شیر شاہ کے عہد کو باون سال گزر چکے ہیں، باقی ہیں۔

عدل و انصاف

شیر شاہ نہایت منصف مزاج بادشاہ تھے۔ اس کے عدل و انصاف کی ایسی دھاک تھی کہ بڑھیا بھی آکر جنگل میں سونے کا تھال اچھالتی ہوئی چلی جائے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اسے ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے۔ خدا کا میں (مؤلف منتخب التواریخ) بڑا شکرگزار ہوں کہ میری پیدائش اس عادل بادشاہ کے زمانے میں ماہ ربیع الثانی 947ھ/1540ء میں ہوئی۔ شیر شاہ نے مغلوں کے حملوں کو روکنے کے لیے بالنات کی پہاڑی کے اوپر قلعہ تعمیر کرایا اور خواص خان کو ہمایوں کے تعاقب پر مقرر کر کے دارالخلافہ کو لوٹا۔

قاضی فضیحت کی رسوائی

راستے میں اطلاع ملی کہ بنگال میں خضرخان سرگ نام کے ایک سردار نے سرکشی اختیار کی ہے اور اپنی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ شیر شاہ نے فوراً بنگال کا رخ کیا اور خضرخان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور اس علاقے کو اپنے امیروں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے

لشکر کے قاضی کو جس کا نام قاضی فضیلت تھا رہتاس کے مشرقی قلعے کا ناظم مقرر کیا۔ عوام اس قاضی فضیلت کو اس کے رویہ کی وجہ سے قاضی فضیحت کہتے تھے۔ شیر شاہ اس مہم سے فارغ ہو کر 948ھ/1541ء میں آگرہ واپس آ گیا۔

ملو گیدی

949ھ /1542ء میں شیر شاہ مالوہ کی فتح کے ارادے سے گوالیار گیا۔ گوالیار کے قلعے میں ہمایوں کا ایک امیر ابوالقاسم بیگ مقرر تھا۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں قلعے کی کنجی لے کے حاضر ہو گیا۔ اسی جگہ حاکم مالوہ ملو خان بھی جو شاہان خلجی کا غلام اور اس علاقہ کا با اقتدار شخص تھا۔ بادشاہ کی قدم بوسی کے لیے باریاب ہوا۔ شیر شاہ نے اس پر بڑی عنایتیں کیں اور بھاری انعام و اکرام سے نوازا اور اپنے خیمہ کے نزدیک ہی اس کا خیمہ لگوایا۔ شیر شاہ اسے ایک سو ایک گھوڑے اور دوسرے اعزاز بھی عطا کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا لیکن ملو خان نہ معلوم کس وجہ سے خائف ہو کر غلاموں کی طرح خیمہ چاک کر کے راتوں رات لشکر سے بھاگ گیا۔ یہ شعر شیر شاہ نے اسی کے متعلق کہا تھا:

با ما چہ کرد دیدی ملو غلام گیدی
قول نیست مصطفےٰ را لا خیر فی عبیدی

مَلّو خان کو کچلنے کے لیے شیر شاہ نے حاجی خان سلطان کو تو مالوہ کی طرف اور سزاول خان کو سرکار ستواس کی طرف روانہ کیا۔ ان دونوں کے مقابلے میں مَلّو خان کو شکست ہوئی اور وہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ انہی دنوں خان خانان شیروان نے رنتھنبور کا قلعہ شاہی لشکر کے حوالے کر دیا اور خود اپنے خاندان کو لے کر پشاور کے قصبے میں چلا گیا۔ کہتے ہیں وہاں اس کو کسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ اس کی قبر پشاور سے باہر ایک نہایت ہی پر فضا مقام پر ہے۔

پورن مل کا قتل

اسی سال رائے سین کے مقدم پورن مل نے چندیری کو لوٹ لیا اور وہاں کے اکثر آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اپنے حرم میں وہاں کی دو ہزار ہندو اور مسلمان عورتوں کو داخل کر لیا۔ جب شیر شاہ کو اس فساد کی اطلاع ملی تو وہ برق و باد کی طرح رائے سین کے قلعے پر پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ کا مادہ تاریخ ہے: ''قیام بارگہ باشد مبارک''

شیر شاہ قلعے کو فتح نہ کر سکا اس لیے اس نے شاہزادہ عادل خان اور قطب خان کے وسیلے سے فریب دے کر پورن مل کو بلوایا اور بڑی عزت کے ساتھ اسے لشکر میں ٹھہرایا۔ سو گھوڑے، کافی سونا اور نقدی خلعت انعام میں دیا، بعد میں شیر شاہ نے عہد شکنی کی اور میر سید رفیع الدین صفوی سے فتویٰ لے کر پورن مل کو اس کے اہل و عیال سمیت ہاتھیوں کے پیروں تلے کچلوا دیا۔ اس کارروائی میں پورن مل کے دس ہزار ہندوؤں میں سے ایک کی بھی جان نہ بچی اور وہ سب بیوی بچوں سمیت قتل ہوئے۔ بعض خود آگ میں جل کر مر گئے۔ 4 یہ واقعہ 950ھ/1543ء میں پیش آیا تھا۔

راجہ مالدیو پر حملہ

کچھ عرصے بعد بادشاہ نے آگرے سے راجہ مالدیو کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ مالدیو، ناگور اور جودھ پور کا بڑا نامی گرامی راجہ تھا اور مسلمانوں پر اس کے غلبے اور زیادتی کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ شیر شاہ کا قاعدہ تھا کہ خواہ دشمن زیادہ ہو یا کم، اپنے لشکر کے اطراف وہ خندق ضرور بنا لیتا تھا۔ اجمیر کے علاقے میں راجہ مالدیو پچاس ہزار سوار لے کر بڑی تیاریوں کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ وہاں میدان جنگ پورا ریتیلا تھا، حصار اور خندق بنانا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ شیر شاہ نے اس بارے میں اپنے تجربہ کار امراء سے مشورہ کیا، کسی کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہ آئی اور سب عاجز و حیران ہو گئے۔ اس وقت شیر شاہ کا ایک کم سن پوتا جس کا نام شاہ عالم تھا بے ساختہ بول اٹھا: ''بنجاروں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنے تھیلے ریت سے بھر

کر لشکر کے گرد مورچہ بندی کر دیں۔" بادشاہ اس کی بات سن کر پھڑک اٹھا۔ اسی وقت اپنی پگڑی اس کے سر پر رکھ دی اور اپنا ولی عہد بنا لیا۔ لیکن سلطنت شاہ عالم کی قسمت میں نہیں تھی۔ جب سلیم شاہ بادشاہ بنا اس نے سب سے پہلے اسی کو قتل کرایا تھا۔

جنگی تدبیر

شیر شاہ اپنے پٹھان لشکر کی جانوں کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا اسی لیے عموماً وہ لڑائیوں کو مقابلے کے بجائے حکمت عملی سے جیتنا چاہتا تھا۔ راجہ مالدیو کے مقابلے میں بھی اس نے ایک چال چلی۔ راجہ مالدیو کے سرداروں کی طرف سے اس نے اپنے نام بہت سے جعلی خط لکھوائے۔ ان کا مضمون یہی تھا کہ لڑائی کے دن آپ کو مقابلہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہم خود راجہ مالدیو کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیں گے بشرط کہ آپ فلاں فلاں علاقے ہم کو جاگیر میں عطا کریں۔ پھر شیر شاہ نے کسی تدبیر سے وہ خطوط راجہ کے ہاتھوں تک پہنچا دیے۔ شیر شاہ کی چال کامیاب ہوئی اور وہ اپنے تمام سرداروں سے بدگمان ہو گیا راتوں رات میدان جنگ سے نکل کر بھاگ گیا۔ امیروں نے اس سے مل کر بہت کچھ یقین دلایا کہ ہم ہرگز دغا نہیں کریں گے یہ سارا فریب شیر شاہ کا ہے، لیکن راجہ کو ان کے کہنے کا کسی صورت میں بھی یقین نہ آیا۔ مالدیو کا ایک سردار گویا نامی تھا۔ اس کو بڑا غصہ اور غیرت آئی اور اس نے بگڑ کر مالدیو کو بری بری گالیاں دیں۔ اپنے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ شیر شاہ پر رات کو حملہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ لوگ رات کے حملے کے ارادے سے نکلے، لیکن یہ لوگ بدقسمتی سے راستہ بھول کر رات بھر بھٹکتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی اور طرف کافی دور نکل آئے ہیں ان لوگوں نے جان دے دینے کا قول وقرار کیا تھا اس لیے واپس نہ ہوئے۔ جب انہیں شیر شاہ کا لشکر نظر آیا تو گھوڑوں سے اُتر کر سب نے ازسرنو قسم کھائی اور ایک دوسرے کے کمر پٹے سے اپنے کمر پٹے کو باندھ لیا۔ برچھے اور تلوار لے کر شیر شاہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ شیر شاہ نے ان حملہ آوروں پر ہاتھی دوڑا دیے اور ان میں سے اکثر ہاتھیوں کے پیروں میں پامال ہو گئے جو بچے وہ توپوں

اور تیروں کی بوچھار کی نذر ہو گئے۔ ان میں سے ایک بھی سلامت نہ رہا۔ اس لڑائی میں ایک بھی فرد شیر شاہ کی طرف کا زخمی نہ ہوا۔ اس فتح کے بعد شیر شاہ اکثر کہا کرتا تھا: ''بڑی خیر ہوگئی میں نے تو تمام ہندستان کی سلطنت مٹھی بھر جوار کے عوض بیچ دی تھی'' اس کے بعد شیر شاہ نے رنتھنبور کا قلعہ اپنے بیٹے عادل خان کو دیا اور اسے وہاں چند دن کے لیے رخصت کر دیا تا کہ اس کا انتظام کر کے لوٹ آئے۔

رفیع الدین محدثؒ

میں نے معتبر آدمیوں سے سنا ہے کہ سید رفیع الدین محدثؒ نے جن کا پہلے ذکر آچکا ہے اس سفر میں شیر شاہ سے کہا تھا: ''میرے باپ دادا سب اہل علم اور صاحب تصانیف تھے اور حرمین شریفین میں وعظ کیا کرتے تھے۔ سارے خاندان میں میں ہی ایک ایسا نالائق ہوں جو روپے کے لالچ میں ہندستان میں آوارہ گردی کر رہا ہوں اور بالکل ہی جاہل رہ گیا ہوں۔ اب حضور مجھے معاف فرمائیں تا کہ وطن جا کر اپنے خاندان کا چراغ روشن کروں۔''

شیر شاہ کے نیک ارادے

شیر شاہ نے ان سے کہا، مجھے آپ کو رخصت کرنے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن میں نے آپ کو ایک مصلحت کی خاطر روک رکھا ہے۔ میری دلی آرزو یہ ہے کہ ہندستان کے وہ قلعے جو غیر مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئے ہیں فتح کر لوں، اس کے بعد ان قزلباشوں کی خبر لوں جو حاجیوں کو راستوں میں لوٹ لیتے ہیں۔ ان قزلباشوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کو سلطان روم دباتا ہے تو وہ اس طرف چلے آتے ہیں اور جب وہ لوٹ جاتا ہے تو یہ پھر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ میں نے جو تدبیر سوچی ہے اس کے مطابق ادھر سے شاہ روم اور ادھر سے میں، دونوں مل کر ان قزلباشوں کا ایسا صفایا کریں گے کہ پھر انھیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ اس مہم کے لیے اور حرمین شریفین میں کسی ایک مقام کی خدمت کا اجازت نامہ حاصل کرنے

کے لیے میں آپ کو اپنا وکیل بنا کر شاہ روم کے پاس بحیثیت سفیر روانہ کروں گا ۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔اس سفارت کے لیے آپ کے سوا دوسرا کوئی آدمی موزوں نظر نہیں آتا۔" کیا عجب کہ شیر شاہ کی یہ حسن نیت ہی اس کی مغفرت کا سبب بن جائے۔عمرو بن لیث 5 جو شاہان عراق میں ممتاز بادشاہ گزرا ہے اسی طرح حسرت ظاہر کیا کرتا تھا کہ میں اگر امام حسین کے ساتھ ہوتا تو یزیدیوں کے دماغ ٹھکانے لگا دیتا۔لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ روضۂ جنت میں سیر کر رہا ہے۔ بہر حال آدمی کوئی بھلا کام کر سکے یا نہ کر سکے اس کی نیت اور آرزو تو کر سکتا ہے، اس کا بھی اللہ کے یہاں بڑا اجر ہے ۔

کالنجر کے قلعے کا محاصرہ

952ھ/1545ء میں شیر شاہ نے کالنجر 6 کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ یہ ہندستان کے مضبوط قلعوں میں سے ایک ہے۔ بادشاہ کے حکم سے فصیل کے گرد سرنگیں کھودی گئیں اور جب یہ سرنگیں قلعے کے اندر پہنچیں تو شیر شاہ کے بہادر سپاہی ان سرنگوں کے ذریعہ قلعے میں داخل ہو گئے اور وہاں اپنی تلواروں سے قیامت برپا کر دی ۔ شیر شاہ اپنی نگرانی میں ایک مقام سے بارودی گولے قلعے میں پھنکوا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک گولہ قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر شاہی لشکر ہی میں لوٹ آیا اور پھٹ گیا۔ اس کے اثر سے وہاں جتنے گولے تھے سب پھٹ پڑے اور ہر طرف آگ پھیل گئی۔ شعلوں میں شیر شاہ بھی گھر گیا اور اس کا سارا بدن جل کر سیاہ کوئلہ ہو گیا۔ شیخ خلیل پیرزادہ اور مولانا نظام الدین دانش مند کو بھی اس آگ سے صدمہ پہنچا۔ بارودی مورچے کے قریب ہی بادشاہ کے لیے ایک چھوٹا خیمہ لگایا گیا تھا۔ شیر شاہ اسی نازک حالت میں دوڑتا ہوا اس خیمے میں چلا گیا۔فوج قلعے پر چڑھائی کر رہی تھی اور بادشاہ خیمے میں بے ہوش پڑا تھا ۔ جب بھی اسے کچھ ہوش آتا وہ چلا چلا کر لوگوں کو قلعہ فتح کرنے پر اکساتا رہتا اور جو کوئی اسے دیکھنے اندر آتا تو بادشاہ اسے محاذ پر جانے کا اشارہ کرتا۔ جاں بہ لب بادشاہ کے اس عزم کو دیکھ کر امرائے لشکر نے بھی بجائے ہراساں ہونے کے پورے جوش و خروش کے ساتھ قلعے پر حملہ کیا اور خنجروں اور تلواروں سے دشمنوں کے حلق پھاڑ کر رکھ دیے۔

غیبی امداد

میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا ہے (مؤلف منتخب التواریخ): ''اس دن ایک شخص سیاہ لباس پہنے اور سر پر عمامہ باندھے فوج کو لڑائی کے لیے بڑھائے لیے جا رہا تھا۔ سب اسے دیکھ رہے تھے لیکن کسی نے اسے نہ پہچانا کہ کون تھا؟ سب کے ساتھ وہ بھی قلعے میں داخل ہوا تھا۔ فتح کے بعد لوگوں نے جب اسے ڈھونڈا تو کہیں اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس طرح دونوں طرف کے مورچہ والوں نے بھی یہی بیان کیا کہ اسی لباس کے سوار لشکر کے آگے آگے جاتے ہوئے نظر آئے۔ جب سب قلعے میں داخل ہو گئے تو وہ غائب ہو گئے۔ بہر حال یہ بات کافی مشہور ہے کہ اس دن مسلمانوں کے لیے غیب سے مدد آئی تھی۔

شیر شاہ کا انتقال

شیر شاہ اسی بے قراری اور تڑپ کی حالت میں بار بار قلعے کی فتح کے متعلق پوچھتا رہا، اس دن گرمی بھی بہت تھی لوگوں نے اس کے جسم پر صندل اور گلاب کا لیپ لگایا لیکن اس کی تکلیف برابر بڑھتی گئی۔ جیسے ہی شیر شاہ نے فتح کی خبر سنی، اس نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ کہا گیا ہے:

شیر شاہ آنکہ از مہابت او
شیر و بز آب را بہم می خورد
از جہان رفت و گفت پیر خرد
سال تاریخ او ز آتش مرد

952ھ

شیر شاہ کا آبائی قبرستان سہسرام میں تھا اس لیے اس کی لاش وہیں لے جا کر دفنائی گئی، شیر شاہ نے پندرہ سال تک سرداری اور حکومت کی اور پانچ سال خود مختار بادشاہت کی تھی۔

آئینہ دیکھ کر وہ کہتا تھا: ''افسوس مجھے شام کے وقت بادشاہی ملی۔''

سلیم شاہ بن شیر شاہ سوری

شیر شاہ کے انتقال کے بعد امرا نے اس کے بیٹے سلیم خان 7 کو تخت نشینی کے لیے بلایا، وہ اس وقت پٹنہ کے پاس تھا۔ سلیم خان کوچ کرتے ہوئے نہایت تیزی سے لشکر میں پہنچ گیا۔ عیسیٰ خان حجاب اور دوسرے امرا کی تائید سے اس کی تخت نشینی ہوئی۔ اس نے اپنا خطاب سلیم شاہ رکھا۔ سلیم شاہ کا سن جلوس ملا احمد جنید نے اس آیت سے نکالا: **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔**

سلیم شاہ کا خط

تخت نشینی کے بعد سلیم شاہ نے اپنے بڑے بھائی عادل خان کو جو رنتھمبور میں رُکا ہوا تھا۔ اس نے اس مضمون کا خط لکھا: ''اگرچہ آپ ہی ولی عہد اور جانشین تھے لیکن آپ لشکر سے بہت دور تھے اور یہاں فتنوں کے پیدا ہو جانے خطرہ تھا اس لیے میں کچھ دن کے لیے آپ کے نائب کی حیثیت سے لشکر کی حفاظت کر رہا ہوں۔ جب آپ تشریف لے آئیں گے تو مجھے ہر طرح اطاعت گزار اور فرماں بردار پائیں گے۔ سلیم شاہ نے کالنجر سے آگرے کی طرف کوچ کیا۔ کورہ گھاٹم کے قصبے میں خواص خان نے اپنی جاگیر سہرند سے حاضر ہو کر سلیم شاہ کی اطاعت قبول کی لیکن وہ درحقیقت عادل خان کا ہی دل سے طرفدار تھا۔

تخت نشینی کا جشن

سلیم شاہ نے آگرے میں ایک میں بڑا جشن منعقد کیا اور باقاعدہ جلوس کی رسم ادا کی گئی۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں لمبی بات چیت ہوتی رہی۔ آخرکار عادل خان نے

اپنی آمد کے معاملے کو سلطنت کے چار بڑے امیر قطب خان نائب، عیسیٰ خان نیازی، خواص خان اور جلال خان جلوانی کی رائے پر چھوڑ دیا۔ سلیم شاہ نے ان چاروں امیروں سے عہد کیا وہ اسے پہلی ملاقات کے فوراً بعد ہی اس کی جاگیر پر رخصت ہو جانے دے گا اور اسے اختیار ہوگا کہ ہندستان میں جہاں چاہے اپنے لیے جاگیر حاصل کر لے۔ چاروں امیر اس عہد و پیمان کے بعد عادل خان کو لانے کے لیے گئے اور وہ ان کے ساتھ آگرہ اور وہاں سے سیکری آیا۔ سلیم شاہ نے شکار پور تک آکر اس کا استقبال کیا۔ یہاں دونوں بھائیوں میں ملاقات ہوئی اور انھوں نے باپ کی تعزیت کی رسم ادا کی۔ پھر دونوں مل کر آگرے کی طرف روانہ ہوئے۔

سلیم شاہ کی مکاری

سلیم شاہ بظاہر بڑی محبت وخلوص کا برتاؤ کر رہا تھا لیکن اس کے دل میں کھوٹ تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ عادل خان کے ساتھ قلعے میں دو تین آدمیوں سے زیادہ داخل نہ ہونے پائیں، لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور عادل خان کافی جمعیت کے ساتھ قلعے میں داخل ہوگیا اب سلیم شاہ بھی مجبور ہوگیا اور کسی قسم کی بدگمانی پیدا نہ کرنے کے خیال سے عادل خان کی خوشامد درآمد میں لگا رہا، اس نے کہا میں نے ان سرکش پٹھانوں کو آج تک بڑی مشکل سے قابو میں رکھا ہے۔ اب یہ آپ کے سپرد ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے عادل خان کو تخت پر بٹھایا اور خود فرمانبرداروں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔ دکھاوے کے لیے بڑی لچھے دار باتیں کرنے لگا۔

عادل خان کی دوراندیشی

عادل خان باہوش، تنومند، زور آور نوجوان تھا۔ اس کی طاقت اور زور آزمائی کے قصے لوگوں میں مشہور تھے، لیکن وہ سلیم شاہ کی چال بازیوں کو بھی خوب بھانپ چکا تھا۔ اس لیے اس نمائشی رویے پر اس نے دھوکا نہ کھایا اور تخت سے اتر کر سلیم شاہ کو ہی تخت پر بٹھا دیا

اور نیچے کھڑے ہو کر بادشاہت کی مبارک باد دی۔ اس دن بہت سا سونا چاندی لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ سلیم شاہ نے حسب وعدہ عادل خان کو بیانہ کی جاگیر عطا کی اور اسے عیسی خان اور خواص خان کے ہمراہ رخصت کر دیا۔

سونے کی زنجیر

دو ماہ بعد ہی سلیم شاہ اپنے ہمراز خاص غازی محل کو عادل خان کو گرفتار کر کے لانے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ خبر عادل خان کو ملی تو وہ بیانہ سے خواص خان کے پاس میوات چلا گیا۔ خواص خان نے غازی محل کو بلا کر اس کو اسی سونے کی زنجیر میں بندھوا دیا جو وہ عادل خان کو قید کرنے کے لیے لے کر آیا تھا۔

عادل خان کی یلغار

ان دونوں نے ایک بھاری لشکر آراستہ کر کے آگرے پر یلغار کر دی۔ قطب خان اور عیسی خان بھی جو تخت کے بلند پایہ امیر تھے اور انہی کے اعتماد پر عادل خان اس قول و قرار پر راضی ہوا تھا۔ سلیم شاہ کی اس بدعہدی پر ناراض ہو گئے اور انھوں نے عادل خان کے پاس خفیہ پیام بھیجا کہ آپ شب برات کی صبح کو اوّل وقت آگرے میں داخل ہوں، ہم سب یہاں آپ سے بیعت کر لیں گے۔ عادل خان اور خواص خان شب برات کو سیکری پہنچ گئے وہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی خدمت میں رات بھر عبادت کرتے اور نوافل پڑھتے رہے۔ اس شب گزاری کی وجہ سے آگرہ پہنچنے میں دیر ہو گئی اور وہ مقررہ وقت پر شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ ان کی آمد سے سلیم شاہ گھبرا گیا وہ قطب خان اور دوسرے امرا کو سمجھا بجھا کر عادل خان کے پاس بھیجنا چاہتا تھا تا کہ مخالف امرا سے قلعہ خالی ہو جائے تو وہ چنار کے قلعے میں جا کر رُک جائے اور وہاں کے خزانے اور دفینے پر قبضہ کر کے جنگ کا سامان تیار کر کے عادل خان کے مقابلے پر آئے۔ اس کی اس تجویز سے عیسی خان حجاب نے اختلاف کیا اور

اس کے نقصان اور خطرے سمجھا کر اسے چنار جانے سے روک دیا۔

بھائیوں میں مقابلہ

سلیم شاہ اپنے قابل اعتماد دو تین ہزار قدیم ملازمین کو لے کر شہر سے باہر مقابلے کے لیے نکلا۔ ان امیروں کو جنھیں اس نے عادل خان کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا یہ کہلوا کر بلالیا کہ مجھے عادل خان کا کوئی اعتبار نہیں، خدا جانے وہ تم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم لوگ لوٹ آؤ۔ اب میرے اور اس کے درمیان تیز زبان سے ہی بات چیت ہوگی۔ آگرے کے علاقے میں دونوں فوجوں میں بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی اور عادل خان شکست کھا کر تنہا چھت کی طرف نکل گیا خواص خان اور عیسی خان نیازی نے میوات کا راستہ لیا، کیوں کہ یہ دونوں دل و جان سے ایک دوسرے کے شریک تھے۔ سلیم شاہ کے ایک لشکر نے ان دونوں کا پیچھا کیا۔ قصبہ فیروز پور میں اس لشکر کو انھوں نے شکست دے کر بھگا دیا لیکن سلیم شاہ کا خوف ایسا تھا کہ وہ کمایوں کے پہاڑی علاقہ کے راجہ کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوگئے۔ سلیم شاہ نے اس کی بغاوت کو کچلنے کے لیے قطب خان کو نامزد کیا اور وہ عرصے تک ان پہاڑوں میں لوٹ مار کرتا رہا۔

جلال خان کا قتل

اس فتح کے بعد سلیم شاہ چنار گیا اور وہاں کے سارے خزانے اٹھوا کر گوالیار منتقل کر دیے۔ چنار سے لوٹ کر جب وہ گھاٹم پور کے قصبے میں آیا تو اس نے جلال خان جلوانی کو چوگان کھیلنے کے بہانے اپنے خیمے میں بلایا۔ جلال خان بڑی حمیت والا پٹھان سردار تھا اور دل سے عادل خان کا طرفدار تھا اس لیے سلیم شاہ اس کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں لگا ہوا تھا، چنانچہ جیسے ہی وہ اندر آیا۔ سلیم شاہ نے اسے اور اس کے بھائی خداداد کو گرفتار کروا کے ایک پٹھان کے حوالے کر دیا۔ یہ پٹھان پہلے ہی جلال خان سے کسی خون کا انتقام لینے کی فکر میں

تھا، اس طرح سلیم شاہ نے قصاص کا بہانہ کر کے جلال خان کو قتل کرا دیا اور وہاں سے آگرہ لوٹ آیا۔ کچھ عرصے بعد سلیم شاہ نے آگرے کے بجائے گوالیار کو پایہ تخت بنالیا اور عادل خان کے طرف داروں کو ختم کرنے کی تدبیروں میں لگا رہا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے بساط سلطنت پر سے ایک ایک کر کے مخالف مہروں کو اٹھادیا اس کی اس کاروائی سے قطب خان بھی خوف زدہ ہو گیا اور کماؤں کی مہم چھوڑ کر لاہور میں ھیبت خان نیازی کے پاس چلا گیا۔ یہ نیازی وہی امیر ہے جسے شیر شاہ نے اعظم ہمایوں کا خطاب عطا کیا تھا۔ ھیبت خان نے قطب خان کو پناہ نہ دی بلکہ سلیم شاہ کے مطالبے پر اسے مقید کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ سلیم شاہ نے قطب خان، شہباز خان اور دوسرے تیرہ چودہ نامی امیروں اور امیر زادوں کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ ان میں سے اکثر کو بارود سے اڑا دیا گیا۔

محمود خان کا قتل

ان مظلومین میں عادل خان کا بیٹا محمود خان بھی تھا جس نے سات سال کی عمر میں شیر شاہ کو لشکر کے اطراف ریت کے بوروں کا حصار بنانے کی تدبیر بتلائی تھی اور شیر شاہ نے اس کو اپنا ولی عہد کہہ دیا تھا۔ اسی سال سلیم شاہ نے لاہور سے اعظم ہمایوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ عذر کر کے خود نہ آیا بلکہ اپنے بھائی سعید خان کو جو بڑا بہادر اور عقل مند آدمی تھا، بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلیم شاہ بظاہر اس سے بھی بڑی مہربانی اور عنایت سے پیش آتا رہا لیکن دل ہی دل میں اسے بھی ٹھکانے لگانے کی فکر کرتا رہا۔

دیوار مرگ

ایک دن وہ اسے تنہا اپنے محل میں لے گیا اور وہاں بعض امیروں کے سر دکھائے جنہیں اس کے حکم سے زندہ دیوار میں چنوا دیا گیا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تم انہیں پہچانتے ہو یہ کون کون ہیں؟'' سعید خان نے ان کے نام بتلا دیے جنہیں وہ جانتا تھا۔

باہر آنے کے بعد سعید خان نے جان بچا کر بھاگنے کی فکر کی اور لاہور کے راستے میں ڈاک چوکی کا انتظام کرا کے تین راتوں میں آگرے سے لاہور چلا گیا۔

کمال خان کا قصہ

سلیم شاہ نے جن امیروں کو گوالیار کے قید خانے میں بارود میں آگ لگا کر جلوا دیا تھا ان میں سے صرف کمال خان کھوکر زندہ بچ گیا تھا۔ اس کے بچ جانے کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ اس کی بہن سلیم شاہ کے نکاح میں تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ رات میں قیدیوں کو بارود لگا کر جلا دیا جائے گا تو اس نے اس کی اطلاع اپنے بھائی کمال خان کے پاس بھجوادی اور ساتھ ہی روئی سے بھرے چار لحاف اور کئی مشک پانی بھی اس کے پاس بھیج دیا۔ کمال خان نے غسل کے بہانے سے ان لحافوں کو پانی میں اچھی طرح بھگو دیا اور ان کو اوڑھ کر سب سے الگ ایک کونے میں جا کر لیٹ گیا۔ جب آگ لگائی گئی تو سارے قیدی جل کر راکھ بن گئے مگر کمال خان ان لحافوں میں زندہ بچ گیا۔ صبح جب سلیم شاہ آتشزدگی کا تماشہ دیکھنے قید خانہ میں آیا تو اسے سلامت دیکھ کر کہا تو چونکہ میرے ساتھ سچا خلوص رکھتا تھا اس لیے تجھے آگ نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اب میں تجھے کبھی نقصان نہیں پہنچاؤنگا۔ چنانچہ اسے رہا کر کے حاکم پنجاب کے ہمراہ کھوکروں کے علاقے میں تعینات کر دیا۔ وہاں اس نے بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔

اعظم ہمایوں کی بغاوت

اعظم ہمایوں نے اپنے بھائی سعید خان کے واپس آجانے کے بعد خودمختاری اختیار کر لی اور کافی قوت فراہم کر کے لاہور میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ سلیم شاہ نے اس کی بغاوت کو کچلنے کے لیے ہر جگہ کے لشکر بلا لیے اور ایک بڑی فوج لے کر آگرے سے لاہور کی طرف یلغار کی۔ راستے میں مالوہ کے حاکم یزاول خان نے حاضر ہو کر باریابی حاصل کی۔ بادشاہ نے

اس پر بڑی عنایتوں کا اظہار کیا، بعد میں یزاول خان اپنی بعض مصروفیتوں کا بہانہ کر کے اجازت لے کر لشکر سے رخصت ہو گیا۔ سلیم شاہ دہلی پہنچ کر چند روز رکا اور وہاں لشکر کو منظم کر کے لاہور کی طرف کوچ کر گیا۔ خواص خان اور عیسیٰ خان نیازی بھی کمایوں کی پہاڑی سے اعظم ہمایوں کے پاس آ گئے تھے۔ یہ سب باغی امیر اپنے اپنے لشکر لے کر بادشاہ سے مقابلے کے لیے شہر سے روانہ ہوئے۔ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا، انبالہ کے قریب دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ جس دن لڑائی ہونے والی تھی اس رات کو ان امیروں کی مجلس مشاورت میں اعظم ہمایوں نے خواص خان سے پوچھا: ''فتح حاصل ہو جائے تو تخت پر کون بیٹھے گا؟'' خواص خان نے جواب دیا۔ ''شیر شاہ کا بڑا بیٹا عادل خان ہی سلطنت کا حق دار ہے۔'' نیازیوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور کہنے لگے: ''یہ بھی خوب رہا جانیں تو ہم لڑائیں اور سلطنت کا حق دار دوسرا بنے۔ سلطنت کوئی میراث تو نہیں بلکہ قوت بازو سے حاصل ہوتی ہے۔'' خواص خان کو نیازیوں کا یہ ادعا پسند نہ آیا کیونکہ وہ دل و جان سے شیر شاہ اور اس کی اولاد کا خیر خواہ تھا۔ جب صبح مقابلہ ہوا تو بڑی لڑائی کے بعد خواص خان عیسیٰ خان کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے کنارہ کش ہو گیا اور کسی طرف کو نکل گیا۔

نیازیوں کی شکست

نیازیوں نے سلیم شاہ کے مقابلے میں بڑی جرأت دکھائی لیکن تقدیر میں ناکامی لکھی تھی اس لیے بُری طرح شکست کھائی۔ اعظم ہمایوں کے بھائی سعید خان نے اس وقت اپنا حلیہ تبدیل کر لیا اور چند سواروں کے ساتھ سلیم شاہ کے لشکر میں پہنچ گیا۔ وہاں پوچھتا پھر رہا تھا: ''بادشاہ کہاں ہے؟ میں اسے مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔'' وہ اس بہانے سے سلیم شاہ تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا۔ اس وقت سلیم شاہ نے ہاتھیوں کے حلقے میں اپنی نشست رکھی تھی۔ اتفاقاً کسی نے ہاتھی بان سعید خان کی آواز پہچان لی اور اس پر نیزہ سے وار کیا اور وہاں ایک ہجوم سا لگ گیا۔ سعید خان اس ہنگامے سے کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا۔ نیازیوں کی فوج منتشر ہو کر رہ گئی۔ قصبہ دھنکوٹ میں بھاگ گئی۔ جو

بھاگ نہ سکے ان کو جاٹوں اور گنواروں نے لوٹ مار کے تباہ کر دیا۔ ان میں کچھ ابنالہ کی ندی میں ڈوب کر مر گئے۔ سلیم شاہ نے نیازیوں کا رہتاس تک خود پیچھا کیا اور وہاں سے خواجہ ویس شیروان کو ایک بھاری لشکر دے کر روانہ کیا اور خود آگرہ لوٹ آیا اور وہاں سے گوالیار چلا گیا۔

خواص خان کا حملہ

عیسیٰ خان اور خواص خان جو نیازیوں کا ساتھ چھوڑ کر میدان جنگ سے نکل گئے تھے، ان میں سے عیسی خان تو پہاڑوں کی طرف چلا گیا لیکن خواص خان پانچ چھ سو سواروں کو لے کر لاہور لوٹ آیا۔ اس وقت سلیم شاہ کی طرف سے لاہور کا حاکم شمس خان لوحانی تھا۔ وہ کسی ضرورت کی وجہ سے لاہور سے باہر تیس کوس پر گیا ہوا تھا۔ خواص خان نے اپنے سواروں کے ساتھ لاہور پر حملہ کرنے کے لیے مرزا کامران کے باغ میں پڑاؤ ڈالا۔ شہر والے قلعے کے اندر بند ہو گئے اور شمس خان کے آنے تک حملہ آوروں سے لاہور کی حفاظت کرتے رہے۔ اس اثناء میں خواص خان نے باغ کے اونچے اونچے پیڑ کاٹ کر زینہ بنانے کا ارادہ کیا تھا لیکن اسی وقت اطلاع ملی کہ رائے حسین جلوانی اور دوسرے سلیم شاہی امیر تیس ہزار سواروں کے ساتھ بہت ہی قریب آ پہنچے ہیں۔

خواص خان کی بہادری

جس وقت رائے حسین وہاں پہنچا تو خواص خان نے عیسی خان سے مشورہ کر کے لاہور کی فکر چھوڑ دی اور اپنے سواروں کو لے کر بلائے ناگہانی کی طرح مدد کے لیے آنے والی فوج پر چڑھ دوڑا۔ ان کے اس ہلاکت خیز حملے کو دیکھ کر رائے حسین نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ: ''اس مصیبت کو یہاں سے ٹل جانے دو اور ان کے جانے کے لیے راستہ چھوڑ دو۔'' خواص خان کے سوار اس فوج کو چیر کر دوسری طرف نکل گئے، پھر پیچھے سے پلٹ کر حملہ کر

دیا۔ اس وقت خواص خان کا زانو زخمی ہو گیا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا لیکن غنیم کے آدمیوں کو آگے بڑھ کر اسے گرفتار کر لینے کی ہمت نہ ہوئی اس کے آدمی اسے چار پائی پر ڈال کر سب کے سامنے سے لے کر نکل گئے۔ رائے حسین نے اپنے لشکر کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خواص خان صحیح سلامت نگر کوٹ پہنچ گیا جہاں سے وہ کمایوں کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اعظم ہمایوں کے نیازیوں نے بادشاہ سے شکست کھا کر کشمیر کا رخ کیا۔ وہاں کی گھاٹیوں میں کشمیریوں نے دھوکے سے ان سب کو نیست و نابود کر دیا۔

سزاول خان کی بغاوت

سزاول خان بھی بادشاہ سے سرکش ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے کسی باعث عثمان نامی ایک پٹھان کا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ وہ پٹھان انتقام کی فکر میں تھا، چنانچہ اس نے 994ھ/1586ء میں موقع پا کر سزاول خان پر تلوار سے حملہ کر دیا اور وہ زخمی ہو گیا۔ اسے گمان ہوا کہ پٹھان نے یقیناً سلیم شاہ کے اشارہ ہی پر حملہ کیا تھا، اس وجہ سے وہ سلیم شاہ سے کٹ کر مالوہ کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ نے بانس والہ تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ سرود کے زمینداروں کے علاقے میں ایسا گم ہو گیا کہ اس کا پتہ نہ چلا۔ سلیم شاہ نے عیسیٰ خان سور کو بیس ہزار سوار دے کر اُجین میں چھوڑ دیا اور خود گوالیار واپس ہو گیا۔

سلیم شاہ کے انتظامات

سلیم شاہ نے اپنی حکمرانی کے آغاز میں ہندستان کی تمام بڑی بڑی سرکاروں میں پانچ پانچ ہزار سوار متعین کر دیے تھے۔ ان سواروں میں نظام سوار کا بیٹا مبارز خان بھی شامل تھا۔ یہ سلیم شاہ کا چچازاد بھائی اور سالا بھی تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کا بعد میں سلطان محمد عدلی خطاب ہوا ہے۔ سلیم شاہ نے مبارز خان کو سنبھل کی سرکار میں اجاون کے علاقہ پر بیس ہزاری منصب دے کر روانہ کیا تا کہ خواص خان یا کوئی اور باغی اس جانب سے فتنہ انگیزی نہ

کرے۔ پائندہ خبرک کو بادشاہ نے مبارز خان کا نائب مقرر کیا تھا۔ اپنے ابتدائی عہد میں سلیم شاہ نے شیر شاہ کی بنائی ہوئی سرایوں کے درمیان ہر جگہ ایک ایک اور سرائے بنانے کا حکم دیا تھا۔ اس سرائے کے ساتھ مسجد خانقاہ اور آبدار خانوں کا بھی انتظام رکھا گیا تھا۔ اس نے عام لنگر بھی جاری کرائے جس میں مسلمانوں کو تو پکا ہوا کھانا ملتا تھا اور ہندوؤں کو اناج، سلیم شاہ نے ایک حکم کے ذریعے ان تمام لوگوں کے روزینے حسب سابق بحال رکھے جن کو شیر شاہ نے جاری کیا تھا۔ اس نے حکم دے کر امراء کے گھروں سے پاتروں کے اکھاڑے برخاست کرا دیے، جن کا ہندستان میں بڑا رواج تھا۔ امرا سے بادشاہ نے تمام ہاتھی بھی لے لیے، صرف کمزور اور لاغر ہتھنیاں جو بوجھ اٹھانے کے کام کی نہ تھیں رہنے دیں۔ سلیم شاہ نے حکم دیا کہ بادشاہ کے سوا سرخ سراپردہ اور کوئی نہ لگائے۔ اس نے تمام ملک کو اپنا خالصہ قرار دے دیا۔ فوجیوں کی تنخواہ اسی قاعدے پر جاری رکھی جس پر شیر شاہ کے عہد میں تقسیم ہوئی تھی۔ سلیم شاہ نے ہر سرکار میں حکم نامے جاری کیے، ان میں دینی، دنیوی، جزئی، کلی، مالی اور ملکی تمام معاملات کے متعلق قوانین درج تھے اور ان طریقوں کی وضاحت تھی جن کے مطابق فوج، رعیت اور تاجروں کو معاملات کرنے چاہییں۔ حکام کے لیے بھی تفصیلی لائحہ عمل درج تھا۔ جس میں تمام امور کے بارہ قوانین لکھ دیے گئے تھے۔ یہ لائحہ عمل اتنا مکمل تھا کہ اس کے بعد حکام کو بہت کم ضرورت پڑتی تھی کہ وہ کسی معاملے میں قاضی یا مفتی سے دریافت کریں۔

سلیم شاہی لائحہ عمل

سلیم شاہ نے اپنے ہر سردار کو ایک ایک جوتی اور ایک ایک ترکش دے رکھا تھا۔ ہر جمعہ کو بیس ہزاری، دس ہزاری اور پانچ ہزاری تمام امیر آٹھ فٹ اونچا خیمہ لگوا کے سلیم شاہ کی جوتی اور ترکش کو ایک کرسی پر رکھتے تھے اور ان چیزوں کو سب سے پہلے لشکر کے سردار پھر منصف یعنی امین پھر دوسرے افسر اور عہدے دار جھک جھک کر سلام کرتے تھے اور بڑے ادب و ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے تھے پھر منشی مذکورہ حکم نامہ کو جو اسّی صفحات پر

مشتمل تھا، لے کر داخل ہوتا تھا اور اسے اول سے آخر تک پڑھتا تھا۔ اس میں ہر مشکل مسئلے کے شق اور حل تفصیل سے درج تھے، اسی کے مطابق سارا نظم و نسق چلایا جاتا تھا۔ اگر کوئی امیر کسی بھی معاملے میں اس لائحہ عمل کے خلاف کام کرتا تو منشی اس کی خبر بادشاہ کو پہنچا دیتا تھا اور اس امیر کو مع اہل و عیال سزا دی جاتی تھی۔ سلیم شاہ کے آخری عہد تک یہی معمول اور طریقہ تھا، میں (مؤلف منتخب التواریخ) 955ھ /1548ء میں کم عمر لڑکا تھا۔ اس وقت میں فرید تارن پنج ہزاری کے لشکر کے ساتھ اپنے نانا کے ہمراہ بجوارہ گیا تھا، بجوارہ بیانہ کا ماتحت علاقہ ہے۔ وہاں میں نے یہ کیفیت یعنی لائحہ عمل پڑھنے کی رسم اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس سے پہلے 954ھ /1547ء میں بھی ایک مرتبہ ایسی محفل کو دیکھ چکا تھا۔

نیازیوں کی ذِلّت

خواجہ اویس شروانی کو سلیم شاہ نے اعظم ہمایوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے مقرر کیا تھا اس نے دھن کوٹ کی سرحد پر نیازیوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور اعظم ہمایوں نے سہرند تک اس کا پیچھا کیا۔ بادشاہ نے ایک دوسرا بڑا لشکر اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور اس نے نیازیوں کو شکست دے دی۔ ان کی بعض عورتیں بھی شاہی لشکر کے ہاتھ آگئیں۔ سلیم شاہ نے ان کو بے عزت کرا کے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا غنیمت جو نیازیوں کے پاس سے ہاتھ لگا تھا، وہ سب بادشاہ نے طوائفوں کو دے دیا اور ان طوائفوں میں سے کسی کو اعظم ہمایوں کسی کو سعید خان اور کسی کو شہباز خان کا خطاب دیا۔ ان طوائفوں کے دروازوں پر نوبت کے وقت نقارے بجتے تھے۔ اس شاہانہ الطاف کی وجہ سے ان کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا تھا۔ یہ رنڈیاں جمعہ کی شب میں دربار کے دستور کے مطابق سلیم شاہ کے پاس سلام کرنے جایا کرتی تھیں، اس وقت نقیب بلند آواز سے کہتا تھا: ''بادشاہ ہم نظر و دولت اعظم ہمایوں خان نیازی، سعید خان نیازی، شہباز خان نیازی دعا کے لیے حاضر ہیں۔'' سلیم شاہ کی یہ حرکت پٹھانوں کو بڑی ناگوار تھی، کیونکہ وہ سب آخر کار ایک ہی برادری اور قبیلے کے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ خطاب علم اور نقارے پہلی فتح کے وقت ہی طوائفوں کو دیے گئے تھے۔

پٹھانوں سے بدگمانی

اس شکست فاش کے بعد اعظم ہمایوں کی طاقت کم ہو گئی۔ نیازیوں کی جمیعت بکھر سی گئی اور انھیں پھر مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ رہتاس کے نواح میں کھوکروں کی پناہ میں تھا پھر کشمیر کے پہاڑوں میں جا کر پناہ گزین ہو گیا تھا۔ سلیم شاہ نے ایک بڑا لشکر لے کر نیازیوں کے مکمل استیصال کے لیے کوچ کیا۔ پنجاب پہنچنے کے بعد اس نے شمالی پہاڑیوں میں پانچ قلعوں کو تھانے کے لیے تعمیر کرایا، جیسے مانکوٹ، رشیدکوٹ وغیرہ۔ سلیم شاہ پٹھانوں سے بڑا بدگمان ہو گیا تھا، اس لیے اس نے لشکر کے پٹھانوں کو ذلیل کرنے کے لیے قلعوں کی مرمت پر لگا دیا اور وہ دو سال تک چونا پتھر ڈھوتے رہے۔ اس عرصے میں اس نے ان کو ایک حبہ بھی تنخواہ کا نہیں دیا۔ جو اس مصیبت سے بچ گئے تھے ان کو کھوکروں کے مقابلے پر لگا دیا گیا۔ کھوکر حسب عادت دن بھر ان پٹھانوں سے لڑتے تھے اور رات میں چوری چھپے چھاپہ مار کر ان کے لشکر میں سے عورت، مرد، باندی اور غلام جو بھی ہاتھ لگ جاتا اڑا لے جاتے تھے اور ان اسیروں کو کچھ عرصے قید میں رکھ کر بیچ دیتے تھے۔

فرملی کا لطیفہ

پٹھان ان مصیبتوں اور ذلتوں سے تنگ آ گئے لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ سے کچھ کہتا۔ ایک دن شاہ محمد فرملی نے، جو ایک نامی امیر تھا اور نہایت خوش طبع ہزل گو اور گستاخ بھی تھا، سلیم شاہ سے کہا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے کہ: ''آسمان سے تین تھیلیاں اتریں، ایک میں سونا ایک میں کاغذ اور ایک میں خاک بھری ہوئی تھی۔ سونا تو دفتر کے ہندوؤں کے گھر چلا گیا، کاغذ شاہی خزانے میں رہے اور خاک سپاہیوں کے سر پر پڑی۔'' سلیم شاہ کو یہ لطیفہ بہت پسند آیا اور اس نے خوش ہو کر حکم دیا کہ جب ہم گوالیار لوٹ کر جائیں تو سارا حساب کر کے سپاہیوں کی دو سال کی تنخواہ ادا کر دی جائے۔ اس حکم کی تعمیل سے پہلے ہی سلیم شاہ کا انتقال ہو گیا۔

نیازیوں کا حشر

نیازیوں کو کشمیریوں نے جو بڑے مکار ہوتے ہیں، دھوکا دے کر اپنے یہاں بلا لیا اور راستے سے بھٹکا کر گھاٹیوں میں پھنسا دیا پھر سلیم شاہ کے اشارے سے ان کا راستہ بند کر کے ان پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں نیازیوں کی عورتیں بھی اپنے وقار و عزت کی خاطر لڑ کر مر گئیں۔ خود اعظم ہمایوں کی ماں اور بیوی بھی مقابلہ کرتی ہوئی پتھروں کے نیچے دب کر مر گئیں۔ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ مشہور ہے کہ شیر شاہ کے زمانے میں ان نیازیوں نے سنبھل کے قبیلے کے پٹھانوں کو وعدہ کر کے بلایا تھا اور پھر عہد توڑ کر کے شیر شاہ کے اشارے سے اس قبیلے کے دو ہزار آدمیوں کو عورتوں بچوں سمیت ہلاک کر دیا تھا۔ زمانہ کا پھیر دیکھئے کہ ان کا کیا ان کے آگے آیا۔ کشمیریوں نے ان تینوں بھائیوں کے سر کاٹ کر سلیم شاہ کے پاس بھیج دیے۔

کامران مرزا کی توہین

جس زمانے میں سلیم شاہ نے کھوکروں پر فوج کشی کی تھی اور مال گڑھ کا قلعہ بنانے میں مصروف تھا، کامران مرزا ہمایوں سے شکست کھا کر کابل سے ہندستان آیا تھا تاکہ سلیم شاہ سے مدد لے کر ہمایوں سے دوبارہ مقابلہ کرے۔ سلیم شاہ نے اس کے استقبال کے لیے اپنے لشکر میں ہیموں بقال کو منتخب کیا اور اس کے ہمراہ پٹھانوں کو روانہ کیا۔ ہیموں بقال پہلے بازار کا نگراں تھا، لوگوں کی چغلیاں کھا کر اور مخبری کر کے وہ سلیم شاہ کے یہاں قابل اعتبار بن گیا۔ اس کا خیال تھا کہ مرزا بھی اسے قابل اعتبار سمجھے گا لیکن مغل شہزادہ میرزا کامران کے آنے سے خوف زدہ ہوا اور اسے ہندستان کا رخ کرنے پر پشیمانی سی ہوئی۔ مرزا کو توقع تھی کہ سلیم شاہ ملاقات کے وقت تعظیم و تکریم سے پیش آئے گا۔ لیکن جب وہ ملنے گیا تو سلیم شاہ دربار میں بڑے تکبر اور غرور کے ساتھ تخت پر بیٹھا رہا۔ سرمست خان افغان داؤدزئی نے جو بار بکی کے عہدے پر تھا، معمولی ملازمین کے درجہ کی تعظیمات ادا کیں اور نہایت بد

تمیزی کے ساتھ مرزا کی گردن کو بادشاہ کے سامنے جھکا کر چلا چلا کر کئی مرتبہ کہا: ''بادشاہ نظر دولت کامران مقدم زادہ کابل دعا کرتا ہے۔'' سلیم شاہ نے نہایت بے پروائی کے ساتھ مرزا کو دیکھا اور کہا خوش آمدی اور اپنے سراپردہ کے قریب اس کے لیے ایک خیمہ اور شامیانہ لگوا دیا اور ایک خلعت، ایک کنیز اور ایک خواجہ سرا اس کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے خدمت پر مقرر کر دیئے۔ کبھی کبھی مرزا کو اپنے یہاں بلا کر شعر وسخن کی باتیں کر لیا کرتا تھا، لیکن یہ صحبتیں تلخ رہتی تھیں۔ کامران مرزا ان تکلفات اور مراسم سے نہایت تنگ آ چکا تھا۔ اپنی زندگی سے بیزار اور نکل بھاگنے کا موقع دیکھ رہا تھا۔ پٹھان ہندی زبان میں اسے چھیڑا کرتے تھے۔ جب وہ دربار میں آتا تو کہتے تھے ''موز'' آتا ہے۔ ایک مرتبہ مرزا نے سلیم شاہ کے حضور ایک امیر سے پوچھا ''موز'' کسے کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا ''مرد عظیم الشان'' کو اس وقت سلیم شاہ نے حکم دے دیا آئندہ کوئی مرزا کے متعلق یہ لفظ نہ کہے اور نہ اس کی ہنسی اڑائے۔

کامران مرزا کا فرار ہونا

ایک دن سلیم شاہ نے مرزا سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ مرزا نے فی البدیہ یہ شعر پڑھا:

گردش گردون گردان گردنانرا گرد کرد
برسر اہل تمیزان ناقصان را مرد کرد

سلیم شاہ اس وقت تو اس کنایہ کو سمجھ کر ٹال گیا لیکن خفیہ احکام جاری کر دیئے کہ: ''مرزا کی سخت نگرانی کی جائے تا کہ وہ کہیں نکل کر جانہ سکے۔'' مرزا نے زمینداروں کے ذریعے کسی پہاڑی راجہ کو بہت سے وعدوں کے ساتھ اس بات کے لیے آمادہ کر لیا کہ وہ اسے بھاگنے میں مدد دے۔ چنانچہ راجہ نے چناب کے کنارے تک گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دی اور کامران رات میں چادر اوڑھ کر ڈیرے سے نکل گیا۔ محافظوں نے سمجھا مرزا کے

سرا پردہ سے کوئی عورت نکل کر جارہی ہے۔ اس کے بعد مرزا گھوڑے پر سوار ہوکر دریا پار کر گیا اور اس راجہ کے یہاں چلا گیا۔ وہاں سے برقع اوڑھ کر ایک نگہبان کے ساتھ راجہ کے آدمیوں کے ہمراہ آگے روانہ ہوگیا۔ جب وہ موضع گھری میں دریائے بہت کے کنارے پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ اس لیے وہاں رُک گیا۔ یہ موضع سلطان پور کے علاقے میں قلعہ رہتاس سے تین کوس پر ہے۔ کسی نے سلطان پور کے حاکم سلطان آدم کو خبر پہنچادی کہ ایک مغل عورت جلودار کے ہمراہ تنہا فلاں جگہ ٹھہری ہوئی ہے اور وہ صبح وہاں سے چلی جائے گی۔ سلطان آدم نے آدمی دوڑا کر تحقیق کرائی۔ جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو وہ خود مرزا سے ملاقات کے لیے آیا۔ مرزا نے سلطان آدم کی بڑی خوشامد کر کے اس سے یہ قول لیا کہ وہ اسے اس کے مقام تک پہنچا دے گا۔اس وقت ہمایوں بھی کہیں قریب پہنچا ہوا تھا۔ سلطان آدم نے سارا حال اس کے پاس لکھ بھیجا اور مرزا کی جان بخشی کی درخواست کی۔ ہمایوں نے اس کے حسب مرضی فرمان لکھ کر بھیج دیا اور دو سال بعد مرزا کو اپنے یہاں طلب کر کے اس کی آنکھوں میں نشتر پھیر کر اسے مکہ معظمہ کو روانہ کر دیا۔ اس واقعہ کی تاریخ اسی لفظ ''نیشتر'' سے نکلتی ہے سارا واقعہ اکبرنامہ اور تاریخ نظامی میں تفصیل سے درج ہے۔

شاہ محمد دہلوی کا قصہ

سلیم شاہ کے واقعات میں شاہ محمد دہلوی کا واقعہ بھی مشہور ہے۔ شاہ محمد شیر شاہ کے زمانے میں ایران سے ہندستان آیا تھا اور اپنے آپ کو سید کہتا تھا لیکن لوگوں کو اس کے سید ہونے میں شکوک وشبہات تھے۔ اس نے اپنی حالت مشائخ جیسی بنارکھی تھی۔ لیکن یہ سب مکر اور ڈھونگ تھا۔ شیر شاہ پر اس نے اپنے ولی ہونے کا سکہ جما دیا تھا۔ سلیم شاہ بھی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا بڑا معتقد تھا اور اس کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی بادشاہت کی فال نکلوایا کرتا تھا۔ اسے اتنی عقیدت تھی کہ وہ اس کی جوتیاں تک اٹھایا کرتا تھا۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شاہ محمد کے لیے خربوزوں سے بھرا ہوا ٹوکرا لے کر آیا۔ سلیم شاہ بھی اس وقت وہاں پہنچ گیا۔ شاہ محمد نے اس سے کہا: ''اس ٹوکرے کو ہم چتر شاہی

سمجھ کر تجھے دیتے ہیں اٹھا سر پر رکھ اور چل۔'' سلیم شاہ نے عقیدت میں بے تکلف اس بوجھ کو اٹھا لیا اور اسے اپنے لیے اچھا شگون سمجھا لیکن بعد میں ایسی باتیں اس کو ناگوار گزرنے لگیں اور وہ شاہ محمد سے ناراض رہنے لگا۔ سلیم شاہ کے زمانہ میں عالی نسب سید بھی ہندستان آئے تھے۔ یہ دونوں بڑے عابد، زاہد، خوش اخلاق اور وجیہ تھے۔ ان میں سے جو خادم تھا اس کا نام امیر طالب تھا اور دوسرا اس کا بھتیجہ میر شمس الدین اس کا مخدوم تھا۔ یہ دونوں عراق سے سفر کرتے ہوئے پنجاب میں سلیم شاہ کے لشکر میں وارد ہوئے اور وہاں سے دہلی آکر کسی محلّے میں رُکے۔ بہت ہی جلد لوگ ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ میر طالب کو فن طب میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اکثر مریض اس کے علاج سے شفایاب ہونے لگے۔ اس طرح ان کو لوگوں کی طرف سے خاصی فتوحات، نذر اور نیاز ملنے لگیں۔ لوگوں میں یہ بھی مشہور ہوگیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی انگوٹھی کا نگینہ ان کے پاس ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ جس کے دل میں کوئی میل ہو اس نگینے کے سامنے اس کی بینائی دھندلی پڑ جاتی ہے۔ محمد شاہ کی ان لوگوں سے پہلے کی جان پہچان تھی، سابقہ تعارف کی بنا پر اس نے اپنی بیٹی کا نکاح میر ابو طالب سے کر دینا چاہا۔ لیکن ابو طالب نے یہ رشتہ پسند نہ کیا، اس وجہ سے بھی لوگ شاہ محمد کے سید ہونے کے بارے میں اور بھی زیادہ بدگمان ہو گئے۔ شاہ محمد نے ان دونوں سیدوں کو اپنی ہی حویلی میں ایک محفوظ جگہ روک لیا اور ان کی خدمت میں لگا رہا۔

قتل کی واردات

چند دن بعد ایک اندھیری رات میں چند مسلح آدمی شاہ محمد کے بالا خانے سے اتر کر آئے اور ان دونوں کو جو اس وقت تہجد میں مشغول تھے، شہید کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر بجلی کی طرح ہر طرف پھیل گئی اور صبح حاکم شہر نے خود آکر شاہ محمد سے تفتیش کی۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں قطعاً اس معاملے سے واقف نہیں ہوں اور نہیں جانتا کہ ان کے قاتل کون ہیں؟ پھر اس نے اسی مضمون کا ایک محضر نامہ دہلی کے بڑے بڑے لوگوں کی مہریں لگوا کر

سلیم شاہ کے پاس بھی بھیج دیا۔ سلیم شاہ نے شیخ الاسلام اور صدر الصدور مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کو واقعے کی تحقیقات کے لیے دہلی روانہ کیا اور ہر طرف فرامین بھیج کر اکابر علماء جیسے میاں حاتم سنبھلی اور میاں جمال خان مفتی وغیرہ کو بلوایا۔ دو ماہ تک برابر اس واردات کی تحقیق و تفتیش ہوتی رہی۔ آخر بڑی تلاش وسعی کے بعد قرینہ یہی معلوم ہوا کہ شاہ محمد نے ہی قاتلوں کو ان کے قتل کے لیے لگایا تھا۔ غرض ان علماء نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ بادشاہ کے پاس روانہ کردی۔ شاہ محمد کو اتنے بلند مرتبے سے اس ذلت تک پہنچنے کا بڑا صدمہ تھا۔ اس نے بادشاہ کا جواب آنے سے پہلے ہی فصد کھلوائی اور اس حال میں دہی پی لیا جس کے اثر سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ بعض لوگ اس واقعے کے متعلق کچھ اور تفصیل بھی بتاتے ہیں۔ بہر حال شاہ محمد کا بہروپ سب پر کھل گیا کہ اس کی وضع قطع، عبادت وریاضت سب مکر تھا اور یہ واقعہ 986ھ/1578ء میں پیش آیا۔

شیخ علائی کا واقعہ

دور سلیم شاہی کا دوسرا واقعہ بیانہ کے شیخ علائی مہدوی سے متعلق ہے اور وہ سیدی مولا کے واقعے سے ملتا جلتا ہے، جس کا ذکر ہم سلطان جلال الدین فیروز شاہ کے حالات میں کر آئے ہیں۔ شیخ علائی کے باپ کا نام حسن تھا اور وہ بنگال کے مشائخ میں سے تھے وہ اور ان کے چھوٹے بھائی شیخ نصراللہ جو بڑے صاحب علم شخص تھے زیارت کعبہ کے لیے گئے اور وہاں سے لوٹ کر بیانہ میں آکر مقیم ہوگئے۔ اس سال کی تاریخ ہے: وجاء نصر اللہ والفتح بیانہ میں آکر بڑے بھائی پیری مریدی کے مشغلے میں اور چھوٹے بھائی درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ شیخ حسن کی اولاد میں سے شیخ علائی سب سے زیادہ نیک سیرت تھے۔ تقوی اور سلیم الطبعی کے آثار بچپن ہی سے ان کے چہرے سے جھلکتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے اپنے باپ سے تمام علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کر لی۔ طبع اور سرعت ذہن فطرت نے ودیعت کیا ہی تھا، بہت ہی جلد تدریس وافادے میں نامور ہوگئے باپ کے انتقال کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ ترک کر کے سجادہ نشینی اختیار کرلی اور اپنے

اوقات زہد وعبادت، ارشاد وتلقین میں گزارنے لگے، اس علم وکمال اور پارسائی کے باوجود نفس امارہ کا ڈنک نہیں ٹوٹا تھا۔ اس لیے وہ یہ گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ کسی دوسرے شیخ کا رتبہ ان کے مرتبے سے بڑھ کر ہوجائے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک ریاکار صوفی کو پالکی سے اتار کر لوگوں میں خوب ذلیل کیا۔ اس وقت تک علائی کی دلی منشاء یہ تھی کہ ''صرف میں ہی خاص و عام میں مقبول ومشہور رہوں۔ شیخ علائی کے دوسرے بھائی عمر میں گوان سے بڑے تھے لیکن فضیلت کی وجہ سے سب نے ان کی اطاعت اختیار کرلی تھی اور ان کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔

عبداللہ نیازی کا مسلک

اسی دوران شیخ سلیم چشتیؒ کے ایک خلیفہ میاں عبداللہ نیازی پٹھان اپنے شیخ سے اجازت لے کر حج کے سفر پر گئے۔ وہاں انھوں نے بڑی ریاضتیں کیں اور ہر قسم کے ذکر و اشغال پورے کیے۔ حرمین ہی میں وہ میر سید محمد جونپوری جن کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے امام مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا، معتقد ہوگئے اور مہدوی مسلک اختیار کر کے ہندستان واپس آئے۔ بیانہ میں آبادی سے دور باغ کے ایک گوشے میں حوض کے کنارے سکونت اختیار کی ان کا معمول تھا کہ خود پانی کے گھڑے بھر کر اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے اور اس طرف کام کرنے والے لکڑ ہاروں، کسانوں وغیرہ کو اکٹھا کر کے نماز پڑھایا کرتے تھے جو کوئی پس و پیش کرتا اسے وہ اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ دے کر جماعت کی طرف راغب کرتے تھے۔ شیخ علائی نے ان کے طریقے کو بہت پسند کیا اور اپنے معتقدوں سے کہا، دیکھو دین اور ایمان اس کا نام ہے جو میاں عبداللہ نیازی کا سلوک ہے اور ہم لوگ جس روش پر ہیں وہ محض بت پرستی اور زُنّار داری ہے۔ غرض کچھ ہی دن میں علائی ان بزرگ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ باپ دادا کے طریقے کو ترک کردیا۔ مشیخیت اور پارسائی کی دکان بڑھا دی۔ سارا غرور وتکبر بالائے طاق رکھ دیا اور ان تمام لوگوں سے جن کو انھوں نے ناراض کر رکھا تھا منت وخوشامد کر کے معافی چاہی اور رضامند کرلیا۔ خانقاہ اور لنگر کی بھیڑ بھاڑ چھوڑ کر

قلندرانہ روش اختیار کرلی اپنا سارا مال و اسباب یہاں تک کہ کتابیں بھی محتاجوں میں تقسیم کردیں۔ بیوی سے کہا: ''اگر تجھے فقر و فاقہ منظور ہے تو بسم اللہ میرے ساتھ رہ، اگرنہیں تو اس مال میں سے اپنا حصہ لے لے، پھر تو خودمختار ہے جہاں چاہے گزر کرلے، وہ نیک بی بی اسی فقر و فاقہ پر بخوشی رضامند ہوگئی۔

شیخ علائی کی تحریک

اب کہیں جاکر نفس اَمّارہ کا سر کچلا گیا اور شیخ علائی طلب صادق کے ساتھ میاں عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے پاس انفاس کا طریقہ سیکھا اور جس ذکر کا وہ شغل کرتے تھے خود بھی اس کا وِرد رکھا۔ اس ریاضت سے کلام پاک کے رموز و معانی، نکات ودقائق بہت جلد ان پر کھل گئے۔ ان کے مرید اور خادم جن میں بعض غیر شادی شدہ اور بعض گھر بار والے تھے اللہ کے توکل پران کی خدمت میں لگے رہے اور ان سے ذکر وشغل کے طریقے سیکھنے لگے۔ان کے مریدوں میں تین سوآدمی خانہ دار تھے۔ یہ لوگ کوئی پیشہ یا تجارت نہیں کرتے تھے کہیں سے کچھ مل جاتا تو آپس میں تقسیم کر لیتے۔ اگر ان میں سے کبھی کوئی کمائی کربھی لیتا تو اس میں سے دسواں حصہ ضرور راہِ خدا میں دے دیتا۔ روزانہ دو وقت ایک تو فجر کے بعد اور ایک کسی اور نماز کے بعد سب چھوٹے بڑے ایک حلقے میں بیٹھ جاتے اور قرآن کے معانی و مطالب کا درس لیتے۔ شیخ علائی کا بیان ایسا اثر انگیز تھا کہ جو کوئی ایک مرتبہ بھی ان کو سن لیتا پھر وہ سارا گھر بار، بال بچوں کو چھوڑ کر ان کا ہو جاتا اور کسی مشغلے کی طرف رخ نہ کرتا۔ یہ سب ایسے قانع اور متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے ان کا دم بھی نکلتا ہوتو ان میں سے کوئی دم نہ مارتا تھا۔ جو بھی اجنبی ان کی محفل میں چلا جاتا تو کم سے کم وہ اپنے گناہوں سے ضرور پچھتاوا کرتا۔ ان میں سے اکثر کا تو یہ حال تھا کہ رات میں اپنے کھانے اور استعمال کے برتن اوندھا کر کے رکھ دیتے تھے یہاں تک کہ نمک، آٹا اور پانی بھی ان کے پاس نہ ہوتا تھا بس اس رزق دینے والے کی رزاقی پر توکل کر کے رات گزار دیتے تھے، صبح اللہ تعالی بہر حال کہیں نہ کہیں سے ان کا رزق ان کے

پاس پہنچا دیتا تھا۔ دنیاوی اسباب سے یہ بے نیازی تھی لیکن ہتھیار اور جنگ کا سامان دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہر شخص کے پاس رہنا لازمی ہوتا تھا۔ اس لیے جو بھی ان کو دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ یہ مالدار اور صاحب حیثیت لوگ ہیں، محتاج نہیں۔ ان سب کا کام یہ تھا کہ شہر اور بازار میں جو بھی بات شریعت کے خلاف نظر آتی اسے وہ جبراً روک دیتے تھے اور اس معاملے میں سرکاری حکام سے ذرہ برابر بھی خوف زدہ نہ ہوتے تھے اور ان کے مقابلے میں اکثر غالب ہی رہتے تھے چنانچہ شہر کے جو حاکم ان کے معتقد تھے وہ تو ان کی ہر طرح مدد کرتے تھے اور جو ان کو نہیں مانتے تھے وہ بھی ان کے ڈر سے دم نہیں مارتے تھے۔ شیخ علائی کی تحریک اس تیزی سے پھیلی کہ باپ بیٹے کو، بھائی بھائی کو، شوہر بیوی کو چھوڑ کر مہدوی دائرے میں شامل ہو گیا۔

شیخ علائی کا سفر

شیخ علائی کی اس تحریکی جدوجہد اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے میاں عبداللہ کے اوقات میں خلل پڑنے لگا اور وہ اس ہنگامہ آرائی کے متحمل نہ ہو سکے۔ آخر کار ایک دن انھوں نے شیخ کو بلا کر نہایت نرمی کے ساتھ نصیحت کی کہ یہ رونق ہمیشہ نہیں رہتی اور اس زمانے کے لوگوں کو حق بات کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں لوگوں کی روک ٹوک سے کیا غرض یا تو خاموشی سے گوشہ نشینی اختیار کرو یا حج کا ارادہ کرلو۔ شیخ علائی نے اپنے مددگار کے حسب منشاء اسی وضع اور حالت میں چھ سات سو آدمیوں کے ہمراہ گجرات کا اس ارادے سے قصد کیا کہ وہاں طریقہ مہدویہ کے کسی پیشوا کی صحبت سے فیض حاصل کریں۔ جب وہ بیانہ سے نکل کر قصبہ بساور میں پہنچے تو میرے والد (مؤلف منتخب التواریخ) مرحوم ان کی خدمت میں مجھے بھی لے کر گئے تھے۔ چونکہ میں اس وقت بہت کمسن تھا اس لیے مجھے ان کی صورت صرف خیالوں میں یاد ہے۔ اس سفر میں شیخ علائی جب جودھ پور کے قریب خواص پور میں پہنچے تو خواص خان جو اس جانب مامور تھا ان کے استقبال کے لیے آیا اور ان کا معتقد ہو گیا لیکن خواص خان نہ صرف یہ کہ صوفیوں کی محفل سماع میں شرکت کرتا تھا بلکہ اپنے سپاہیوں کا

حق بھی مار لیتا تھا اور شیخ علائی کسی خلاف شرع بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے ان کی اور خواص خان کی نبھ نہ سکی اور کچھ دوسرے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ شیخ علائی گجرات سے لوٹ کر پھر بیانہ آ گئے۔

علائی دربار شاہی میں

جب سلیم شاہ تخت نشین ہوا اور شیخ علائی کا شہرہ اس کے کانوں تک پہنچا تو اس نے مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری کے بہکانے میں آ کر میر رفیع الدین محدث اور ابو الفتح تھانیسری 9 اور دوسرے بڑے علماء کو جمع کیا اور شیخ علائی کو بھی بیانہ سے بلوایا۔ شیخ علائی اپنے چند ہردم ساتھ رہنے والے خاص خاص مریدوں کو لے کر جو ہمیشہ زرہ پہنے ہتھیار باندھے رہتے تھے، دربار میں آئے اور اس شان سے کہ انھوں نے شاہانہ آداب و مراسم کی کوئی پرواہ نہ کی اور مسنون طریقے پر بادشاہ کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے ان کے سلام کا بڑی حقارت و بیزاری سے جواب دیا۔ شیخ علائی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور امام مہدی چوں کہ تمام دنیا کے بادشاہ ہوں گے اس لیے لازمی طور پر شیخ کا ارادہ بھی بغاوت کا ہوگا۔ اس لیے یہ شخص قتل کے لائق ہے۔ عیسیٰ حجاب نے جو بڑا مقرب امیر تھا، شیخ علائی کو پھٹے کپڑوں، ٹوٹی جوتیوں کے ساتھ اس خستہ حالت میں دیکھا تو کہنے لگا۔ کیا اچھا ہے، ذرا اس کی ہیئت کذائی تو دیکھو اِن پھٹے حالوں میں ہم سے بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ کیا ہم پٹھان مر گئے ہیں؟

شیخ علائی کی تقریر

شیخ علائی نے دربار کی ان چبھتی ہوئی نگاہوں کو نظرانداز کر دیا اور گفتگو کے شروع ہونے سے پہلے اپنے معمول کے مطابق قرآن کی چند آیتیں تلاوت کیں اور ان کی تشریح کرتے ہوئے دنیاداری کی مذمت، احوال قیامت اور علمائے زمانہ کی دنیا طلبی اور بے عملی پر ایسی مؤثر اور درد انگیز تقریر کی کہ سلیم شاہ اور اس کے درباریوں پر سکتہ چھا گیا اور باوجود

قساوت قلبی کے ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ یہ بیان سن کر سلیم شاہ محفل سے اٹھ کر محل سرا میں چلا گیا اور شیخ علائی اور ان کے ساتھیوں کے لیے کھانا وغیرہ بھجوا دیا۔ لیکن شیخ علائی نے اس کا کھانا نہ کھایا اور اپنے رفیقوں سے کہا کہ جس کا جی چاہے وہ ضرور کھا لے۔ جب سلیم شاہ لوٹ کر باہر آیا تو شیخ نے اس کی تعظیم بھی نہ کی۔ بادشاہ نے جب ان سے پوچھا کہ ''تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' تو انھوں نے بلا جھجک جواب دیا ''تم نے جو اپنے حق سے زیادہ خزانے کا روپیہ خلاف شریعت جمع کر رکھا ہے وہ تمہاری ملکیت نہیں بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہے اور تمہارا کھانا بھی اسی قسم کا ہے''۔ سلیم شاہ کو یہ سن کر غصہ تو بہت آیا لیکن وہ پی گیا۔

مہدویت پر مباحثہ

اب علماء نے شیخ علائی سے مسئلہ مہدویت پر گفتگو شروع کی لیکن شیخ کا یہ زور بیان تھا کہ سب کے لب سِل گئے ہوں۔ میر سید رفیع الدین صفوی نے جن کا انتقال 954ھ/1548ء میں ہوا، ان احادیث کو بیان کیا جن میں امام مہدی کی علامتوں کا ذکر ہے۔ شیخ نے ان کو جواب دیا کہ تم شافعی مذہب ہو اور ہم حنفی ہیں، ہمارے تمھارے اصولوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ان لیے تمہاری توجیہیں اور تاویلیں ہم تسلیم نہیں کر سکتے، پھر ہم تمہارے استدلال کو کیسے مان لیں؟''۔ تو دنیا دار فاسق ہے، دائرہ عدل سے باہر ہے، اعلانیہ تیرے گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے: ''جو مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے وہ اس عالم سے ہزار درجے بہتر ہے جو بادشاہوں اور امیروں کی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔' اسی طرح انھوں نے دوسرے بے عمل عالموں کی خوب خبر لی اور اپنے سارے بیان کو آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا، یہاں تک کہ ملا عبداللہ کو دم مارنے کی مجال نہ رہی اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

ملا جلال کا لطیفہ

مباحثے کے دوران ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہوا کہ ایک دن اسی بحث کے سلسلے میں آگرے کے ملا جلال 10 بہیم دانشمند نے وہ حدیث جس میں امام مہدی کے حلیہ کا ذکر ہے پڑھی اور اس میں لفظ ''اجل الجبھۃ'' پڑھا۔ ''اجل'' جلال سے مشتق اور ''جلیل'' کی تفضیل ہے۔ شیخ علائی سن کر مسکرائے اور کہا ''عوام میں تو اپنے آپ کو بڑا عالم مشہور کرتا ہے اور حال یہ ہے عربی کی عبارت بھی صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتا۔ پھر اس حدیث کی رموز و نکات، اشارہ و کنایہ کو کیا خاک سمجھے گا۔ یہ لفظ اصل میں ''اجلی الجبھۃ'' ہے اور اجلی ''جلی'' کی تفضیل ہے نہ کہ تیرے نام جلال کی''۔ وہ اس گرفت پر ایسا خفیف ہوا کہ پھر اس نے آخر تک دم نہ مارا۔

سلیم شاہ سے گفتگو

سلیم شاہ کا یہ حال تھا کہ وہ شیخ کی تقریر پر عش عش کرنے لگا اور کچھ ایسا فریفتہ ہوا کہ ان سے کہا: ''تم مجھ کو ہمیشہ قرآن کا وعظ سنایا کرو مگر مہدوی مذہب کو ترک کر دو اور میرے کان میں چپکے سے اس مذہب سے انکار کے متعلق کہہ دو اگر تم کو یہ قبول ہو تو میں تمہیں اپنی سلطنت کا محتسب مقرر کر دوں گا اور آج تک تم جو امر معروف اور نہی منکر میری اجازت کے بغیر کرتے رہے ہو۔ اب یہ سب میری اجازت سے کیا کرو گے، علماء نے تمہارے قتل کا فتوی دے دیا ہے لیکن میں تمہارا لحاظ کرتا ہوں اور تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔''

شیخ علائی کی جلاوطنی

شیخ اس بے کار سے ادعا پر جو ضروریات دین میں بھی شامل نہیں ایسے متعصب تھے کہ انھوں نے کسی بھی صورت میں بادشاہ کا کہنا نہیں مانا اور اسے بیبا کانہ جواب دیا کہ ''تمہاری باتوں میں آکر میں اپنا اعتقاد نہیں بدل سکتا۔'' اسی دوران ہر روز سلیم کے سننے میں آتا کہ

آج فلاں سردار شیخ کا مرید ہوگیا اور فلاں امیر ان کے معتقدوں میں شامل ہوگیا اور دنیا کے معاملات چھوڑ دیے۔ ادھر ملا عبد اللہ برابر بادشاہ کو شیخ کے قتل پر ترغیب دے رہا تھا۔آخر سلیم شاہ نے شیخ کو حکم دیا کہ ''تم اس ملک سے نکل جاؤ اور دکن میں جاکر سکونت اختیار کرلو۔''

دکن میں مہدویت

دکن میں مہدوی مسلک کافی پھیل چکا تھا۔ خود شیخ عرصے سے وہاں جانے کے آرزومند تھے۔ یہ حکم تو ان کے لیے خوشخبری سے کم نہ تھا۔ چنانچہ وہ بے تامل دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ دکن کی سرحد پر جب وہ ھندیہ پہنچے تو وہاں کا حاکم بہادر خان جس کا لقب، اعظم ہمایوں شروانی تھا، انکا معتقد ہو کر اس مسلک کا پیرو بن گیا۔ وہ ہر روز ان کا وعظ سنا کرتا تھا۔ اس کا آدھے سے بھی زیادہ لشکر شیخ کا معتقد ہو چکا تھا۔مخبروں نے یہ خبریں بادشاہ تک پہنچائیں۔ یہ بات اسے بڑی ناگوار گزری۔ مخدوم الملک تو شیخ علائی سے خار کھائے بیٹھا تھا، انھوں نے جھوٹ سچ ملاکر بادشاہ کو اور بھڑکایا، یہاں تک کہ سلیم شاہ نے علائی کو واپس لانے کے لیے فرمان صادر کیا۔

عبداللہ نیازی کا واقعہ

اسی دوران سلیم شاہ نیازی پٹھانوں کا فتنہ رفع کرنے کے لیے آگرے سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جب وہ اس سفر میں بیانہ کے قریب ہراور میں پہنچا تو مخدوم الملک نے بادشاہ سے عرض کیا: ''شیخ علائی کا تو معمولی فتنہ تھا جس سے نجات مل گئی سب سے بڑا فتنہ شیخ عبداللہ نیازی ہے جو علائی کا مرشد اور سارے نیازیوں کا پیر ہے اور ہمیشہ وہ تین چار سو مسلح آدمیوں کو لے کر بیانہ کے پہاڑوں میں دنگا فساد کرتا رہتا ہے۔'' یہ سن کر سلیم شاہ کو جو نیازیوں کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا، اس کو تو آگ ہی لگ گئی اسی وقت حاکم بیانہ میاں بھوہ

کے پاس فرمان بھیجا کہ ''شیخ نیازی کو فوراً حضور میں روانہ کردو۔'' میاں بھوہ شیخ کا بڑا عقیدت مند تھا۔ اس نے خفیہ طور سے جا کر شیخ سے درخواست کی کہ: ''اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو نکل جائیں پھر بادشاہ کو آپ کا خیال بھی نہ رہے گا اور میں یہاں سے کوئی معقول عذر لکھ کر روانہ کردوں گا۔ شیخ عبداللہ نے اس کی بات قبول نہ کی اور اس سے کہا۔ بادشاہ کے دل سے میرا خیال نہیں جائے گا۔ ویسے بھی مخدوم الملک ہمیشہ تاک میں لگا رہتا ہے، میں کہیں دور دراز چلا بھی جاؤں اور پھر بادشاہ مجھے وہاں سے طلب کرلے تو مجھے لمبے سفر کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت جب کہ بادشاہ صرف دس کوس پر ہے یہیں اس سے جا کر مل لوں۔ خدا کا جو حکم ہے بہر حال وہ پورا ہو کر ہی رہے گا۔

شیخ نیازی لشکر شاہی میں

غرض یہ بزرگ راتوں رات چل کر شاہی لشکر میں پہنچ گئے اور صبح جس وقت سلیم شاہ کوچ کے لیے سوار ہو رہا تھا شیخ نے ''السلام علیکم'' کہا۔ میاں بھوہ نے زبردستی ان کی گردن یہ کہتے ہوئے جھکادی ''اے شیخ بادشاہوں کو اس طرح سلام کرتے ہو۔'' شیخ نے بھوہ کو کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جو سلام سنت اور جو رسولؐ اپنے صحابہ کو کیا کرتے تھے اور صحابہ رسولؐ کو وہ یہی طریقہ ہے جو میں نے کیا اس کے سوا میں کسی اور سلام کو نہیں جانتا۔'' سلیم شاہ نے غضبناک ہو کر پوچھا علائی کا پیر یہی ہے؟ مُلّا عبداللہ نے جو گھات میں لگا ہوا تھا فوراً کہا ہاں یہی ہے۔ بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے اس مردِ حق کو لاتوں گھونسوں پر رکھ لیا، لکڑیوں اور کوڑوں سے خوب پٹائی کی۔ شیخ کو جب تک ہوش رہا وہ یہ آیت پڑھتے رہے۔ ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکا فرین سلیم شاہ نے پوچھا، کیا کہتا ہے''؟ '' ملا عبداللہ نے کہا: ''مجھ کو اور آپ کو کافر کہہ رہا ہے'' سلیم اور زیادہ غصہ ہو گیا اور ان کو اور زیادہ اذیت پہنچائی۔ غرض بادشاہ برابر ایک گھنٹے سے زیادہ وہاں سوار کھڑا رہا

اور اس مظلوم کو بے گناہی کے گناہ میں سزا دیتا رہا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا دم نکل گیا ہے تب چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ شیخ میں جان باقی تھی، اسی وقت لوگوں نے ان کو چمڑے میں لپیٹ کر ایک رات ایک دن برابر آگ کی گرمی میں رکھا اور انھیں کچھ ہوش آیا۔ یہ حادثہ 955ھ/1548ء میں پیش آیا۔

شیخ نیازی کی مہدویت سے توبہ

کچھ عرصے بعد شیخ نے بیانہ چھوڑ سیاحت اختیار کی اور افغانستان کی پہاڑی میں جا کر کافی مدت قیام کیا۔ پھر عرصے تک پٹن میں بجوارہ کی سرحد پر انبیر اور انبرسر کے درمیان مقیم رہے۔ شیخ کہا کرتے تھے: ''اہل قیل وقال کی صحبت کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔'' آخر میں جب شیخ سہرند میں آکر رہے تو انھوں نے مہدوی مسلک سے توبہ کرلی اور اس عقیدے سے تمام مہدویوں کو باز رہنے کی تلقین کی۔ جس زمانے میں اکبر بادشاہ نے اٹک 11 کا سفر کیا تھا اس نے شیخ موصوف کو سہرند میں بلا کر ان کے بیٹوں کے نام بطور معاش کچھ اراضی مقرر کردی تھی شیخ عبداللہ نیازی نے نوے سال کی عمر میں 1000ھ/1591ء میں انتقال کیا۔

مخدوم الملک کی فتنہ پردازی

جب سلیم شاہ نیازیوں کا قلع قمع کرکے آگرے واپس آیا تو مخدوم الملک ملا عبداللہ نے بادشاہ کو شیخ علائی کے خلاف پھر بھڑکانا شروع کیا اور کہا۔ شیخ علائی کو تو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا لیکن وہ ھندیہ میں بدستور موجود ہے۔ بہادر خان اس کا مرید اور معتقد بن گیا ہے اور اس کا سارا لشکر شیخ کا مطیع ہوگیا ہے، اندیشہ ہے کہ وہ کوئی فتنہ برپا نہ کرے۔ سلیم شاہ نے دوبارہ شیخ علائی کو بلایا اور اس قضیہ کو یکسر نمٹا دینے کا ارادہ کیا۔ سلیم شاہ بخوبی جانتا تھا کہ شیخ عبداللہ صاحب غرض ہے اور آگرہ اور دہلی میں کوئی عالم علائی سے بحث کرنے کے قابل نہیں اس لیے اس نے حکم دیا کہ شیخ علائی کو بہار میں شیخ بدہ طبیب دانش

مند کے پاس لے جاؤ اور وہ جو بھی حکم دیں اس کے مطابق عمل کرو۔ شیخ بدہ بڑے نامی گرامی عالم تھے۔ ''ارشاد قاضی'' پر ان کی شرح بڑی معتبر اور مشہور ہے۔ شیر شاہ تو انکا ایسا معتقد تھا کہ ان کی جوتیاں سیدھی کر کے ان کے آگے رکھا کرتا تھا۔

علائی شیخ بدہ کی خدمت میں

شیخ علائی جب وہاں پہنچے تو بدہ طبیب کے گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انھوں نے شیخ بدہ کی مجلس میں اور بھی خلاف شرع باتیں دیکھیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ ان سے بھلا کہاں رہا جاسکتا تھا، بے محابا وہ شیخ بدہ کو ان حرکتوں پر ملامت کرنے لگے۔ شیخ بدہ اس وقت کافی بوڑھے ہو چلے تھے، ان میں بات کرنے کی بھی قوت نہ تھی، ان کے بیٹوں نے جواب میں کہا: ''ہندستان میں بعض رسمیں ایسی مروج ہوگئی ہیں اگر ان سے منع کیا جائے اور اتفاق سے اس اثناء میں جان و مال کا کوئی نقصان ہو جائے تو ہندستان کی بے وقوف عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ نقصان اس رسم کے روکنے کی وجہ سے ہوا اور اس صورت میں ان کے بالکل ہی منکر اور کافر ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ظاہر ہے، کافر ہو جانے سے ان کا فاسق رہنا ہی غنیمت ہے۔'' شیخ علائی نے کہا: ''یہ ایک فاسد خیال ہے کیوں کہ جب پہلے ہی سے کہ عقیدہ ہو کہ گناہ کے چھوڑنے سے جان یا مال کا نقصان ہوتا ہے اور سنت کے موافق عمل کرنے سے آدمی مر جاتا ہے تو وہ پہلے ہی سے کافر ہے پھر ان کے اسلام کا لحاظ کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں تو نکاح کی حالت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اس تقریر سے شیخ بدہ کے بیٹے اور ہم نشین قائل ہوگئے اور ان کی تعریف و توصیف کرنے لگے اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ شیخ بدہ طبیب نے بھی منصف مزاجی سے کام لیا۔ ان کے اعتراض کو مان کر ان تمام باتوں سے توبہ و استغفار کرلیا۔

شیخ بدہ کا خط

شیخ بدہ نے ان کے متعلق بادشاہ کے نام پہلے جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہی تھا کہ: ''مسئلہ مہدویت پر ایمان کا انحصار نہیں اور امام مہدی علیہ السلام کی علامات میں بھی بڑا اختلاف ہے، اس لیے قطعی طور سے شیخ علائی پر کفر یا فسق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان کو اس مسئلہ میں جو غلطیاں ہیں وہ دور کرا دی جائیں۔ یہاں کمیاب ہیں وہاں کے علماء کے کتب خانوں میں بے شمار کتابیں ہوں گی اس لیے اس مسئلہ کی اُسی جگہ بہتر طور پر تحقیق ہوسکتی ہے۔ شیخ بدہ نے اس خط میں اپنے طور پر شیخ علائی کے بچاؤ کے پہلو رکھے تھے۔ لیکن ان کے بیٹوں نے انھیں سمجھایا کہ ملا مخدوم صدر الصدور ہیں آپ اس کی مخالفت کر رہے ہیں اس صورت میں لازماً بادشاہ آپ کو طلب کرے گا۔ اس ضعیفی میں یہ طویل سفر بہت دشوار ہوگا۔ بیٹوں کی اس گزارش پر شیخ بدہ نے وہ خط روانہ نہیں کیا اور انھوں نے دوسرا خط لکھا۔ لیکن ان کے بیٹوں نے باپ سے چھپا کر سلیم شاہ کو خط لکھا جس میں انہوں نے ملا عبد اللہ کی بڑی خوشامد کی تھی۔ انھوں نے خوشامد اس طرح کی تھی: ''آج اگر کوئی بڑا محقق ہے تو وہ ملا عبد اللہ مخدوم الملک ہی ہیں وہ جو بھی فتویٰ دیں درست ہے۔''

شیخ علائی کی شہادت

یہ خط سلیم شاہ کو پنجاب میں ملا اور اس کے ساتھ ہی شیخ علائی بھی وہاں پہنچے۔ ان کی بادشاہ سے یہ ملاقات بن کے مقام پر ہوئی۔ بادشاہ نے خط پڑھنے کے بعد شیخ علائی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ تم میرے کان میں مہدویت کے دعوی سے توبہ کرلو پھر جہاں چاہو چلے جاؤ۔ شیخ علائی نے اس مرتبہ بھی بادشاہ کے کہنے کو تسلیم نہ کیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملا عبد اللہ سے کہا: ''اب تم کو اختیار ہے'' پھر اس نے اپنے سامنے شیخ کو دُرّے لگانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے شیخ علائی کی گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی تھی اور دوا کے لیے اس پھوڑے میں ایک بتّی رکھی جاتی تھی۔ ان دنوں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس پھوڑے کی تکلیف

کے علاوہ سفر کی تھکان سے بھی شیخ بہت تھکے ہوئے تھے اس لیے تیسرے کوڑے ہی میں ان کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

سلیم شاہ کا بغض

بادشاہ کو اس پر چین نہ آیا۔ اس کے حکم سے اس مظلوم کی لاش کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر پامال کیا گیا اور ان کو دفن کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ خدا کی عجیب شان ہے اسی وقت بڑی بھیانک آندھی اٹھی۔ یہ ایسی خوفناک آندھی تھی کہ لوگ سمجھنے لگے کے اب قیامت آ گئی۔ سارے لشکر میں ان کا ماتم ہونے لگا اور سب کو یقین آ گیا کہ بس اب سلیم شاہ کی حکومت کی خیر نہیں۔ لوگوں نے ان کی جنازے پر اتنے پھول ڈالے کہ ان کا بدن پھولوں میں چھپ گیا۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ پھولوں کی قبر ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے سیدی مولہ کو شہید کرا دیا تھا اور بہت جلد اس کو اس کی سزا مل گئی تھی یہ قصہ بھی اسی طرح کا ہے۔ سلیم شاہ کو تو اتنی بھی مہلت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس واقعے کے بعد دو سال بھی حکومت نہ کر سکا۔ یہ سارا فتنہ صرف ملا عبد اللہ کا برپا کیا ہوا تھا اس کو تو اہل اللہ سے بس دلی عداوت تھی۔ شیخ علائی کی شہادت 957ھ/1550ء میں ہوئی۔ میری عمر (مؤلف منتخب التواریخ) اس وقت دس سال تھی۔ اسی عمر میں میں نے ان کی شہادت پر یہ دو تاریخیں نکالی تھیں:

ایک: ذاکر اللہ

دوسری: سقاهم ربهم شرابا

خواص خان کا قتل

سلیم شاہ کے عہد کا ایک اور واقعہ خواص خان کے قتل کا ہے۔ جب خواص خان شکست کھا کر نیازیوں کے ساتھ پہاڑوں کی طرف چلا گیا تو سلیم شاہ نے اس کے پیچھے تاج خان

کرانی کو مقرر کیا۔ یہ تاج خان سلیمان کرانی کا بھائی تھا اور علم وفضل کی وجہ سے پٹھانوں میں نہایت ممتاز تھا۔ بادشاہ نے بن کی لشکر گاہ سے تاج خان کو لکھ بھیجا'' اگر کسی اور طرح ممکن نہ ہو تو عہد و پیمان کر کے خواص خان کو بلاؤ اور دھوکے سے قتل کر دو''۔

حسب الحکم تاج خان نے بادشاہ کی طرف سے خواص خان کے پاس قول نامہ بھیج دیا۔ خواص خان سیدھا سادھا مسلمان سپاہی تھا اس قول و قرار پر بھروسہ کر کے تاج خان کے پاس آ گیا۔ تاج خان نے اسی وقت اسے قتل کر کے اس کا سر سلیم شاہ کے پاس قصبہ بن میں بھیج دیا۔ اس کی لاش پہلے تو سرتی میں جو سنبھل کے علاقے میں دفن کی گئی بعد میں اس کی لاش کو دہلی لا کر دفنایا گیا۔

خواص خان کے قتل کا واقعہ 959ھ /1551ء میں ہوا ۔ اس کی تاریخ ہے:

''مصیبت بعالم شد'' خواص خان نہایت بہادر اور کشادہ دل آدمی تھا۔ اس کا قصہ مشہور ہے کہ جس وقت وہ شیر شاہ کے ساتھ کالپی پہنچا تھا تو اس نے وہاں کے حلوائیوں کو دو لاکھ روپے پیشگی دیے تھے کہ وہ رتھنبور کو ہمیشہ مصری بھیجتے رہیں۔ اسی طرح بیانہ میں آم کے جتنے باغ تھے ان سب کے دام اس نے مالکوں کو اپنے پاس سے ادا کر کے انھیں حکم دیا کہ وہ ہمیشہ امیروں اور غریبوں کو آم بطور تحفہ دیتے رہیں، اسی اثناء میں شیر شاہ کا انتقال ہو گیا اور سلیم شاہ نے اسی حساب کے چوبیس ہزار روپے بقایا خواص خان سے وصول کر کے اپنے خزانے میں جمع کرا لیے تھے۔

اسی سال 959ھ/1551ء میں سلیم شاہ کے خاص مصاحب شیخ عبدالحی کا انتقال ہوا۔ شیخ جمالی کنبو کے بیٹے تھے، خود بھی بڑے عالم اور شاعر تھے، ان کی وفات پر آگرے کے شاہ میر نے یہ تاریخ لکھی تھی:

گفت نامم ھمی شود تاریخ
بندہ وقتیکہ درمیان نبود

سلیم شاہ پر قاتلانہ حملہ

سلیم شاہ کا ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ سلیم شاہ قصبہ بن میں رُکا ہوا تھا، ایک دن حسب عادت وہ عصر اور مغرب کے درمیان کسی سواری پر تنہا قلعہ مان گڑھ کی سیر کے لیے جارہا تھا، یہ قلعہ وہاں سے پانچ کوس کے فاصلے پر تھا راستے میں کوئی شخص فریاد کرتا ہوا سامنے آیا اور بادشاہ کا راستہ روک کر بغل سے تلوار کھینچی اور حملہ کر دیا۔ سلیم شاہ نے نہایت چُستی سے اس وار کو اپنے کوڑے پر روک لیا کوڑے کا ہاتھ کی جانب کا حصہ کٹ گیا اور بادشاہ کو بھی کچھ زخم آیا۔ وہ شخص دوسرا وار کرنا چاہتا تھا کہ سلیم شاہ پہلو بچا کر اس سے لپٹ گیا اور اس سے تلوار چھیننے لگا۔ اسی وقت سزاول خان کا بیٹا دولت خان جسے سلیم شاہ نے اپنا چہیتا معشوق بنا رکھا تھا وہاں پہنچ گیا۔ اس نے حملہ آور پر تلوار کا وار کیا اور بھی لوگ جمع ہو گئے اور اس کو پکڑ لیا لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ تو نے یہ حرکت کس کے اشارے پر کی؟ سلیم شاہ نے لوگوں کو پوچھنے سے روکا اور کہا کہ نہ معلوم یہ بد معاش جھوٹ سچ لگا کر کتنے گھروں کو برباد کردے: ''یہ کہہ کر بادشاہ نے اسے فوراً قتل کر دینے کا حکم دیا اس کی تلوار دیکھنے پر پتہ چلا یہ وہی تلوار ہے جو سلیم شاہ نے اقبال خان کو دی تھی۔ اقبال خان ایک کمینی فطرت والا آدمی تھا، عرصے تک وہ شیر شاہ کی خدمت میں رہا تھا۔ نہایت بدصورت اور انتہائی احمق اور نالایق تھا اس لیے لوگ اسے'' رحمت الٰہی '' کہہ کر چھیڑتے تھے۔ یہ کنایہ جولاہوں کے لیے بولا جاتا تھا۔ سلیم شاہ نے خدمتگاری کے درجے سے اٹھا کر اسے اپنا مقرب بنا لیا تھا۔ اس کے اس تقرب پر نامی گرامی امرا تک حسد کرتے تھے۔ اس کی تلوار کو پہچاننے کے بعد سلیم شاہ نے اس کے مرتبے کو گھٹا دیا۔ لوگوں نے اسے قتل کر دینے کی ترغیب بھی دی لیکن بادشاہ نے کہا: ''اپنے پروردہ کو مارنے میں مجھے شرم آتی ہے'' سلیم شاہ پٹھانوں سے بدگمان تھا ہی، اس واقعے کے بعد وہ ان کا اور بھی دشمن ہو گیا اور انھیں ختم کر دینے کا عزم کر لیا۔

ہمایوں کے خلاف لشکر کشی

ان واقعات کے بعد سلیم شاہ اپنے دارالخلافہ گوالیار واپس ہوا، جب دہلی پہنچا تو خبر ملی ہمایوں ہندستان کے ارادے سے اٹک تک پہنچا ہے۔ اس وقت بادشاہ نے اپنے گلے پر جونکیں لگوائی تھیں، اس خبر کے سنتے ہی جونکوں کو نکلوا دیا اور جلدی میں نہایا بھی نہیں اور گلے پر کپڑا باندھ کر سو گیا۔ پھر وہ ہمایوں کے مقابلے کے لئے دہلی سے لوٹ کر شہر سے کوئی تین کوس کے فاصلے پر جا کر رکا۔ اس وقت مسلسل سفر سے لشکری نہایت خستہ اور آشفتہ حال ہو چکے تھے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات کیا کرتے؟ اسی بُرے حال میں وہ اس کے پیچھے لگے رہے۔ خیر خواہوں نے بادشاہ سے عرض کیا: ''طاقت ور دشمن سے مقابلہ ہے یہاں لشکر کے سپاہی نہایت تباہ حال ہیں اگر ان کی پچھلی تنخواہیں دے دی جائیں تو مناسب ہوگا۔ سلیم شاہ نے جواب دیا اگر میں اس وقت تنخواہیں دے دوں تو میری غرض سمجھی جائے گی اس لیے فتح کے بعد دو سال کی تنخواہ ادا کر دوں گا۔ بیچارے پریشان حال لشکریوں نے یہ سن کر ایک آہِ سرد کھینچی اور اسی بے سرو سامانی میں روانہ ہو گئے۔ امیروں نے عرض کیا توپیں تو لشکریوں کے ساتھ ہیں لیکن ان کو کھینچنے والے بیل گوالیار میں چھوڑ دیے گئے ہیں، اب کیا کیا جائے؟ بادشاہ نے کہا: ''اتنے ہزار سپاہی آخر کس مرض کی دوا ہیں جو مفت تنخواہ پاتے ہیں۔'' مجبور ہو کر افسروں نے پیادوں سے ہی بیل اور گدھوں کی طرح توپیں کھنچوائیں۔ بعض توپیں تو اتنی بھاری تھیں کہ ایک ایک کو ہزار ہزار بلکہ دو ہزار سپاہی کھینچتے تھے۔ اس مصیبت کے باوجود اتنی جلدی کوچ پر کوچ ہوئے کہ لشکر سات دن میں پنجاب پہنچ گیا۔ خیر یہ ہوئی کہ ہمایوں کسی مصلحت کی وجہ سے خود ہی کشمیر کی سرحد ہاتھا تک آ کر کابل لوٹ گیا۔

گوالیار کی جانب واپسی

ہمایوں کی واپسی کی خبر سن کر سلیم شاہ بھی گوالیار لوٹ آیا۔ اسی اثناء میں وہ شکار کے لیے قصبہ انبیری گیا ہوا تھا۔ وہاں بعض امیروں کے اشارے پر کچھ مفسدوں اور اوباشوں

نے بادشاہ کا راستہ روک لیا۔ جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے شہر میں داخل ہوا۔ پھر اس سازش کے سرغنہ بہاء الدین، محمود اور عماد کو قتل کرا دیا۔ جن جن سے بادشاہ کو بدگمانی تھی ان میں سے بھی بعض قتل کر دیے گئے اور بعض کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس مرحلے کے بعد اس نے خزانہ کھلوا کر سپاہیوں کو دو سال کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیے احکام جاری کر دیے اور اس حکم کو بذریعہ فرمان تمام پنج ہزاری اور دس ہزاری امیروں تک پہنچا دیا گیا۔ ابھی لشکر کے کچھ آدمیوں کو ہی تنخواہیں ملی تھیں کہ بادشاہ سخت بیمار پڑ گیا اور اکثر لوگ تنخواہ سے محروم رہ گئے۔

سلیم شاہ کی بیماری

کہتے ہیں سلیم شاہ کو بیٹھنے کی جگہ (مقعد) میں زخم نکلا تھا، بعض کہتے ہیں سرطان کا عارضہ تھا، اس درد سے بادشاہ تڑپ تڑپ کر رہ جاتا تھا۔ اس کی فصد بھی کھولی گئی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس بے قراری میں اس کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمہ نکل جاتا تھا۔ میں خدا کو اتنا غالب نہیں جانتا تھا (نعوذ باللہ) اس مرض کی بے قراری میں بھی یہ حال تھا کہ جب تک اس کے حواس ٹھکانے رہے اپنے معشوق یعنی دولت خان کو سامنے بیٹھائے رکھتا تھا اور اس کی صورت دیکھتا جاتا تھا۔ جس وقت بھی غش سے چونکتا یہی کہتا: ''دولت خان کہاں ہے''؟

ضعف کی وجہ سے کروٹ لینا مشکل تھا لیکن اپنے محبوب کی یہ دلدہی تھی کہ اگر دولت خان دوسری طرف آبیٹھتا تھا تو اسے یہ گوارا نہ تھا کہ اسے اپنے سامنے آنے کی زحمت دے بلکہ لوگوں سے کہتا تھا میرا منہ اس کی جانب پھیر دو۔ ایک دن دولت خان موجود نہ تھا پوچھا وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا، کسی سے ملنے گیا ہے۔ سلیم شاہ سمجھا اس نے مجھے مرتا ہوا دیکھ کر اوروں سے پہلو جوڑ لیا ہے، اتنے میں دولت خان حاضر ہو گیا اس کو دیکھ کر جان میں جان آئی اور سلیم شاہ نے یہ شعر پڑھا:

قدر من می نشناسی کہ چسانم بہ وفا
باش تاصحبت یار ان دگر دریابی

میں نے (مؤلف منتخب التواریخ یعنی عبدالقادر بدایونی) معتبر آدمیوں کی زبانی سنا ہے کہ سلیم شاہ نے اپنے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر روز بغیر پوچھے دولت خان کو ایک لاکھ تنکہ تک ادا کر دیا کرو، اگر وہ اس سے زیادہ طلب کرے تو پوچھ لیا کرو۔

سلیم شاہ کی وفات

سلیم شاہ کا مرض نہ کم ہوتا تھا نہ کم ہوا۔ معالج اور طبیب عاجز رہ گئے اور اسی طرح تڑپتے ہوئے وہ مر گیا۔ سلیم شاہ کی وفات 961 /1553ء میں ہوئی۔ اس نے نو سال حکومت کی۔ اس کی میت بھی سہسرام لے جاکر شیر شاہ کے پہلو میں دفن کی گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سال گجرات کے خدا ترس عادل بادشاہ سلطان محمود گجراتی کو برہان نامی خدمتگار نے شہید کر دیا اور تو اور اسی سال دکن کے بادشاہ نظام الملک نے بھی انتقال کیا۔ یہ سال گویا بادشاہوں کی وفات کا سال تھا۔

حواشی

1 سور: افغانستان کے پہاڑی علاقہ روہ یارن کے قبیلوں میں سور آباد تھے۔ یہ لوگ خود کو سلاطین غور سے منسوب کرتے تھے۔ اس قبیلہ کا مورث محمد سور تھا اور ابراہیم سور کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ اس کے بیٹے حسن خان سور نے نارنول (ہریانہ) میں انتقال کیا۔ اس کا مقبرہ وہیں ہے۔ اس کا بیٹا فرید خان (شیر شاہ) رجب 878ھ 1473ء میں پیدا ہوا۔ منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبد القادر بدایونی شیر شاہ کی ولادت کی تاریخ نہیں لکھتے ہیں۔

2 سہسرام: یہ ضلع بہار میں ہے۔ یہاں پر شیر شاہ کی پیدائش ہوئی تھی نیز اُس کا مقبرہ بھی یہیں پر ہے۔ اس مقبرے کی عمارت تالاب کے وسط میں ہے جس کا طول گیارہ سو فٹ اور عرض ایک ہزار فٹ ہے۔ مقبرہ کی کرسی مربع، اوپر کی منزلیں ہشت پہلو، عمارت سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے۔ اس کا ہر پہلو ساٹھ فٹ لمبا ہے اور ہر پہلو میں ایک دروازہ ہے، اندر شیر شاہ کا مزار اور ایک مسجد ہے درو دیوار پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ درود شریف اور عمارت بننے کی تاریخ لکھی ہے۔ 957ھ/1550ء میں اس عمارت کو شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ کی یادگار کہتے

ہیں۔ ہمایوں نے دوبارہ بادشاہ بن کر سہسرام کی ساری عمارتوں کو گرادینے کا حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل کی گئی جب مقبرہ گرانے کی نوبت آئی تو حاکم نے بادشاہ کو لکھا کہ اس کے ساتھ مسجد بھی ہے۔ مقبرہ گرایا گیا تو وہ بھی شہید ہو جائے گی۔ ہمایوں نے مسجد کی وجہ سے مقبرے کو منہدم کرنے سے روک دیا۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ جب ہمایوں نے شیر شاہ کی بنوائی ہوئی تمام عمارات کو گرانے کا حکم صادر کیا تھا تو دہلی کا پرانا قلعہ کیسے بچ گیا؟

3 حاجی پور: ابھی بھی یہ مقام حاجی پور کے نام سے معروف ہے مگر یہ ضلع ویشالی صوبہ بہار میں ہے۔

4 کچھ تو شوہر کے مرنے پر ستی ہو گئیں اور کچھ مردوں نے خود داری کے باعث جوھر کر لیا۔

5 عمرو بن لیث ایران کے پہلے صفاری بادشاہ یعقوب لیث کا بھائی اور جانشین تھا۔ پایہ تخت اس کا خراسان تھا۔ بغداد کے خلیفہ معتمد نے اسے لشکر کشی کر کے شکست دی۔ جب وہ شیراز سے خراسان بھاگ کر آیا تو اسماعیل سامانی نے اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا۔ یہاں وہ قید خانے میں رہا اور اسی قید خانہ میں مر گیا۔ وہ ایک آنکھ سے نابینا تھا اور تیرہ سال تک اس نے حکومت کی (بحوالہ Cambridge history of Iran vol III P. 217 -219).

6 کالنجر کے قلعے کے متعلق ابوالفضل اپنی معروف تصنیف آئین اکبری میں یوں لکھتا ہے ''یہ سنگی قلعہ ہے جو سر بہ فلک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس میں بہت سے بت خانے ہیں۔ ایک بت کا نام'' کالی بھیروں ہے۔ یہ بت اٹھارہ ہاتھ لمبا ہے۔ قلعے میں متعدد چشمے اور بے شمار تالاب ہیں۔ قلعے کے اطراف میں گھنا جنگل ہے جس میں آبنوس کے درخت ہیں۔ ہاتھی اور شکاری جانور ملتے ہیں یہاں لوہے کی ایک کان بھی ہے آٹھ کوس کے فاصلے پر ہیروں کے ذرے بھی پائے جاتے ہیں۔

7 پنجاب یونیورسٹی اور نسخہ خدا بخش لائبریری نیز دیگر نسخوں میں سلیم خان کی جگہ پر

''اسلیم خان'' لکھا ہے شاید یہ کتابت کی غلطی ہے مگر اس کا نام سلیم خان تھا۔

8 مخدوم الملک: ان کا اصل نام عبداللہ سلطان پوری ہے ان کا تعلق سلطان پور، لاہور کے انصاری خاندان سے تھا۔ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ خاص طور پر علم فقہ میں بڑی مہارت تھی۔ انھوں نے عربی لسانیات، فقہ، تاریخ اور دوسرے موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔

9 ابوالفتح: شیخ نصیر الدین اودھی دہلوی کے مریدوں میں سے گزرے ہیں تیمور کے حملہ کے بعد دہلی سے کالپی میں آ کر مقیم ہوگئے تھے اور اسی جگہ وفات پائی ان کا مزار کالپی میں ہے حضور اکرم ﷺ کی نعت میں ان کا ایک فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جس کے چند شعر شیخ المحدثین حضرت عبدالحق دہلوی نے ''اخبارالاخیار'' میں درج کیے ہیں۔ ان کا پورا نام شیخ ابوالفتح احمد تھانیسری تھا۔

10 ملا جلال: غالباً قاضی جلال الدین ملتانی سے مراد ہے یہ پہلے تاجر تھے بعد میں اکبر آباد (آگرہ) میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اکبر کے زمانے میں قاضی یعقوب کی معزولی پر عہدہ قضاوت پر مامور ہوئے۔ کہتے ہیں بہ لحاظ عدل و دیانت بہترین قاضی گزرے ہیں۔ اپنے بیٹے کی نازیبا حرکتوں کے خمیازے میں ان کو دکن کی طرف جلاوطن ہونا پڑا۔ دکن میں ان کی بڑی تعظیم ہوئی۔ دکن سے بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔

11 اٹک: حسن ابدال اور پشاور (پاکستان) کے درمیان واقع ہے کسی زمانے میں یہ شہر جنگی اہمیت رکھتا تھا 1581ء میں اکبر نے اس جگہ ایک مستحکم قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ قلعے کے کھنڈر اس کی گزشتہ رونق و آبادی کا پتہ دیتے ہیں۔

سلیم شاہ کی لطیفہ گوئی

سلیم شاہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اسے شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا۔ ہر طرح کے اشعار اسے بکثرت یاد تھے۔ اکثر میر نعمت اللہ اشوئی سے شعر وسخن پر بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا۔ سمجھ بوجھ کے لحاظ سے نہایت ذہین تھا، اکثر لطیفے کہا کرتا تھا اور دوسروں سے لطیفے سن کر بہت خوش ہوتا تھا۔ بزرگ اور علماء کا بھی احترام کرتا تھا

کہتے ہیں پنجاب جاتے ہوئے جب وہ الور میں رُکا تو ایک دن دور سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کو آتے ہوئے دیکھا۔ مصاحبوں سے کہنے لگا: ''تم جانتے ہو یہ کون آرہا ہے''؟ سب نے کہا ''حضور ہی بتلا دیں''! سلیم شاہ نے کہا: ''بابر بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے چار تو ہندستان سے نکل گئے مگر پانچواں یہ باقی رہ گیا۔ سرمست خان نے کہا ''اس فتنہ کی جڑ کو آپ نے کیوں رہنے دیا''؟ سلیم شاہ نے کہا کیا کروں اس سے بہتر آدمی مجھے دوسرا نظر نہیں آتا''۔

جب ملا عبداللہ محفل میں پہنچے تو بادشاہ نے انھیں تخت پر بٹھایا اور ایک مروارید کی تسبیح جوتیس ہزار کی تھی اور اسی وقت کہیں سے پیش کش میں آئی تھی، ان کے حوالے کردی۔

سلیم شاہ کو کسی نشہ کی عادت نہیں تھی، نماز کا ایسا پابند تھا کہ اس کی نماز کبھی جماعت سے نہیں چھوٹتی۔

فیروز شاہ بن سلیم شاہ

سلیم شاہ کے بعد اس کا بیٹا فیروز خان دس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔اس نے اپنا خطاب فیروز شاہ رکھا،لیکن اسے زیادہ عرصے تک حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔

سلیم شاہ کے سالے مبارز خان ولد نظام خان نے تیسرے ہی دن بھانجے کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب اس کی بہن اور بادشاہ کی ماں بی بی بائی کو پتہ چلا تو وہ بھائی کے قدموں میں گر پڑی اور یہ منّت کرنے لگی ''بھیّا خدا کے لیے اس معصوم کی جان کے پیچھے نہ پڑو بادشاہی تجھے مبارک، میں اسے لے کر کہیں چلی جاؤں گی کہ اس کا پتہ تک نہ چلے گا۔'' لیکن ظالم ماموں نے ایک نہ سنی اور محل سرا میں گھس کر ماں کے سامنے اس کمسن کا سر کاٹ دیا۔ اس کی نسل بھی آگے نہ چل سکی۔

کہتے ہیں سلیم شاہ نے کئی بار مبارز خان کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور اپنی بی بی سے کہا تھا ''اگر تو اپنے بیٹے کی زندگی چاہتی ہے تو بھائی کا خیال چھوڑ دے اور اگر بھائی پیارا ہے تو اس بچّے سے ہاتھ دھولے''۔

اس نے ہمیشہ بھائی کی سفارش کر کے یہی جواب دیا کہ میرا بھائی عیش وعشرت میں لگا ہوا ہے، بادشاہی سے اس کا کیا سروکار؟ اس کا تو عدم اور وجود برابر ہے۔سلیم شاہ کا یہ حال تھا کہ جس وقت بھی وہ مبارز خان کو دیکھتا تھا بی بی سے کہتا تھا دیکھ تو پچھتائے گی اور اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

سلیم شاہ کا اندیشہ درست تھا وہی ہوا جو اس نے گمان کیا تھا۔

سلطان محمد عادل عرف عدلی

سلیم شاہ کا سالا مبارز خان سلطان محمد عادل کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ تمام امراء اس کی بادشاہت پر رضامند ہوگئے۔ اس کا خطاب تو عادل تھا لیکن لوگوں میں عدلی کے لقب سے مشہور ہوگیا بلکہ اس کو بھی بگاڑ کر لوگ ''اندھلی'' کہنے لگے۔

مبارز خان سلطان محمد عادل بن تغلق شاہ کے حالات سے بہت متاثر تھا اس لیے اس نے ہر بات میں اسی کے نقشِ قدم پر چلنا ضروری سمجھا چنانچہ اپنے ابتدائی عہد میں خزانہ کھول کر اشرفی روپے خوب لٹائے اور اس عارضی سخاوت سے عام و خاص سب کو اپنا ہمنوا بنالیا لیکن یہ بہار صرف چند روز کی ہی تھی۔

اس نے وزارت کا منصب اپنے ایک غلام شمشیر خان کے حوالے کردیا۔ یہ حضرت خواص خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ وکالت کا عہدہ دولت خان نومسلم کو ملا جس کی لوحانیوں نے پرورش کی تھی۔ ان کے ساتھ ھیمو بقال بھی ان مناصب میں شریک تھا۔ ھیمو میوات کے قصبہ ریواڑی کا رہنے والا تھا اور سلیم شاہ کے عہد میں بازار کی کوتوالی سے اونچے مراتب پر فائز ہوگیا تھا۔ محمد عادل نے اس بقال کو اس قدر عزت بخشی کہ وہ سلطنت کے ہر کام میں دخل دینے لگا۔

بغاوتوں کا آغاز

خود سلطان عادل عیش پسند تھا اس لیے اس کا زیادہ تر وقت راگ رنگ میں گزرتا تھا۔ سپہ گری اور مہم پسندی سے اس کو کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اس کی انہی عادتوں، شاہزادہ فیروز خان کے ظالمانہ قتل اور ھیمو کی سرپرستی کی وجہ سے لوگ اس سے سخت ناراض تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے منصب پر فائز پٹھان امیر اور سردار اپنی اپنی جگہ خودمختار ہونے لگے اور ابھی اس کی تخت نشینی کو ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ہر طرف بغاوتیں شروع ہوگئیں اور ملک کا سارا نظم ونسق جو شیر شاہ اور سلیم شاہ کے عہد میں کافی منظم اور مستحکم تھا، درھم برھم ہوگیا۔

دربار شاہی میں ہنگامہ

ایک دن محمد عادل گوالیار کے قلعے میں امرا کو جاگیریں تقسیم کررہا تھا، اس موقع پر اس نے قنوج کی سرکار شاہ محمد فرملی سے لے کر سرمست کے حوالے کردی، شاہ محمد کا بیٹا سکندر جو

ایک خوب رو اور بہادر نوجوان تھا اس تبدیلی پر ناراض ہوکر سخت لہجہ میں گفتگو کرنے لگا۔ شاہ محمد اس کا باپ اسے نرمی اور ملائمت کی نصیحت کرنے لگا اور اس گفتگو سے منع کرنے لگا سکندر نے باپ پر بھی بگڑ کر کہا۔ ''تم کو بھی شیر شاہ نے لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا تھا۔ سلیم شاہ نے تم پر احسان کیا اور سفارش کر کے تم کو رہائی دلائی تھی، اب یہ سور پٹھان ہمیں نکالنے پر تُل گئے ہیں، تم اس خطرے کو محسوس نہیں کر رہے ہو''۔ اسی طرح اس نے سرمست خان کو بھی سخت گالیاں دیں اور کہا ''یہ کُتے بیچنے والا ہماری جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے''۔ سرمست خان طاقتور اور بلند قد والا تھا۔ اس نے سکندر کو گرفتار کرنا چاہا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا: ''اے فرزند اتنی تیزی کیوں دکھا رہا ہے''؟ سکندر اس کی نیت بھانپ گیا اور خنجر سے اس کے شانہ پر ایسا وار کیا کہ سرمست خان وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس کے بعد سکندر نے جوش میں مجلس میں کئی امیروں کو قتل کر دیا۔ عام طور سے مشہور ہے کہ جب سے ہندستان میں خنجر کا رواج ہوا ہے اس سے کسی نے اس طرح کام نہیں لیا جیسا کہ اس وقت سکندر نے لیا۔ اس ہنگامے کی وجہ سے بڑا شور وغل ہونے لگا اور عدلی شاہ بھاگ کر محل سرا میں گھس گیا۔ سکندر کچھ امیروں کو قتل کر کے اور کچھ کو زخمی بادشاہ کے پیچھے بھی لپکا اور اس پر تلوار سے وار کیا لیکن عدلی نے جلدی سے محل سرا کے دروازے بند کر لیے اور تلوار اس کے سر کے بجائے دروازہ پر پڑی۔ اس کے سب امیر پہلے تو بدحواس ہوکر تلواریں پھینک کر بھاگ گئے، پھر سب نے ہجوم بنا کر دونوں باپ بیٹوں کو گھیر لیا، دو تین گھنٹوں تک جنگ جیسی کیفیت بنی رہی۔ آخر کار سکندر، ابراہیم خان سور، شاہ محمد اور دولت خان لوحانی کے ہاتھ سے مارے گئے۔

اسی دن اس ہنگامے سے پہلے عماد اور سلیمانی کا بھائی تاج خان کرانی کے دیوان خانہ سے ناراض ہوکر قلعہ سے باہر آ گیا اور حضرت اعلی اپنا خطاب رکھ کر بغاوت کے منصوبہ بناتے ہوئے جا رہا تھا کہ راستہ میں شاہ محمد سے جو دربار کی جانب جا رہا تھا، اس کی ملاقات ہوگئی۔ دونوں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ تاج خان نے کہا: ''آثار کچھ اچھے نہیں، میں نے بغاوت کا ارادہ کر لیا ہے اگر تم بھی میرے ساتھ شریک ہو جاؤ تو ہماری طاقت دوگنی ہو جائے گی''۔ شاہ محمد نے اس کی بات نہیں مانی اور اس کی موت اسے عدلی کے دربار میں لے آئی۔

تاج خان کی سرکشی

تاج خان دن کے وقت ہی اعلانیہ گوالیار سے بنگال کی طرف کوچ کر گیا۔ بادشاہ نے اس کے پیچھے ایک فوج روانہ کی اور خود بھی پیچھے روانہ ہوا۔ چھپر امئو میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا سخت لڑائی کے بعد تاج خان کو شکست ہوئی اور وہ چنار کی طرف بھاگ گیا۔ راستے میں جہاں کہیں بھی عدلی کے خالصہ کے عامل ملتے ان کو گرفتار کر لیتا اور جو کچھ مال و دولت ہاتھ لگتی، قبضے میں لے لیتا۔ اسی لوٹ میں اسے سو ہاتھی بھی کہیں سے مل گئے۔ یہ سب غنیمت لے کر تاج اپنے بھائیوں سلیمان، عماد اور الیاس کے پاس جو گنگا کے ساحلی پرگنوں کے حاکم تھے چلا گیا۔ اس کے تعاقب میں عدلی بھی چنار پہنچ گیا۔ کرانی اپنی جمعیت لے کر گنگا کے کنارے بادشاہی لشکر سے مقابلے پر آیا۔ بادشاہ کی طرف سے ھیمو نے سو ہاتھیوں کو لے کر ان پر حملہ کیا اور سخت لڑائی کے بعد انھیں ہرا دیا۔

ابراہیم خان کی بغاوت

جب عدلی چنار میں پہنچا تو اس کا ارادہ ہوا کہ غازی خاں کے بیٹے ابراہیم خان کو جو کہ شیر خان کے رشتے دار بھائیوں میں سے تھا گرفتار کر لے۔ عدلی کی بہن ابراہیم خان کے نکاح میں تھی، اس نے شوہر کو اس بات کی خبر دے دی۔ ابراہیم خان ھئیت بدل کر خفیہ طور پر قلعے سے باہر نکل گیا اور اپنے باپ کی جاگیروں بیانہ اور ھنڈون کا رخ کیا۔ عدلی نے عیسیٰ خان نیازی کو اس کے تعاقب پر مامور کیا۔ کالپی کی سرحد پر فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابراہیم خاں نے نیازی کو شکست دے کر بھگا دیا اور ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے اپنی موروثی جاگیروں پر خود مختار ہو کر بیٹھ گیا۔

عدلی جب کرانیوں کے فتنے سے فارغ ہوا تو اس نے ابراہیم خان کے معاملے پر توجہ دی۔ جب شاہی لشکر جمنا کے کنارے پہنچا تو ابراہیم خان نے مصالحت کی خاطر پیغام بھیجا کہ "اگر رائے حسین جلوانی اور بہار خان شروانی جسے سلیم شاہ نے اعظم ہمایوں کا خطاب

دیا تھااور دوسرے نامی امیر آ کر مجھے مطمئن کردیں تو ان کے قول پر بھروسہ کر کے میں آپ کی اطاعت میں آجاؤں گا"۔ عدلی نے ان امیروں کو اس سے گفتگو کے لیے روانہ کیا۔ ان امیروں نے وہاں جا کر اچانک ایک اور ہی فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے ابراہیم خاں کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کو سلطان ابراہیم کا خطاب دے کر بادشاہ قرار دے دیا۔ اس دوران آگرہ اور دوسرے کئی ایک شہروں میں بھی سلطان ابراہیم کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

ابراہیم اور سکندر میں مقابلہ

عدلی کی دوسری بہن کا نکاح احمد خان سے ہوا تھا، وہ بھی شیر شاہ کے بھائیوں میں بڑا بہادر آدمی تھا۔ جو پنجاب میں وہاں کے امراء کو عدلی سے برگشتہ کر کے تاتارخان کاشی ،حبیب خان طغرچی کی مدد سے خودمختار ہوگیا اور سلطان سکندر خطاب رکھ کر اپنے نام کا خطبہ پڑھوا دیا، پھر ایک بڑا لشکر لے کر دہلی اور آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری طرف سے اس کے مقابلے پر ابراہیم بھی ایک بڑا لشکر لے کر آگرے سے نکلا اور دس کوس کے فاصلے پر فراہ کے مقام پر سکندر کے مقابلے میں صف آرائی کی۔ اکثر بڑے بڑے امیر جیسے حاکم الور خان سلطانی جس کی شان وشوکت بادشاہ جیسی تھی اور رائے حسین جلوانی، مسعود خان، حسین خان غلزئی وغیرہ ابراہیم کے طرف دار تھے۔ ابراہیم نے دوسو امیروں کو سراپردہ علم، طوق اور نقارہ عطا کیا تھا اور جو بھی امیر دس پندرہ سوار ساتھ لے کر اس کے پاس چلا گیا اسے بھی سرخ بانس کا جھنڈ ا مل گیا اور بادشاہ کی طرف سے منصب اور جاگیر کا فرمان بھی۔ اس تدبیر سے ابراہیم نے اَسّی ہزار کا لشکر جمع کرلیا۔اس مرحلے میں جس دن الور سے حاجی خان اس کی ملازمت کے لیے حاضر ہوا، اس دن اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ ابراہیم نے حاجی خان کو ایک نہایت وسیع اور اونچا سراپردہ جونیانیا تیار ہوا تھا، جس میں باہر کی طرف پرتگالی سقرلاط اور اندر فرنگستانی مخمل لگی ہوئی تھی، عمدہ فرش اور سونے چاندی کے برتنوں کے ساتھ عطا کیا۔ حاجی خان نے فوراً ہی وہ سراپردہ کھڑا کر کے اس میں قیام کیا۔ اس کی اس شان کو دیکھ کر پٹھان امیر رشک کرنے لگے۔ ابراہیم کے مقابلے میں سکندر کے پاس صرف دس

بارہ ہزار آدمی تھے۔ جب اس نے غنیم کا یہ رنگ دیکھا تو صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ آخر کار دونوں کے درمیان عہد نامہ تحریر ہوا کہ: ''دہلی سے شمال کا جتنا علاقہ قبضے میں ہے یا آئندہ فتح ہوگا وہ ابراہیم خان کا ہوگا اور اُدھر پنجاب ملتان وغیرہ پر جہاں جہاں قبضہ ممکن ہو سکندر قابض رہے گا اور مغلوں کی فوج کشی کی روک تھام بھی اسی کے ذمے ہوگی۔

دونوں لشکروں میں جو پٹھان تھے وہ آپس میں رشتے دار بھی تھے۔ اس صلح پر سب کو بڑی خوشی ہوئی، صلح کے معاہدے میں سکندر کا بھائی کالا پہاڑ اور ''پنج بھیہ امیروں'' جس میں پانچ بہادر بھائی بھی شامل تھے۔ نیز یہ شرط لگائی کہ جب ابراہیم، عدلی کو شکست دے کر اس کے خزانے اور بھتہ کے علاقے پر قبضہ کر لے تو ان دونوں میں ہم کو بھی حصہ دار بنائے ورنہ صلح کو ختم مان لیا جائے گا۔ سکندر بھی اس شرط پر اصرار کرنے لگا۔ امیروں نے ابراہیم کو بھی یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ: ''اس بلا کو ٹالیے، جب عدلی کا ملک اور خزانہ فتح ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ سکندر لے سکے گا تو لے لے گا'' امیروں کے اس مشورے سے مسعود خان اور حسین خان غلنرئی نے اختلاف کیا اور کہا: ''سکندر سے بھی آخر ایک دن لڑنا ہی پڑے گا۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ابھی اِس قضیے کو چکا دیں، اس وقت صلح کر لینے میں ہماری کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور اس سے دشمنوں کے حوصلے بھی بڑھ جائیں گے عدلی بھی مقابلے کے لیے چڑھ آئے گا۔

ابراہیم خان نے حاکم سنبھل میاں یحییٰ تارن کے آنے تک لڑائی ملتوی رکھی۔ یحییٰ تارن بہت بہادر اور دانشمند سردار تھا، 961 ھ/1553 ء میں اس نے عدلی کے بیس امیروں کو جو سنبھل پر فوج کشی کے ارادے سے آئے تھے بدایوں کے میدان میں مقابلہ کر کے بھگا دیا تھا۔ پھر اس نے راجہ متر سین کھٹریہ کو بھی، جو پہلے کبھی سنبھل پر قابض تھا اور اب پھر قوت پیدا کر کے حملے کا ارادہ کر رہا تھا۔ قصبہ کندرکھی کے میدان میں لڑ کر بری طرح شکست دی تھی۔

فتحہا آسمانی شد

میں (مؤلف منتخب التواریخ یعنی ملا عبدالقادر بدیونی) اس وقت اپنے والد کے ساتھ سنبھل میں تحصیل علم کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس وقت میری عمر بارہ سال تھی۔ اس فتح پر میں نے تاریخ نکالی تھی۔

''چہ بس خوب کردہ اند'' (کیا اچھا کام کیا ہے)

میرے سنبھل میں آنے سے پہلے میاں حاتم سنبھلی بھی اس لڑائی کا قصہ سن چکے تھے۔ جب میں ان کے پاس ''کنز'' کا درس لینے گیا تو انھوں نے فرمایا: ہم نے فی البدیہ تاریخ کہی ہے:

''فتحہا آسمانی شد''

ذرا حساب کر کے تو بتاؤ اس میں کتنے عدد ہوتے ہیں؟ جب میں نے حساب کیا تو نوسو ساٹھ عدد نکلے۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ اس میں ایک عدد کی کمی ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ اضافت کا ہمزہ قدماء کے املا کے مطابق بڑھا دو اس طرح ''فتحہاء آسمانی شد'' مکمل تاریخ ہوگئی۔

اس تاریخ گوئی کے بعد انھوں نے دعائے خیر کر کے میرا سبق یاد کروایا اور کتاب ''ارشاد قاضی'' کے چند ورق جو خود اپنے ہاتھ سے لکھے تھے مجھے بطور یادگار عنایت فرمائے، پھر انھوں نے مجھے میاں شیخ ابوالفتح الہدیہ خیر آبادی کے سپرد کر دیا۔ یہ بزرگ اس کتاب کی تصنیف کے وقت اپنے باپ کے سجادہ نشین ہیں۔

جس وقت میاں یحییٰ تارن نے کانت اور کولہ کے علاقے فتح کیے اور بدایوں سے گزر کر قصبہ آہار میں گنگا پر پل بندھوایا تو میں اپنے والد کے ہمراہ ان کے لشکر میں امروہہ تک گیا اور وہاں لشکر سے الگ ہو کر میر سید محمد میر عدل 1 کے یہاں جا کر پڑھنے لگا۔

ابراہیم خان کی شکست

ابراہیم خان نے میاں یحیٰ کے لشکر میں آنے کے بعد دوسری صبح کو ہی میدان میں لشکر ترتیب دیا۔ میاں یحیٰ مقابل میں تھا، حاجی خان دائیں جانب، رائے حسین جلوانی غلزیوں کے ساتھ بائیں جانب اور درمیان میں خود ابراہیم خان کا مقام تھا۔ دوسری طرف سکندر نے بھی صف آرائی کی، سکندر کے دائیں پہلو میں لشکر ''پنج بھیہ امرا'' کی کمان میں تھا۔ ابراہیم کے بائیں پہلو پر حملہ کر کے ان کو آگرے تک پیچھے کر دیا اور آگرہ میں داخل ہو کر شہر کو جی بھر کر لوٹا اور آگرے میں سکندر کے نام کی منادی کرادی۔

ان کے مقابلے میں ابراہیم خان کے دائیں پہلو نے جو حاجی خان کے زیر کمان تھا سکندر کے بائیں پہلو کو دبا کر قصبہ ہوڈل اور پلول تک ان کا پیچھا کیا۔ اس لڑائی کے دوران حاجی خان اپنے سراپردہ کی طرف سے گزرا تو دیکھا کہ وہ شاندار سراپردہ غارت گروں کے ہاتھوں پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ وہ اسی وقت میدان جنگ سے نکل کر الور چلا گیا۔ یحیٰ تارن کچھ دیر تک لڑتا رہا۔ اس کے ہاتھ میں زخم آ گیا اور ایک دو انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ وہ بھی کچھ دیر بعد کھسک کر سنبھل کی طرف چلا گیا۔ ابراہیم خان بس چار پانچ آدمیوں کے ساتھ نشیب میں سر جھکائے لٹیروں سے مقابلہ کر رہا تھا اور گولے اس کے سر پر سے گزر رہے تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مقابل کی فوج میں بذات خود سکندر موجود ہے تو باگ پھیر کر اٹاوہ کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کا سارا اسباب اور شاہی چتر وغیرہ برباد ہو گیا۔ سکندر اس کا پیچھا کرتا ہوا اٹاوے تک گیا۔ وہاں یہ اطلاع ملی کہ ہمایوں نے ہندستان پر دوبارہ حملہ کر دیا ہے اور پنجاب میں داخل ہو چکا ہے سکندر نے ابراہیم کا پیچھا چھوڑا اور تیزی سے پنجاب کا رخ کیا، سہرند میں ہمایوں سے اس کی لڑائی ہوئی اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ابراہیم اٹاوے سے سنبھل چلا گیا۔ جہاں اس نے سلطان عدلی کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے لیے ایک مرصع چتر بھی تیار کرایا۔ مہینہ بھر کی تیاریوں کے بعد وہ ایک ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ براہ کیشی، کالپی کی طرف روانہ ہوا۔

ابراہیم کی ناکامی

عدلی نے ابراہیم کے مقابلے پر ہیمو بقال کو جو اس کا وزیر اور وکیل مطلق بنا ہوا تھا، مقرر کیا۔ ہیمو بقال چنار سے بہت عالی مرتبہ امیروں، پانچ سو ہاتھی اور بے شمار خزانہ لے کر آگرہ اور دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب دونو ں میں مقابلہ ہوا تو ابراہیم نے ایسی بہادری دکھائی کہ ہفتخوان رستم کی یاد تازہ ہوگئی لیکن تقدیر نے ساتھ نہ دیا اور اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ویسے ابراہیم بذات خود شاہانہ شخصیت کا مالک تھا۔ خوب صورت، خوش کلام، خلیق، متواضع، سخی اور بہادر جیسی ساری خوبیاں اس کی ذات میں جمع تھیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ لڑائی میں فتح اور کامیابی صرف عطیہ خداوندی ہے۔ انسان کی کوششوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، چنانچہ ابراہیم خان نے دو سالوں میں سولہ لڑائیاں لڑیں، ہر بار اول اول وہ غالب رہا مگر آخر میں شکست کھا گیا۔

ہیمو کی یلغار

ابراہیم خان ہیمو کی فوج سے شکست کھا کر بیانہ کی طرف چلا گیا، ہیمو بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا بیانہ پہنچا۔ ابراہیم نے بیانہ کے پٹھانوں اور زمینداروں کو جمع کر کے دوبارہ ہیمو سے مقابلے کی تیاری کی اور رات کے حملے کے ارادے سے کوچ کیا لیکن صبح ہوگئی۔ اس وقت اس کا لشکر بیانہ سے دس کوس پر قصبہ خانوہ میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں لٹیروں سے ایک سخت لڑائی ہوئی لیکن بدقسمتی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ھیمو نے چالاکی سے گھیر کر اسے شکست دے دی اور وہ مجبوراً بیانہ کے قلعے میں بند ہوگیا۔ یہ ایک نہایت بلند اور مستحکم قلعہ تھا۔ ہیمو نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ میں آتش بازی کا کافی سامان موجود تھا۔ ابراہیم خان کا باپ غازی خان ہندوؤں سے بیانہ کے مغربی پہاڑی کے راستے برابر قلعے میں رسد پہنچا رہا تھا۔ ہیمو کی فوج ہر روز حملہ کرتی تھی اور گھمسان کے مقابلے ہوتے رہتے تھے۔ ہیمو تین مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیے رہا اور بیانہ کے سارے علاقے کو لوٹ مار کر کے تباہ کردیا۔ اسی غارت گری میں میرے

والد (مؤلف منتخب التواریخ یعنی ملا عبدالقادر بدایونی) کی جمع کی ہوئی کتابیں جو بیاور میں تھیں بیشتر لٹ گئیں اور ہندستان کے سارے مشرقی علاقہ میں قحط پھیل گیا۔

ہولناک قحط

خاص طور سے آگرہ، دہلی اور بیانہ میں تو ایسا سخت قحط پڑا کہ ڈھائی تنکہ 2 میں ایک سیر 3 جوار ملنے لگی اس دام پر بھی ملنا محال ہوگیا تھا۔ اکثر لوگ گھروں کو بند کر کے بیٹھ گئے اور ایک ایک گھر میں دس دس بیس بیس بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی بھوک اور فاقہ سے مرگئے، ان بے چاروں کو نہ کفن ملا نہ قبر۔ ہندوؤں کا بھی یہی حال تھا۔ لوگ کیکر کے بیج اور مویشیوں کے چمڑے جن کوامراء ذبح کر کے فروخت کر دیتے تھے کھا کھا کر جان بچا رہے تھے ایسی چیزوں کو کھا جانے کے سبب تھوڑے دنوں میں ان کے ہاتھ پیر سوج جاتے تھے اور وہ مرجاتے تھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے (یعنی مؤلف منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر) کہ آدمی، آدمی تک کا گوشت کھا جاتے تھے۔ ان لوگوں کی شکلیں ایسی ڈراونی ہوگئیں تھیں کہ ان کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا، یہ سارا علاقہ اس قحط اور دوسال کی لڑائیوں کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہوگیا، نہ کسان بچے، نہ عوام اور ہندو لٹیروں کی بن آئی اور اِدھر اُدھر سے ہجوم بنا کر مسلمانوں کو لوٹنے لگے۔

آگرہ کے قلعہ میں آتش زدگی

962 ھ/1554ء میں آگرہ کے قلعے میں آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ سکندر اور ابراہیم کی لڑائی کے وقت قلعہ عدلی شاہ کے لشکر سے خالی ہوگیا تھا۔ اس وقت غازی خان سور کے امراء نے قلعے میں غلہ اور سامان جنگ جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس غرض سے وہ قلعہ میں کوٹھریوں کو دیکھتے بھالتے پھر رہے تھے۔ ایک دن صبح سویرے ایک کوٹھری میں جس میں بارود بھری ہوئی تھی چراغ کا گل جھڑنے سے آگ لگ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعلے آسمان کی

خبر لانے لگے اور ایسا زبردست دھما کہ ہوا کہ شہر میں زلزلہ سا آگیا لوگ تو سمجھنے لگے بس اب قیامت آگئی۔ قلعے کے ستون اور پتھر دھما کے سے اُڑ اُڑ کر جمنا کے پار کئی کوس تک جا کر گرے اور اس بلائے ناگہانی میں ہزاروں آدمی جاں بحق ہو گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے اعضاء بھی پانچ چھ کوس تک اڑ کر گرے، لوگ سوتے سے اٹھ کر توبہ واستغفار کرنے لگے۔

آگرہ کے قلعے کا اصل نام ''بدل گڑھ'' تھا۔ اس لیے اس حادثہ کی تاریخ نکالی گئی:

''آتش بدل گڑھ''

ہیمو کا دسترخوان

جیسا کہ ذکر ہوا ان دنوں قحط 4 اس درجہ شدید تھا کہ لوگ ایک ایک روٹی پر جان دے رہے تھے لیکن ہیمو کے لشکر میں پانچ سو ہاتھیوں کو روزانہ چاول شکر اور گھی ملا کرتا تھا۔ ہیمو تمام پٹھان امیروں کو روزانہ ایک وقت دسترخوان پر بلا کر کھانا کھلایا کرتا تھا اور کہتا تھا بڑے بڑے لقمے کھاؤ اگر کسی کو چھوٹا لقمہ کھاتے ہوئے دیکھتا تو اسے گالیاں دے کر کہتا تھا ''اے تو آج اتنا کم کھا رہا ہے کل اپنے مغل دامادوں سے کس طرح لڑے گا؟'' افغانوں کا ستارہ بس ڈوبنے ہی والا تھا۔ اس لیے ان کی غیرت وحمیت ایسی ماری گئی تھی کہ اس کی اس حرکت پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرات تک نہ تھی۔ اپنی طبعی جہالت اور جنگ جوئی کو بالائے طاق رکھ کر اس کی گالیوں کو خوف یا لالچ کے مارے حلوے کی طرح نگل لیتے تھے:

بخدمت منہ دست برپای من
مرا نان دہ وکفش برسر بزن

محمد خان سور کی بغاوت

ہیمو قلعہ بیانہ پر ابراہیم خان کا گھیرا کیے ہوا تھا کہ اسے خبر ملی کہ بنگال کے حاکم محمد خان سور نے سلطان جلال الدین خطاب رکھ کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا ہے اور

جونپور تک کا علاقہ فتح کر کے اب آگرہ اور کالپی کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اسی اثنا میں عدلی کا فرمان بھی ہیمو کو بلانے کے لیے پہنچا کہ ایک طاقتور دشمن سے مقابلہ آن پڑا ہے تم جلد آؤ۔ ہیمو نے بیانہ کے قلعے سے گھیرا اٹھا لیا اور فوراً ہی روانگی اختیار کرلی۔ جب وہ آگرہ سے چھ کوس کے فاصلے پر موضع منڈاگر میں پہنچا۔ ابراہیم نے قلعے سے نکل کر ہیمو کی فوج پر حملہ کردیا لیکن حسب معمول شکست کھا کر الور کی طرف چلا گیا۔ وہ وہاں حاجی خان سے مدد لے کر دوبارہ مقابلہ کی تیاری کرنا چاہتا تھا۔ ہیمو نے اس کا پیچھا کرنے کے لیے اپنے بھتیجے ہرپال کو کچھ فوج دے کر مقرر کیا۔

اس نے دو منزل تک اس کا تعاقب کیا اور پھر لوٹ کر اپنے لشکر میں آگیا۔ ابراہیم الور پہنچا تو حاجی خان نہ تو اس کے آنے سے خوش ہوا اور نہ اس نے اسے کسی قسم کی مدد دی۔ وہاں سے مایوس ہوکر ابراہیم خان لوٹ آیا اور اپنے بھائیوں اور رشتے داروں کو ھنڈون میں چھوڑ کر ایک مختصر سی جمیعت کے ساتھ ٹھٹھہ چلے جانے کا ارادہ کیا۔ کچھ عرصے بعد حیدر خان چغتا نے ابراہیم خان کے باپ غازی خان سے قول وقرار کر کے بیانہ بلایا لیکن اس کے آنے پر وعدے کے برخلاف اسے اور اس کے خاندن کو قتل کرڈالا۔ اس کے خاندان کا ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔

ابراہیم خان ٹھٹھہ میں

ابراہیم خان کو لوگوں میں ہر دل عزیزی حاصل تھی اس لیے بہت جلد اس کے پاس اچھا خاصا لشکر جمع ہوگیا۔ اس نے ٹھٹھہ کے حاکم رام چندر پر حملہ کردیا لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ گرفتار بھی ہوگیا۔ راجہ نے اس سے بڑا اچھا سلوک کیا اور زمینداروں کے رواج کے مطابق اس کو کمان نذرانے میں پیش کی، اس کے لیے سراپردہ شاہی اور سازوسامان مہیا کردیا۔ وہ اس کو تخت پر بٹھا کر خود ملازموں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ اس حال میں ابراہیم خان کافی عرصے تک ٹھٹھہ میں مقیم رہا۔

مالوہ کا حاکم باز بہادر

اسی دوران مالوہ کے حاکم باز بہادر 5 کی پٹھانوں سے لڑائی ہوگئی۔ پٹھانوں نے ابراہیم خان کو اپنا سردار بنا کر باز بہادر سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ کرہ کنکتہ کی رانی درگاوتی بھی ابراہیم خان کی مدد کے لیے اپنی فوج لے کر آئی، باز بہادر نے رانی سے مصالحت کی بات چیت کر کے اسے ابراہیم کی مدد سے روک دیا اور وہ اپنے علاقے کو واپس چلی گئی۔ ابراہیم بھی اس وقت مقابلے کو خلاف مصلحت جان کر اڑیسہ کی طرف چلا گیا اور وہاں کے زمینداروں کو اپنا حامی اور موافق بنالیا۔ اسی زمانے میں سلیمان کرانی نے وہاں کے راجہ کو شکست دی تھی۔ اس نے بڑے قول و قرار کے بعد ابراہیم خان کو اپنے پاس بلایا، پھر عہد شکنی کر کے اسے قتل کر ڈالا۔

گوریوں سے لڑائی

جب ہیمو دن رات کوچ کرتا ہوا عدلی کے یہاں پہنچا تو اس وقت عدلی اور محمد خان گور کالپی سے پندرہ کوس پر موضع چھپر کھٹہ میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے جمنا بہہ رہی تھی۔ محمد خان کافی ساز و سامان اور ایک بڑا لشکر لے کر آیا تھا، اس لیے لڑائی میں اس کا پلہ بھاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے بس فتح ہونے ہی والی ہے۔ لیکن جیسے ہی ہیمو دم دار ستارہ کی طرح میدان جنگ میں وارد ہوا لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہیمو کے آتے ہی لشکر نے آسانی سے جمنا کو پار کرلیا اور گوریوں کے لشکر پر جو خواب غفلت میں تھے رات میں چھپ کر حملہ کر دیا۔ اچانک حملہ سے محمد خان کے لشکری بدحواس ہوگئے اور غنیم کے مقابلے میں کچھ نہ کر سکے۔ اس معرکے میں محمد خان گور کے اکثر حامی امیر قتل ہوگئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکے، بھاگ گئے۔ محمد خان بھی وہاں سے بچ کر کسی طرح کسی جانب نکل گیا۔ اس کے بعد اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس کا سارا ساز و سامان ہیمو کو غنیمت میں مل گیا۔

عدلی کی ہلاکت

اس فتح کے بعد عدلی نے چنار میں جا کر قیام کیا اور ہیمو کو بہت سا خزانہ، بے شمار ہاتھی اور بڑی فوج دے کر مغلوں کے مقابلے پر نامزد کیا جو آگرہ اور اٹاوہ تک پیش قدمی کر کے قبضہ کر چکے تھے۔ اسی دوران محمد خان گور کے بیٹے خضر خان نے باپ کا جانشین بن کر اپنا خطاب سلطان محمد بہادر رکھا اور خطبہ وسکہ اپنے نام کا جاری کیا اور باپ کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ایک بھاری لشکر کو عدلی کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اس مقابلے میں خلاف توقع عدلی نے بڑی بہادری دکھائی اور داد مردانگی دیتے ہوئے قتل ہو گیا۔ عدلی کے قتل کا حادثہ 962ھ/1554ء میں پیش آیا۔ اس کا مادہ تاریخ ہے: گور بہ بگشت

عدلی بہ حیثیت موسیقار

عدلی حکمرانی کے اعتبار سے کیسا بھی رہا ہو، فن موسیقی اور رقص میں بڑا ماہر تھا۔ چنانچہ تان سین کلانوت جو سارے ہندستان میں اس فن کا استاد تھا اس کی شاگردی کا اقرار کیا کرتا تھا۔ سزاول خان کا لڑکا باز بہادر بھی اس فن میں بے نظیر مہارت رکھتا تھا۔ وہ بھی بڑے فخر سے کہا کرتا تھا کہ میں نے یہ فن عدلی سے سیکھا ہے۔

ایک مرتبہ دکن کا ایک سازندہ (موسیقار) ایک بلند قد آدم پکھاوج لے کر آیا تھا، اس کے دونوں طرف کسی کے ہاتھ نہیں پہنچتے تھے اس لیے کوئی اس کو بجا نہیں سکتا تھا۔ یہ پکھاوج جب عدلی کی محفل میں آیا تو وہ اس کی ترکیب کو سمجھ گیا اور تکیہ لگا کر ایک طرف ہاتھوں سے اور دوسری طرف پاؤں سے بجانے لگا۔ سب لوگ حیران رہ گئے اور اہل ہنر بے ساختہ داد دینے لگے۔

مجاہد خان بھگت

عدلی نے اپنے زمانہ امیری میں جبکہ وہ بیس ہزاری جاگیر دار تھا ایک بھگت لڑکے کو جو

نہایت خوب صورت اور نازک اندام تھا اور اپنے فن میں بھی ماہر و کامل تھا، اپنے یہاں نوکر رکھ لیا تھا۔ یہ لڑکا بدایوں کے کسی گاؤں سے عدلی کی محفل میں تماشہ دکھانے آیا تھا اور عدلی اس کی صورت اور سیرت پر فریفتہ ہوگیا تھا۔ اس وقت اس نے بھگت کو مجاہد خان کا خطاب عطا کیا تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس نے اس لڑکے کو دس ہزاری منصب عطا کیا۔ یہ لڑکا اس قدر نازک مزاج تھا کہ ایک مرتبہ اجاون کے میدان میں چوگان کھیل کر لوٹا تو راستہ میں غازی خان سور کے ڈیرے میں رکا اور کہا: ''مجھے بھوک لگی ہے'' غازی خان نے کہا آجاؤ کھانا تیار ہے، لیکن جب کھانا سامنے آیا تو قلیہ کی مہک سے ہی اسے غش آنے لگا اور وہ وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس کے طہارت خانے میں اس قدر کافور ڈالا جاتا تھا کہ بھنگی روزانہ دو تین سیر کافور اٹھا کر لے جاتے تھے۔ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اس کا رنگ سرخ زرد اور سبز ہو جاتا تھا اور حالت غیر ہو جاتی تھی۔ اس نزاکت اور آرام طلبی کے باوجود وہ نماز کا بڑا پابند تھا۔ کبھی اس کی نماز اور روزہ قضا نہیں ہوا اور اس نے کبھی کوئی نشہ نہیں کیا۔ زمانہ کی کارستانیاں دیکھیے کہ جس وقت یہ نازک اندام لڑکا مرا، اسے دو گز کفن تک نصیب نہ ہوا اور اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ اس کی لاش کس خاک میں جا کر ملی۔

عدلی کے بعد ہی ہندستان کی سلطنت پٹھانوں کے ہاتھ سے نکل کر مغلوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی۔

ہمایوں کی دوبارہ ہندستان واپسی

ہمایوں نے کابل کے راستے دوسری بار ہندستان پر حملہ کیا اور سکندر سے ایک سخت لڑائی لڑکر کامیابی حاصل کی۔ جس وقت ہندستان کی سلطنت ہمایوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے بھائیوں میں باہمی اختلاف حد سے زیادہ بڑھ گیا تو ہمایوں نے پنجاب سے رخصت ہوجانا ہی مناسب جانا۔ ہندستان سے نکل کر اس نے بھکّر کی تسخیر کا ارادہ کیا اور اس سے قریب قصبہ روھڑی میں اپنی لشکر گاہ قائم کی۔ مرزا ھندال بھی سندھ سے نکل کر بھکر سے پچاس کوس کے فاصلے پر قصبہ پاتتر میں غلّے کی فراوانی کے خیال سے جا ٹھہرا۔

یہاں پہنچنے کے بعد ہمایوں نے حاکم ٹھٹھہ مرزا شاہ حسین ارغون کے پاس خلوت اور گھوڑا روانہ کر کے یہ پیغام دیا کہ ''بعض ضرورتوں کی بنا پر یہاں آنا ہوا اور اب گجرات کی فتح کا مصمم ارادہ ہے لیکن یہ مہم تمھارے مشورے اور تعاون پر منحصر ہے''۔

مرزا شاہ حسین نے باتوں باتوں میں پانچ مہینے ٹال دیے اور حیلے بہانے کر کے خود بادشاہ کو بھکر سے ٹھٹھہ آنے کی دعوت دی تا کہ بالمشافہ سارے معاملات پر گفتگو ہو سکے۔

بھکّر کا محاصرہ

ٹھٹھہ کے حاکم سے یہ مراسلت 947ھ/1540ء6 میں ہوئی تھی اور اسی سال ہمایوں نے حمیدہ بانو بیگم سے نکاح کیا اور وہاں سے پانتر چلا گیا اور پانتر سے روھڑی پہنچا۔ مرزا ہندال قندھار کے حاکم قراچہ بیگ کے بلاوے پر اس کے پاس چلا گیا۔ یادگار ناصر مرزا نے بھی جو لشکر شاہی سے دس کوس پر ٹھہرا ہوا تھا قندھار چلے جانے کی ٹھان لی۔ ہمایوں نے ایک بزرگ عالم مرزا ابوالبقاء کو اس کے پاس بھیجا اور اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ جب ابوالبقاء کشتی کے ذریعے دریا پار کر رہے تھے، قلعہ بھکر میں سے ایک گروہ نے باہر نکل کر ان کی کشتی پر تیر چلانا شروع کیا۔ ایک تیر انھیں بھی لگا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ 948ھ/1541ء میں پیش آیا جس کا مادہ تاریخ ''سرور کائنات'' ہے۔ مرزا یادگار ناصر نے نصیحت و مشورہ قبول کر لیا اور بھکر ہی میں قیام کیا اور بادشاہ نے ٹھٹھہ کا ارادہ کیا لیکن شاہی لشکر کے بہت سے آدمی ٹوٹ ٹوٹ کر مرزا یادگار کے پاس چلے گئے اور مرزا کی قوت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ چونکہ محاصل کی آمدنی بہت زیادہ تھی اس لیے یہ لوگ فارغ البالی سے بسر کر رہے تھے۔

ہمایوں نے دریا پار کر کے قلعہ بھکّر7 کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کو مرزا حسین کی طرف سے برابر رسد پہنچ رہی تھی نہ صرف یہ بلکہ وہ خود بھی کشتیوں میں سوار ہو کر ہمایوں کے لشکر کی رسد کو روکنے لگا۔ شاہی فوج برابر سات ماہ تک قلعے کا محاصرہ کیے پڑی رہی لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ انھی دنوں شدت سے قحط بھی پڑا اور اہل لشکر بھوک کے مارے مرنے لگے۔ غلہ تو

میسر نہیں ہوتا تھا، ناچار جانور ذبح کر کر کے کھاتے رہے۔ آخر کار جانور بھی ختم ہو گئے۔ اس موقع پر ہمایوں نے بھکر سے مرزا یادگار ناصر کو بلایا تا کہ اس سے مدد لے کر وہ شاہ حسین کو پسپا کر کے قلعے کو فتح کر لے۔ مرزا یادگار خود تو مدد کے لیے نہیں آیا البتہ تھوڑی سی مدد بھیج دی جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

مرزا یادگار کے اس رویہ کی وجہ یہ تھی کہ مرزا شاہ حسین نے اندر ہی اندر اس کو ورغلایا تھا اور اس کو بادشاہ بنانے اور اس کے نام کا خطبہ وسکہ جاری کرنے کا وعدہ کیا تھا نیز اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دینے کا بھی اقرار کیا تھا۔ مرزا اس کے بہکانے میں آ گیا اور اعلانیہ ہمایوں کا مخالف بن گیا اور شاہی لشکر کی تمام کشتیوں کو قبضے میں لے لیا۔ ان کارروائیوں سے ہمایوں محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہو گیا۔ واپسی کے لیے کافی دن تک کشتیاں نہیں ملیں۔ آخر دو زمینداروں کی مدد سے ان کشتیوں کو جن کو مرزا یادگار نے غرق کر دیا تھا دریا سے نکلوایا گیا اور وہ ان کے ذریعہ بھکر کو پہنچا۔

یادگار ناصر اپنی حرکتوں کی وجہ سے بادشاہ سے ملتے ہوئے شرما رہا تھا۔ اس نے اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لیے شاہ حسین پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور شرمندگی کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں شرمسار حاضر ہوا بہت سے مقتولین کے سر اپنی وفاداری دکھانے کے لیے پیش کیے۔ ہمایوں نے اس کے سب سابقہ قصور معاف کر دیے لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ یادگار ناصر نے شاہ حسین کے ورغلانے سے دوبارہ بادشاہ سے مخالفت کا ارادہ کیا۔ اس دوران منعم خان بھی جسے بعد میں خان خانان کا خطاب ملا تھا لشکر سے بھاگ نکلنے کی فکر کرنے لگا لیکن یہ دونوں اپنے ان ارادوں سے باز رہے۔

راجہ مالدیو کا بلاوا

اس زمانے میں مارواڑ کے راجہ مالدیو نے ہمایوں کے پاس متعدد عریضے لکھ کر اسے آنے کی دعوت دی۔ ہمایوں نے بھی ان حالات میں بھکر اور ٹھٹھہ کا قیام مناسب نہ جانا اور جیسلمیر کے راستے مارواڑ چلا گیا۔ واپسی کے وقت راجہ جیسلمیر 8 نے اس کا راستہ روکنا چاہا

لیکن تھوڑی سی لڑائی کے بعد ہی وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ جس جنگل سے لشکر گزر رہا تھا وہ ایسا بے آب و گیاہ صحرا تھا کہ پینے کے لیے میلوں تک پانی کا قطرہ بھی نہیں ملا اور سارے لشکر والے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی کنواں نظر آ جاتا تو سپاہی ا س طرح ہجوم بنا کر حملہ کرتے کہ اچھا خاصا دنگا و فساد ہو جاتا تھا اور پیاس کے مارے بہت سے تو کنویں میں کود پڑتے تھے اور کنواں ان گرنے والوں سے بھر جاتا تھا۔ ہمایوں نے اس حالت کو دیکھ کر یہ شعر کہا تھا:

چنان زد چاک ھا گردون لباس دردمندان را
کہ نی دست آستین می باید ونی سرگریبان را

۔بچے تمام لشکریوں کے ساتھ ہمایوں جیسلمیر کے جنگلوں کو پار کر کے مارواڑ کے قریب پہنچا اور اتکہ خان کو راجہ مالدیو کے پاس بھیج کر اس کی واپسی کے انتظار میں جودھ پور میں ٹھہر گیا۔ اس لیے مالدیو ہمایوں کو بلا کر سخت پریشان اور پشیمان تھا۔ اس نے اتکہ خان کو عذر حیلے کر کے اپنے پاس کچھ عرصے تک روکے رکھا۔ آخر کار ایک فوج استقبال کے بہانے ہمایوں کو گرفتار کر کے لانے کے لیے بھیج دی۔ اتکہ خان راجہ کے ارادوں کو تاڑ گیا تھا۔ چنانچہ وہ اجازت لیے بغیر ہی کوچ کر کے لشکر میں پہنچ گیا اور ہمایوں کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔ ہمایوں نے فوراً ہی امرکوٹ کی طرف کوچ کر دیا۔ اسی راستے میں مالدیو کے دو جاسوس بھی لشکر گاہ میں داخل ہو گئے تھے، جب وہ پکڑے گئے تو بادشاہ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا۔ ان دونوں میں سے ایک کے پاس چھری تھی اور ایک کے پاس خنجر، چونکہ دونوں جان سے مایوس ہو گئے تھے اس لیے نڈر ہو کر انھوں نے حملہ کر دیا۔ مرد، عورت اور گھوڑا جو ان کے سامنے آیا اسے قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح ان کے ہاتھوں بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس ہنگامے میں ہمایوں کا گھوڑا بھی ہلاک ہو گیا۔ ہمایوں نے سواری کے لیے تردی بیگ سے دو تین گھوڑے اور اونٹ مانگے۔ اس نے اس موقعے پر بڑی کنجوسی دکھائی اور سواری کے لیے کوئی جانور نہ دیا۔ مجبوراً ہمایوں ایک اونٹ پر سوار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر

ندیم کوکہ سے نہ رہا گیا اوراس نے وہ گھوڑا جس پر اس کی ماں سوار تھی بادشاہ کو دے دیا اور اپنی ماں کو ہمایوں کے اونٹ پر سوار کردیا۔ وہ خود اس تپتے ہوئے ریگستان میں جو آگ کا تنور تھا پیدل ہی سفر کرتا رہا۔ اس سفر کی یہ منزل بڑی مشکل تھی کیوں کہ مالدیو کی آمد کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اس پریشان حال قافلے نے ایک محفوظ جگہ دیکھ کر رات بسر کی۔

ہمایوں کا جنگل کا سفر

پوری رات مالدیو کے سپاہی ان کی تلاش میں جنگل میں بھٹکتے رہے، جب صبح ہوئی اور کوچ کیا گیا تو اتفاق سے ہمایوں اپنے بائیس آدمیوں کے ساتھ جن میں منعم خان اور روشن بیگ کوکہ بھی شامل تھے، لشکر سے کٹ کر جدا ہوگیا تھا۔ اسی عالم میں مالدیو کی فوج کا ایک دستہ ان کے سر پر آپہنچا۔ ان بائیس آدمیوں نے بڑی ہمت کے ساتھ مقابلے کا عزم کرلیا، پہلے ہی حملہ میں مالدیو کے فوج کے سردار کو ایسا تیر لگا کہ وہ اسی وقت گر کر ختم ہوگیا۔ اس کی ہلاکت سے بھگدڑ سی مچ گئی اور بہت سے سپاہی مارے گئے۔ اس فتح سے ہمایوں کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا، غنیمت میں بہت سے اونٹ بھی ہاتھ آگئے تھے۔ یہاں سے ہمایوں نے بہت سا پانی لشکر میں ذخیرہ کرالیا اور آگے بڑھا۔

تیسرے دن ایک مقام پر پہنچے، وہاں ایک کنواں تھا لیکن پانی بہت زیادہ گہرائی میں تھا۔ لشکریوں کو تین منزل تک پانی نہیں ملا تھا، پیاس کے مارے ان کا برا حال ہورہا تھا۔ اب جو پانی ملا تو لالچ کے مارے سب نے اتنا پی لیا کہ بہت سے آدمی، گھوڑے اور اونٹ مرگئے۔ بیابان ایسا خطرناک تھا کہ اس کی انتہا حد خیال سے بھی پرے معلوم ہورہی تھی۔ مجبوراً ہمایوں نے امرکوٹ چلے جانے کا فیصلہ کیا جو ٹھٹھہ سے سوکوس کے فاصلے پر ہے۔

امرکوٹ میں قیام

امرکوٹ کا راجہ جس کا نام رانا تھا اپنے بیٹوں کے ساتھ استقبال کے لیے آیا اور

ہمایوں کی بڑی خاطر تواضع کی۔ یہاں پہنچ کر ہمایوں کو کچھ سکون نصیب ہوا، اس نے خزانے کا منہ کھول دیا اور جو کچھ روپیہ اور مال تھا وہ سب لوگوں میں تقسیم کر دیا جن کو نہ مل سکا انھیں ہمایوں نے تردی بیگ وغیرہ سے قرض لے کر دیا۔ کافی سونا، نقد، کمر پٹکے رانا کے بیٹوں کو انعام میں عطا کیے۔ رانا کے باپ کو مرزا شاہ حسین ارغون نے قتل کر دیا تھا اس انتقام کے لیے رانا نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی اور ہمایوں کو اس پر فوجی حملے کی ترغیب دی۔ ہمایوں نے اپنا سارا ساز و سامان بیگم بادشاہ کے بھائی خواجہ معظم کو اپنا نائب بنا کر امرکوٹ میں چھوڑ دیا اور خود بھکر کی طرف کوچ کر گیا۔

اکبر کی ولادت

امرکوٹ میں بروز اتوار 5 رجب المرجب 949 ھ/1542ء کو شاہزادہ اکبر پیدا ہوا۔ تردی بیگ نے اسی جگہ ہمایوں کو فرزند کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ ہمایوں نے بچے کا نام اکبر رکھا اور جب وہ چول کے مقام پر پہنچا تو بیٹے کو بلوا کر اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔اس سفر میں ہمایوں کے لشکر میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک کر کے لوگ لشکر سے بھاگ رہے تھے، یہاں تک کہ منعم خان بھی ساتھ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ انہی دنوں گجرات سے بیرم خان آ کر ہمایوں کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

ان پریشان کن حالات میں ہمایوں نے ہندستان میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا اور قندھار جانے کا ارادہ کر لیا۔ مرزا شاہ حسین سے اس سفر کے لیے کچھ کشتیاں اور اونٹ مانگے۔ اس نے بھی ہمایوں کے ٹل جانے کو غنیمت جانا اور فوراً انتیس کشتیوں اور تین سو اونٹوں کا انتظام کر دیا اور ہمایوں سندھ پار کر کے ہندستان سے رخصت ہو گیا۔

بھائیوں کی سازش

اس زمانے میں مرزا کامران نے قندھار کو مرزا ھندال سے چھین کر مرزا عسکری کے

حوالے کردیا تھا اور اس کے بجائے مرزا ھندال کو غزنی کی حکومت دے دی تھی۔ چند روز بعد مرز ا ھندال کو بھی قندھار سے علاحدہ کردیا تھا اور مرزا ھندال نے امور سلطنت سے کنارہ کشی کر کے درویشی اختیار کرلی تھی۔ جس وقت ہمایوں قندھار کی طرف چلا، مرزا کامران نے شاہ حسین کے بہکانے سے مرزا عسکری کو لکھا کہ" ہمایوں قندھار کی طرف آرہاہے جس طرح ممکن ہو اسے گرفتار کرلو"۔ جب ہمایوں شال مشا تنگ کے مقام پر پہنچا تو مرزا عسکری نے اس کا راستہ روکنے کے لیے کوچ کیا اور ہمایوں کے لشکر کی مخبری کے لیے ایک اوزبک چولی بہادر نامی آدمی کو مقرر کیا۔ چولی بہادر نے آدھی رات کے وقت بادشاہ کے لشکر میں آکر بیرم خان کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔ بیرم خان نے اسی وقت ہمایوں کو ساری کیفیت کی اطلاع دی۔ بھائیوں کی اس سازش کی وجہ سے ہمایوں نے کابل اور قندھار کا ارادہ ترک کر دیا اور صرف بائیس آدمیوں کو ساتھ لے کر جن میں بیرم خان اور خواجہ معظم بھی شامل تھے عراق کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت ہمایوں نے تردی بیگ سے چند گھوڑے طلب کیے، بیگ نے بخل سے کام لے کر نہ صرف یہ کہ گھوڑے نہیں دیے بلکہ ہمایوں کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔

اکبر کی گرفتاری

شاہزادہ اکبر کی عمر اس وقت ایک سال کی تھی۔ ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی تھی اور راستے میں پانی نہ ملنے کا بھی خطرہ تھا، اس لیے ہمایوں نے شاہزادے کو اتکہ خان کے سپرد کر کے لشکر گاہ ہی میں چھوڑ دیا اور بادشاہ بیگم کو اپنے ہمراہ لے کر رخصت ہوگیا۔ ہمایوں کے جاتے ہی مرزا عسکری نے حملہ کر کے اس کے لشکر کو لوٹ لیا اور تردی بیگ کو گرفتار کرلیا۔ شاہزادہ اکبر کو بھی اپنے ساتھ قندھار لے جاکر اپنی بیوی سلطان بیگم کے سپرد کردیا۔ یہ واقعات 950ھ/1543ء میں پیش آئے۔

ہمایوں طہماسپ کی پناہ میں

اس سفر میں بھی ہمایوں کو عجیب وغریب واقعات سے دوچار ہونا پڑا، اور وہ ہزار دِقت سے سیستان سے نکل کر خراسان پہنچا، جہاں شاہ طہماسپ کے بڑے بیٹے سلطان محمد مرزا سے ملاقات کی اور وہاں بادشاہی سازوسامان اور اسباب سفر مہیا کر کے مشہد مقدس روانہ ہوا۔ شاہ طہماسپ کے حکم سے ہر منزل پر مقامی حکام ہمایوں کے استقبال کے لیے آتے تھے اور اس کی دعوت و خاطرداری کا انتظام کرتے تھے۔

ہمایوں نے پہلے ہی شاہ طہماسپ کی خدمت میں بیرم خان کو روانہ کردیا تھا اس کے ذریعے طہماسپ نے ہمایوں کے نام خوش آمدید کا ایک خط ارسال کیا تھا۔ غرض بمقام ٹیلاق ان دونوں بادشاہوں کی ملاقات ہوئی۔ دونوں بڑے تپاک سے ملے۔ گفتگو کے دوران طہماسپ نے ہمایوں سے شکست کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اصل وجہ بھائیوں کی مخالفت ہے۔ اس وقت طہماسپ کا بھائی بہرام مرزا بھی موجود تھا۔ ہمایوں کی یہ بات اسے بری لگی اور وہ اس وقت سے ہمایوں کا دشمن بن گیا۔ اس نے طہماسپ سے کہا کہ ''یہ اس باپ کا بیٹا ہے جس نے اوزبکوں کے مقابلہ میں کئی ہزار قزلباشوں کو اپنے ہمراہ لے جاکر ہلاک کرادیا تھا''۔

اس کا اشارہ اصل میں اس واقعے کی طرف تھاجبکہ بابر نے شاہ اسماعیل نجم اول سے سترہ ہزار قزلباش سوار اوزبکوں کے خلاف لڑنے کے لیے حاصل کیے تھے۔ اس مہم میں جب اس نے قلعہ نخشب عرف کش کا محاصرہ کیا تھا تو ایک تیر پر یہ شعر لکھ کر قلعے میں بھیجا تھا:

صرف راہ ازبکان کردیم نجم شاہ را
گرگناھی کردہ بودم پاک کردم راہ را

مزید سلمان کے ایک قطعہ پر تضمین بھی لکھ کر بھیجی:

از خدا امیدوارم شاہ باما آن کند
آنچہ باسلمان علی دردشت ارزن کردہ است

یہ دونوں شعر طہماسپ کو بہت پسند آئے اس پر بہن کی حمایت اور سفارش کہ اس نے ڑے معقول دلائل سے بادشاہ کو ہمایوں کی حمایت اور اعانت پر آمادہ کردیا تھا۔ غرض لہماسپ نے خوش ہوکر بڑے جشن منعقد کرائے اور ہمایوں کے لیے شاہانہ ساز وسامان تیار کرادیا اور اسے شیعہ مسلک قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس مسئلہ پر ہمایوں سے بڑے باحثے ہوتے رہے۔ آخر ہمایوں نے کہا" اپنے سارے عقائد ایک کاغذ پر لکھ کر لاؤ"۔ نب بادشاہ کے آدمی لکھ لائے تو ہمایوں نے اس کاغذ کے مضمون کو پڑھ کر سنادیا اور خطبے میں ئیعوں کے مسلک کے مطابق بارہ اماموں کے نام بھی دہرادیے۔

ہمایوں کی مدد

ان تکلفات کے بعد طہماسپ نے دس ہزار سواروں کو اپنے بیٹے شاہ مراد کی سرکردگی بں ہمایوں کی مدد کے لیے مقرر کیا۔ شاہ مراد چونکہ شیر خوار لڑکا تھا اس لیے بداغ خان نزلباش کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ قزلباش اور ہمایوں جدا جدا راستوں سے جاکر قندھار پر حملہ کریں اور جب قندھار فتح ہو جائے تو اسے شاہ مراد کے قبضے میں ے دیا جائے۔

غرض ہمایوں طہماسپ سے رخصت ہوکر اردبیل اور تبریز کی سیر کرتے ہوئے تنہا شہد پہنچا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت اکیلا وہ روضہ مبارک میں گھوم رہا تھا کہ اسے دیکھ کر یک زائر نے دوسرے سے چپکے سے پوچھا "کیا ہمایوں بادشاہ یہی ہے"۔ دوسرے نے کہا "ہاں" پہلے زائر نے ہمایوں کے قریب ہوکر اس کے کان میں کہا "اب بھی خدائی کادعوی کرے گا"۔ اس کا اشارہ اس طرز عمل کی طرف تھا جو ہمایوں نے بنگال میں اختیار کیا تھا۔ وہاں وہ چہرے پر نقاب ڈالا کرتا تھا، جب نقاب اٹھایا تو لوگ کہتے تھے تجلی

ہوگئی۔ جب کسی معرکے کے بعد تلوار کو دریا میں دھوتا تھا تو فخریہ کہا کرتا تھا ''اب ہماری تلوار کا کون مقابل بن سکتا ہے''۔ وہاں سے آگرہ پہنچنے کے بعد اپنی تعظیم کے لیے زمین بوسی کی رسم شروع کرادی تھی۔ آخر امیر ابوالبقا اور دوسرے امیروں اور وزیروں نے تعظیم وتسلیم کے عام طریقے کو بحال کرادیا۔

قزلباشوں کا حملہ

وعدے کے مطابق قزلباش سرداروں نے تمام گرم سیر علاقوں پر فوج کشی کر کے قبضہ کرلیا۔ جب وہ قندھار کے سامنے پڑاؤ ڈالے پڑے تھے تو ہمایوں بھی پانچ دن بعد وہاں پہنچ گیا۔ مرزا عسکری محصور ہوگیا تھا۔ قزلباشوں سے اس کی برابر تین ماہ تک لڑائی ہوتی رہی، دونوں طرف کے بہت سے آدمی ان مقابلوں میں مارے گئے۔ اسی اثناء میں ہمایوں نے بیرم خان کو ایلچی بنا کر کابل کی طرف مرزا سلمان بدخشی اور مرزا یادگار ناصر کے پاس بھیجا۔ یادگار ناصر بھکّو سے پریشان ہوکر وہاں پہنچ گیا تھا۔

قندھار کی فتح

قزلباشوں کو پہلے یہ غلط فہمی تھی کہ ہمارے جاتے ہی چغتائی امیر ڈر جائیں گے اور اطاعت قبول کرلیں گے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ محاصرہ برابر طویل ہوتا جارہا ہے اور اس دوران کافی آدمی ہلاک ہوچکے ہیں۔ عسکری کی مدد کے لیے مرزا کامران کے آنے کی خبر بھی اڑ رہی ہے تو وہ بددل ہوگئے اور واپس ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ قزلباش چلے جاتے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ بعض امیر جیسے محمد سلطان مرزا، الغ مرزا اور مرزا حسین خان وغیرہ کامران سے ناراض ہوکر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ مؤید بیگ بھی جو قلعہ قندھار میں قید تھا کسی طرح چھوٹ کر بادشاہ کے پاس آگیا۔ ہمایوں نے اس پر خاص طور سے بڑی عنایت کی۔ مرزا عسکری نے جب لوگوں کو اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر ہمایوں کے پاس

جاتے دیکھا تو گھبرا گیا اور خود بھی امان طلب کر کے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے قصور معاف کر دیے:

درعفو لذتی ست کہ درانتقام نیست

(معاف کرنے میں جو مزہ ہے وہ انتقام میں نہیں)

صورت حال کی اس تبدیلی کے بعد ہمایوں نے قزلباشوں سے کہا کہ چغتائی لشکر کے اہل و عیال اور شہر کے باشندوں سے تین دن تک کوئی مزاحمت نہ کرو تا کہ وہ سب شہر سے نکل جائیں۔ اس وقت ہمایوں کے قبضے میں کوئی ملک نہیں تھا لیکن مذکورہ معاہدے کے مطابق بداغ خان اور مرزا مراد کو قندھار کے قلعے میں لے جا کر سارا علاقہ انہی کے حوالے کر دیا۔ قندھار کے فتح کے بعد اکثر قزلباش امیر عراق لوٹ گئے۔ مراد کے ساتھ بداغ خان کے علاوہ دو چار امیر رہ گئے۔

جب سردیوں کا موسم شروع ہوا تو ہمایوں نے اپنے لشکر کے امیر کے لیے بداغ خان سے کسی محفوظ مقام دینے کا مطالبہ کیا۔ اس نامعقول شخص نے اس کے جواب میں نامناسب باتیں کہیں۔ اس اختلاف کی جب خبر پھیلی تو اکثر چغتائی امیر ڈر کر ہمایوں کے لشکر سے نکل بھاگے ان میں مرزا عسکری بھی شامل تھا لیکن اسے راستہ ہی میں گرفتار کر لیا گیا اور ہمایوں نے اسے قید میں ڈال دیا۔

قزلباشوں کی پسپائی کے اسباب

ہمایوں سے قزلباشوں کے اس اختلاف کے بعد متعدد ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ قندھار قزلباشوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اول تو یہ کہ چغتائی امراء نے ہمایوں کو مشورہ دیا کہ سردیاں گزارنے کے لیے فی الحال قزلباشوں سے قندھار چھین لیا جائے اور جب کابل و بدخشاں فتح ہو جائیں تو ان کو اس سے زیادہ علاقہ بطور تلافی عطا کر دیا جائے۔ دوسرا بڑا

سبب یہ ہوا کہ قزلباشوں کے شیر خوار شہزادے مرزا مراد کا اسی اثناء میں انتقال ہوگیا۔

تیسرا سبب قزلباشوں سے لوگوں کی وہ عام ناراضگی تھی جو انھوں نے شہر والوں پر مظالم ڈھا کر اور چغتائی امراء پر قلعے میں داخلہ بند کر کے مول لے لی تھی۔

چوتھا سبب وہ ہنگامہ تھا جو خود بخود اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

قزلباشوں پر حملہ

یہ واقعہ اس طرح رونما ہوا کہ ایک مرتبہ ایک رافضی یادگار ناصر مرزا کے سامنے جوھندال مرزا کو ساتھ لے کر کامران کے پاس سے یہاں بھاگ آیا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق صحابہؓ سے نفرت کرنے لگا تھا۔ یادگار ناصر گستاخی برداشت نہ کر سکا اور اس نے رافضی کو ایسا تیر مارا کہ وہ اس کا سینہ توڑ کر نکل گیا اور وہ اسی وقت مرگیا۔ اس وقت حاجی محمد خان کو کہ اپنے دونوکروں کے ہمراہ بار برداری کے اونٹ لے کر رسد لینے کے بہانے قلعے میں داخل ہوا اور دروازے کے محافظوں پر حملہ کر کے انھیں قتل کرنے لگا۔ اس کی مدد کے لیے دوسرے بہت سے چغتائی امیر بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان حملہ آوروں میں الغ بیگ اور بیرم خان بھی شامل تھے۔ اس اچانک حملے سے قزلباش بدحواس ہوکر پیچھے ہٹ گئے اور قلعے میں چغتائی لشکری داخل ہوگئے۔ قزلباشوں کی شیخی کی کرکری ہوگئی۔ جب ہمایوں بادشاہ قلعے میں داخل ہوا تو بداغ خان کو سخت مضطرب اور پریشان دیکھا، اسے جلد ہی عراق کی طرف رخصت کر دیا۔ قندھار کے شہریوں نے بہت سے قزلباشوں کو گلی کوچوں میں گھیر کر قتل کر دیا۔

کابل کی فتح

قندھار پر قبضے کے بعد ہمایوں نے وہاں کی حکومت بیرم خان کے حوالے کر کے کابل کی طرف کوچ کر دیا۔ ہمایوں کے مقابلے میں مرزا کامران بھی آگئے تھے، بڑھ کر مقابل ہوا لیکن حال یہ تھا کہ لشکر میں سے ہر روز ایک دو نامی گرامی امیر بھاگ کر ہمایوں کے سایہ میں

آجاتے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مرزا کامران کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس نے بہت سے علماء اور مشائخین کو واسطہ بنا کر بھائی سے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ ہمایوں نے اس شرط پر کہ وہ لشکر شاہی میں حاضر ہو جائے اس کے سارے قصور معاف کر دیے۔ مگر کامران کے دل میں چور تھا اس لیے وہ ہمایوں کے سامنے آتے ڈر رہا تھا۔ چنانچہ بجائے حاضر ہونے کے وہ کابل کے قلعے میں بند ہو گیا اور وہاں سے راتوں رات غزنی کی طرف بھاگ گیا۔ س کی ساری فوج لشکر شاہی میں ملالی گئی۔ بادشاہ نے کامران کے تعاقب میں تو مرزا ھندال کو روانہ کیا اور خود کابل شہر میں داخل ہوا۔ ایک مدت کے بعد اپنے چہیتے شاہزادے کبر کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کیں۔

کابل کی فتح 10 رمضان المبارک 952 ھ/1545ء کو ہوئی۔ اس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

"بی جنگ گرفت ملک کابل ازوی"

(بغیر جنگ کیے ہی ملک کابل کو اس سے چھین لیا)

ہمایوں کے حملے کے سامنے کامران کے قدم غزنی میں بھی ٹک نہ سکے اور وہ جلد ہی ھکّو کی طرف بھاگ گیا۔ مرزا شاہ حسین نے جس کی بیٹی کامران کے نکاح میں تھی اس کی مدد کی۔ اس موقعے پر مرزا یادگار ناصر بھی فرار ہو جانے کی فکر میں تھا۔ ہمایوں کو جب اس کے ارادوں کی خبر ہوئی تو اس نے اسے قتل کرا دیا۔

ہمایوں نے کابل سے بدخشاں کی تسخیر کے ارادے سے کوچ کیا۔ اس دوران کابل کو خالی پا کر کامران نے فوج کشی کی اور شہر پر قبضہ کر لیا اور ہمایوں کی بیگمات اور شاہزادہ اکبر کو قید کر لیا۔

کامران سے آخری جنگ

ہمایوں نے بدخشاں کی حکومت مرزا ھندال کو دی تھی، بعد میں اس سے لے کر

دوبارہ مرزا سلیمان کے حوالے کردی اورخود نہایت تیزی سے کابل کی طرف لوٹ گیا۔
کابل سے باہر کامران کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ پسپا ہوکر قلعے میں بند ہوگیا۔ سخت محاصرے کی وجہ سے اس کے حالات خراب سے خراب تر ہوگئے۔ اس دوران اس نے انتہائی سنگ دلی سے کام لے کر چند بار شاہزادہ اکبر کو قلعہ کے اس کنگرہ پر جو بندوقوں اور توپوں کا نشانہ تھا بٹھا دیا، لیکن ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' اکبر کی جان ہر بار سلامت ہی رہی۔ دونوں بھائیوں کی اس لڑائی میں منافق امیروں اور سرداروں کی سرگرمیاں بس دیکھنے کے لائق تھیں، وہ کبھی اس طرف ہوجاتے تو کبھی دوسرے کے جھنڈے تلے پہنچ جاتے تھے۔ اس معرکے میں دونوں طرف سے بہت آدمی ہلاک ہوئے۔ جب کامران ہرطرح سے مجبور ہوگیا تو بھیس بدل کر قلعے سے باہر نکل آیا۔ اس کے تعاقب پر حاجی محمد خان ایک جمعیت کے ساتھ نامزد کیا گیا تھا۔ جب وہ تعاقب کرتے ہوئے مرزا کے قریب پہنچا تو کامران نے اس سے کہا ''تیرے باپ بابا قشقہ کو کیا میں نے ہی قتل کیا تھا؟'' حاجی محمد خان پرانا تجربہ کار سپاہی تھا، یہ فقرہ سن کر اس نے کامران کو نکل جانے دیا اور واپس ہوگیا۔ کامران کے فرار ہوجانے کے بعد شاہزادہ اکبر صحیح سلامت باپ کو مل گیا۔

کامران مرزا نے یہاں سے بھاگ کر بلخ کے حاکم پیر محمد کے پاس پناہ لی اور اس سے مدد لے کر بغیر لڑے سلیمان مرزا اور اس کے بیٹے ابراہیم مرزا سے بدخشاں کے بعض علاقے چھین لیے۔ اسی زمانے میں قراچہ بیگ نے جو ان خاص مہمات میں نمایاں کارنامے انجام دے چکا تھا بعض احمق امیروں کے ساتھ مل کر بادشاہ سے مناسب مطالبے کرنے لگا لیکن جب ان امیروں کی غرض پوری نہ ہوئی تو یہ بدخشاں کی جانب چلے گئے۔

ان چند برسوں میں کابل شورشوں اور انقلاب کا مرکز بنا رہا۔

کامران کی وعدہ خلافی

اس دوران ایک سے زیادہ مرتبہ مرزا کامران نے مخالفت اختیار کی اور ہر مرتبہ حاضر ہوکر معافی چاہی۔ ہمایوں نہایت بامروت شخص تھا، اس نے ہر مرتبہ بھائی کے قصور کو معاف

کردیا اور اپنا دل اس کی طرف سے صاف کرلیا۔ آخر میں کامران نے خود حاضر ہوکر مکہ معظمہ چلے جانے کی اجازت طلب کی لیکن ہمایوں نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور اسے بدخشاں کی حکومت پر مامور کر کے خود بلخ کی طرف لشکر لے کر چلا گیا۔ وہاں پیر محمد اور شاہ اوزبک عبداللہ خان کے لڑکے عبدالعزیز خان کو شکست دی۔ اس کے اپنے امیروں میں اس وقت بڑی مخاصمت پیدا ہوگئی تھی اور کامران کی طرف سے بھی دل مطمئن نہیں تھا اس لیے ہمایوں وہاں سے جلد ہی کابل لوٹ آیا۔

کامران کی وفات

کامران نے حسب عادت پھر وعدہ خلافی کی لیکن شکست کھا کر ہندستان میں سلیم شاہ کے پاس مدد لینے کے لیے بھاگ گیا۔ یہاں سے بھی اسے مایوس ہوکر واپس ہونا پڑا۔ واپسی کے وقت وہ آدم کھکر کے ذریعہ گرفتار ہوکر ہمایوں کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ ہمایوں نے اس کی جان بخشی تو کردی تھی لیکن اسے اندھا کردیا۔ کچھ عرصہ بعد کامران ہجرت کر کے مکہ چلا گیا وہاں اس نے چار حج کیے اور اسی جگہ فوت ہوا۔ مولانا قاسم کاھی 9 نے اس کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

کامران آنکہ بادشاھی را
کس ندید ست ھمچو او در خورد
شد ز کابل بہ کعبہ و آنجا
جان بحق داد تن بخاک سپرد

گفت تاریخ او چنین کاھی
بادشہ کامران بہ کعبہ مرد

اسی کے متعلق اویسی 10 شاعر کی تاریخ ہے:

شہ کامران خسرو نامدار
کہ در سلطنت سر بہ کیوان رساند
مجاور شد اندر حرم چار سال
بکل دل از قید عالم رھاند

مرزا کامران نہایت باہمت، بہادر، سخی، خوش مزاج اور خوش اعتقاد شخص تھا۔ ہمیشہ اس کی صحبتوں میں علماء اور فضلاء حاضر رہتے تھے، وہ خود بھی اچھا شاعر تھا۔ اس کے شعر کافی مشہور ہیں۔ ایک زمانے میں ایسا پرہیز گار ہوگیا تھا کہ اپنے ملک میں انگور کی کاشت تک کی ممانعت کرادی تھی، اگرچہ بعد میں خود بھی بکثرت مے نوشی کرنے لگا تھا۔ آخر میں تمام باتوں سے توبہ کرکے نہایت پارسائی کی حالت میں انتقال کیا اس کی وفات 924 ھ/1518ء میں ہوئی۔

کابل کی آخری لڑائی میں قراچہ خان مارا گیا اور مرزا عسکری گرفتار ہوگیا۔ خواجہ جلال محمود دیوان نے اسے بدخشان لے جاکر مرز اسلیمان کے حوالہ کردیا وہاں چند روز قید میں رہنے کے بعد اسے رہائی ملی۔ مرزا سلیمان نے بعد میں اسے بلخ بھیج دیا تھا، وہاں سے وہ مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوا لیکن شام اور مکہ کے درمیانی جنگل میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وفات کا مادہ تاریخ ہے:

''عسکری بادشاہ دریادل''

ہندال کا قتل

مرزا ہندال کا انجام یہ ہوا کہ جب کامران نے آخری بار شکست کھائی اور ہندستان میں جاکر پٹھانوں کے پاس پناہ لی تو اسی دوران میں کسی موقعے پر کامران نے ہندال کے

لشکر پر رات میں حملہ کیا اور وہ اسی حملے میں قتل ہو گیا۔

یہ واقعہ 958ھ/1551ء میں پیش آیا۔ اس کی تاریخ لفظ ''شب خون'' سے نکلتی ہے۔

ہمایوں نے مرزا ھندال کا سارا مال واسباب شاہزادہ اکبر کو عطا کیا اور غزنی اور اس کے ارد گرد کے علاقے بھی اس کو بطور جاگیر عطا کر دیا۔

اسی دوران سلیم شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہندستان میں اس کی وفات کے بعد بڑی بدامنی پھیل گئی تھی۔ جب ہمایوں کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے دوبارہ ہندستان پر حملہ کرنے کا ارادہ بنالیا۔

انہی دنوں لوگوں نے چغلیاں کھا کھا کر ہمایوں کو بہرام خاں کی طرف سے ناراض کر دیا۔ چنانچہ ہمایوں نے بجائے ہندستان کے قندھار کی طرف پہلے چڑھائی کی۔ وہاں خود بادشاہ کے استقبال کے لیے حاضر ہو گیا۔ اس کی خیر خواہی بخوبی ظاہر ہو گئی اور معلوم ہوا کہ اہل غرض نے اس کے خلاف جو کچھ کہا تھا سب جھوٹ تھا۔

مولانا زین الدین محمود

اس مرتبہ ہمایوں جو قندھار گیا تو بیرم خان کی معرفت اس نے مولانا زین الدین محمود کمان گر بہدائی'' سے ملاقات کی۔ مولانا ممدوح خراسان کے ایک موضع بہدا کے رہنے والے تھے۔ اکثر بزرگوں اور عالموں کی صحبت میں رہ چکے تھے، چنانچہ وہ مولانا جامی اور مولانا عبدالغفور سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ مولانا فن نقاشی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ لیکن وہ اپنے اس کمال کو لوگوں سے چھپائے رکھتے تھے۔ بیرم خان ان کا شاگرد تھا اور ہمیشہ ان کے درس میں حاضر رہا کرتا تھا۔ کبھی کبھی یوسف زلیخا کے درس میں بیرم خان مداخلت کرنے لگتا تھا تو مولانا فرماتے تھے'' بیرم خان کیا تو نے دنیا میں اپنے لیے کوئی اور یوسف زلیخا بنالی ہے''؟

ایک مرتبہ ہمایوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کھانا پکوایا اور مولانا کی دعوت کی۔ ہاتھ دھلانے کے وقت ہمایوں نے خود اپنے ہاتھ میں چراغ اٹھالیا اور طشت بیرم

خان نے سنبھالا۔ اس وقت مولانے سید جمال الدین محدث کے پوتے میر حبیب اللہ کی طرف اشارہ کر کے ہمایوں سے کہا "اس کو بھی جانتے ہو یہ کون ہے؟"۔ ہمایوں کو ان کے سامنے بھی چراغ لے جانا پڑا۔ میر صاحب گھبرا گئے اور تھوڑا سا پانی جلدی جلدی میں اپنے ہاتھوں پر ڈال لیا۔ مولانا نے نہایت اطمینان کے ساتھ اچھی طرح اپنے ہاتھ دھوئے۔ اس موقعے پر ہمایوں نے مولانا سے پوچھا "کتنے پانی سے ہاتھ دھونا مسنون ہے"؟ مولانا نے فرمایا: "جس قدر پانی سے ہاتھ اچھی طرح دھل جائیں"۔ اس مجلس کے باقی لوگوں میں سے کچھ کے ہاتھ بیرم خان نے اور بعض کے قاسم خان کے داماد حسین خان نے دھلوائے اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ ہمایوں مولانا کی صحبت سے بہت خوش ہوا اور ان سے بہت کچھ استفادہ کرتا رہا، بعد میں اس نے کچھ نقدی بیرم خان کے ذریعے روانہ کی۔ مولانا کو کسی سے تحفہ لینے کی عادت نہ تھی اس لیے انھوں نے بہت انکار کیا لیکن بیرم خان نے بھی بڑے خلوص کے ساتھ اس قدر اصرار کیا کہ انھوں نے وہ رقم کراہت کے ساتھ قبول کر لی۔ لیکن اس کے عوض انھوں نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی بہت سی کمانیں جو اس رقم سے زیادہ قیمت کی تھیں بادشاہ کے پاس بھجوا دیں کہ ہدیہ ایک طرفہ نہیں دونوں جانب سے ہوا کرتا ہے۔

ایک دن بیرم خان ایک نہایت نفیس کشمیری شال ان کو تحفے میں دینے کے لیے حاضر ہوا۔ انھوں نے یہ شال ہاتھ میں لی اور فرمایا: "کتنی اچھی چیز ہے"؟ بیرم خان نے کہا: "یہ صوفیانہ شال ہے اس لیے آپ کی نذر کے لیے لے آیا ہوں"۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "میرے لیے تو اپنی دوھری بہت کافی ہے، ہاں اسے تم مجھ سے زیادہ کسی اور مستحق کو دے دو"۔

مولانا کی کرامتیں بھی بہت مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت ہمایوں کے لشکری تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے تو وہ بھی خلاف عادت وہاں پہنچ جاتے تھے اور تیر اندازی کا فن سیکھنے کے لیے لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہتے تھے: "ایک دن یہ تیر اندازی کام آئے گی"۔ ماچھی واڑہ کی لڑائی میں جو پہلے ہی حملہ میں پٹھانوں کو شکست ہوئی تو وہ صرف ہمایونی لشکر کی تیر اندازی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ غالبًا مولانا کا اشارہ اسی

معرکے کی طرف تھا۔

جس وقت بیرم خان قندھار کی حکومت علی قلی خان سیستانی کے بھائی بہادر خان کے سپرد کر کے کابل آیا تھا تو اس نے اپنی طرف سے ایک ظالم ترکمان کو گماشتہ مقرر کیا تھا۔ اس کے ظلم وستم کی خبریں روزانہ مولانا کے پاس پہنچتی تھیں۔ اتفاقاً وہ ترکمان بیمار ہوگیا تو لوگوں کو کچھ دن کے لیے اس کی زیادتیوں سے نجات ملی۔ ایک دن کسی شخص نے مولانا کی مجلس میں کہا کہ: ''اب وہ تندرست ہوکر پھر اٹھ رہا ہے''۔ مولانا نے اس شخص کو تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جلدی سے فرمایا: ''شاید قیامت کے دن ہی اٹھے گا''۔ چنانچہ دو چار دن بعد ہی وہ ظالم مرگیا۔

ہمایوں جب لوٹنے لگا تو اس نے قندھار کو بیرم خان کے بجائے منعم خان کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا، لیکن منعم خان نے کہا: ''اس وقت جب کہ آپ ہندستان پر حملے کا عزم کیے ہوئے ہیں، کسی قسم کا ردّوبدل لشکر کے لیے باعث بے رخی ہوگا۔ ہندستان کی فتح کے بعد جس طرح چاہے کیجیے''۔ ہمایوں نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور قندھار بیرم خان کے پاس اور داور بہادرخان کے پاس ہی رہا۔

ہندستان کی جانب کوچ

ان انتظامات کے بعد بادشاہ نے جنگ کا سامان تیار کیا اور ماہ ذی الحجہ 961ھ/1554ء میں کابل سے ہندستان کے ارادے سے سوار ہوگیا۔ اس کی روانگی کا قطعہ تاریخ ہے:

خسرو غازی نصیرالدین ھمایون شاہ آنکہ
گوئے سبقت بُرداز شاھان پیش پیشگی
بہر فتح ہند از کابل عزیمت کرد و شد
سال تاریخ توجہ نہ صدوشصت و یکی

اس قطعہ میں لفظی اور معنوی دونوں تاریخیں موجود ہیں۔

جب شاہی لشکر پشاور پہنچا تو قندھار سے بیرم خان بھی آ کر شامل ہوگیا۔ یہاں سے لشکر نے روزانہ مسلسل کوچ کیا اور دریائے سندھ کو پار کیا۔ ہمایوں کی ہراول فوج پر بیرم خان، خواجہ خضر خان، تردی بیگ خان اور سلطان سکندر ازبک مامور تھے۔ ہمایوں کی آمد کی خبر کو سن کر رہتاس کے حاکم تاتار خان کاسی، قلعہ چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ اس مرتبہ آدم کھوکر نے بھی لشکر میں حاضری نہ دی اور جب ہمایوں لاہور پہنچا تو وہاں کے پٹھان مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ ہراول کے امیر لاہور، تھانیسر، جالندھر اور سرھند کی طرف بے روک ٹوک بڑھتے چلے گئے۔ دیپالپور کے قریب شہباز خان اور نصیر افغانی مقابلہ کے لیے آئے لیکن شاہ ابو لمعالی اور علی قلی شیبانی سے شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اس وقت مغلوں کا ایسا ڈر بیٹھا ہوا تھا کہ ہزار ہزار پٹھان بڑے پگڑ باندھے ہوئے دس سواروں کو بھی دیکھ لیتے تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے تھے، چاہے وہ سوار لاہوری ہی کیوں نہ ہوں۔

جب ہمایوں سندھ کے اس پار ہی تھا سکندر سور نے ابراہیم سور کو شکست دینے کے بعد اٹاوہ سے عدلی شاہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ اس موقعے پر اسے خبر ملی کہ ہمایوں نے سندھ کو عبور کرلیا ہے۔ سکندر سخت پریشان تھا کیوں کہ پٹھانوں کا یہ حال تھا کہ ہر شخص ہمت ہار کر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان بچانے کی فکر میں لگا ہوا تھا اور سب یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ صرف سلیم شاہ کے بس کی ہی بات تھی کہ وہ مغلوں کے دانت کھٹے کر دیتا تھا اب ان سے مقابلہ کرنے والا کون رہ گیا ہے؟ اس عام پست ہمتی کے باوجود سکندر نے دوسرے تمام کام چھوڑ کر مغلوں سے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سکندر سور سے مقابلہ

ہمایوں کی کچھ فوج جالندھر میں پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ سکندر نے سب سے پہلے اس محاذ پر حبیب خان، نصیب خان طغوچی اور تارتار خان کاسی کو روانہ کیا اور خود بھی ان کے پیچھے کوچ کر دیا۔ سکندر کی پیش قدمی کی وجہ سے چغتائی امیر ستلج کے اس پار چلے گئے۔

پٹھانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ شام ہوتے ہوتے دونوں فوجوں میں ایک سخت لڑائی ہوئی۔ مغلوں نے قدم جما کر تیر اندازی شروع کردی۔ پٹھان اپنے خراب جنگی سازو سامان کی وجہ سے تیر اندازی کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور انھوں نے ایک ویران گاؤں میں جا کر پناہ لی۔ اس کے بعد پٹھانوں نے ایک حماقت یہ کی کہ مغلوں کے لشکر کو بخوبی دیکھنے کے لیے بہت سی آگ جلائی جس سے قدرتی طور پر معاملہ الٹا ہوگیا کہ پٹھان روشنی میں آگئے اور مغل لشکر اندھیرے میں محفوظ رہا۔ اس روشنی سے فائدہ اٹھا کر مغلوں نے تاک تاک کر تیر مارنا شروع کردیے، جو تیر بھی ان کی کمان سے نکلتا تھا، کسی نہ کسی پٹھان کی جان لے کر ہی جاتا تھا۔ آخر پٹھان شکست کھا کر بھاگے اور مغلوں نے آسانی سے یہ معرکہ جیت لیا۔ ان کا بہت کم جانی نقصان ہوا اور غنیمت میں کافی سازوسامان، ہاتھی اور گھوڑے ہاتھ آئے اس فتح کی خبر ہمایوں کو لاہور میں ملی۔

جلدی ہی سارا پنجاب، سرھند اور حصار فیروزہ تک کا علاقہ مغل فوج کے قبضے میں آگیا اور ہمایوں فاتحانہ کوچ کرتا ہوا دہلی کے قریب آپہنچا۔ اسی دوران سکندر نے بھاگے ہوئے پٹھانوں کو چاروں طرف سے جمع کرکے اسی ہزار سواروں اور بہت سے ہاتھیوں اور توپ خانہ لے کر سرھند پر حملہ کیا اور شیر شاہ کے طریقے پر اپنے لشکر کے اطراف خندق اور حصار بنا دیا۔ مغل سرھند کے دروازے بند کرکے اندر سے لڑنے لگے اور ہمایوں کو مدد کے لیے لکھا۔ ان کی مدد کے لیے ہمایوں نہایت تیزی سے حملہ کرتے ہوئے سرھند پہنچ گیا۔ یہاں کافی عرصے تک لڑائی ہوتی رہی، ہر روز خون ریز مقابلہ ہوتا تھا۔

پٹھانوں کی شکست

جس دن شاہزادہ اکبر لشکر کی رہنمائی کر رہا تھا اس دن بڑی سخت خونریز لڑائی ہوئی ایک طرف سے اکبر دوسری طرف سے بیرم خان، سکندر خان، عبداللہ خان اوزبک، شاہ ابوالمعالی، علی قلی خان اور بہادر خان آگے بڑھے اور مردانگی کے ساتھ پٹھانوں پر حملہ کیا پٹھانوں نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی اپنے حوصلے سے بڑھ کر انہوں نے بہادری دکھائی۔ تقدیر

میں فتح مغلوں کے ہاتھ لکھی تھی۔ پٹھان مغلوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر میدان سے بھاگ گئے۔ مغلوں نے ان کا پیچھا کیا۔ اس دن سارے راستے میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ غنیمت میں مغل فوج کو ہر طرح کا بے انتہا مال و اسباب بے شمار ہاتھی اور گھوڑے ملے۔ مقتول پٹھانوں کے سر اس کثرت سے ڈھیر تھے کہ ان کے مینار بن گئے۔ اسی مناسبت سے بیرم خان نے اس مقام کا نام ''سرمنزل'' رکھا تھا، یہی نام آج تک چلا آ رہا ہے اس فتح کی تاریخ ہے: ''شمشیر ہمایون''

جب سکندر لڑائی ہار گیا تو مایوس ہو کر سوالک کی پہاڑی کی طرف بھاگ گیا اور سکندر خان اوزبک ایک بڑا لشکر لے کر سامانہ کے راستے دہلی جا پہنچا، جو پٹھان دہلی میں رہ گئے تھے وہ سب منتشر ہو گئے۔ ہمایوں نے سکندر کا پیچھا کرنے کے لیے شاہ ابوالمعالی کو روانہ کیا اور خود ماہ رمضان المبارک 962ھ/1554ء میں دہلی میں داخل ہوا اور ہندستان کے ایک بڑے علاقے میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ ہندستان کے بادشاہوں میں بہت کم کو یہ قسمت نصیب ہوئی کہ ایک مرتبہ شکست کھانے کے بعد دوبارہ ان کو سلطنت مل جائے۔

اس سال ہمایوں نے بہت سے علاقے اپنے امرا کو جاگیر میں عطا کیے اور مصطفے آباد کا پرگنہ جس کا محصول سالانہ تیس چالیس ہزار تنگہ ہوتا تھا حضور اکرم کے نام پر وقف کر دیا۔ حصار فیروزہ اکبر کو جاگیر میں ملا- بابر نے بھی اپنی پہلی فتح کے وقت میں یہی مقام ہمایوں کو جاگیر میں دیا تھا۔ پنجاب کا صوبہ شاہ ابوالمعالی کے سپرد کر کے اسے سکندر کے مقابلے پر مقرر کیا گیا۔

جب سکندر نے بھاگ کر شمالی پہاڑی میں پناہ لی تھی تو ابوالمعالی کی مدد کے لیے جو دوسرے امیر مقرر کیے گئے تھے، سکندر نے ان کی جاگیروں پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ اس کی مداخلت سے سرکاری خزانہ اور خالصہ کے پرگنے بھی محفوظ نہیں تھے۔ اس کے مسلسل حملوں سے مذکورہ امیر بددل ہو چلے تھے اور سکندر کی قوت روزانہ بڑھتی جا رہی تھی۔

جب سکندر کی مداخلت اور حملے بہت بڑھ گئے تو ہمایوں نے شہزادہ اکبر کو بیرم خان کی سرپرستی میں سکندر کے مقابلے پر بھیجا اور شاہ ابوالمعالی کو حصار فیروزہ پر تبدیل کر دیا۔ اکبر کے

رخصت ہونے سے پہلے ہی بادشاہ نے آگرے پر قبا خان کنگ کو میرٹھ، سنبھل پر علی قلی خان کو، بدایوں پر قنبر دیوانہ کو اور بیانہ پر محمد خان آختہ بیگی کو مقرر کر کے رخصت کر دیا تھا۔

غازی محمد خان کا قتل

حیدر محمد خان نے بیانہ پر حملہ کیا تو ابراہیم سور کا باپ غازی محمد خان قلعہ بیانہ میں بند ہو گیا۔ اس محاصرہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی لوگوں نے غازی محمد خان کو بہت سمجھایا کہ وہ رنتھنبور اور پھر وہاں سے گجرات چلا جائے۔ لیکن اس نے کسی کا مشورہ قبول نہ کیا اور قلعے میں اس طرح گھر گیا جیسے مچھلی جال میں۔ بیانہ کے تمام زمینداروں نے معافی مانگتے ہوئے مغل لشکر میں حاضر ہو گئے۔ حیدر محمد خان نے وعدہ اور معافی کے ذریعے غازی خان کو مع اہل وعیال قلعہ سے باہر آنے پر راضی کر لیا اور اس کی رہائش کے لیے ایک محفوظ مقام کا انتظام کر دیا۔ دوسرے دن جب اس نے بیانہ کے خزانوں اور قیمتی چیزوں کے متعلق بخوبی تحقیقات کر لیں تو اپنے کیے ہوئے عہد سے مکر گیا اور غازی خان کو اس کے اہل وعیال بلکہ شیر خوار بچوں سمیت قتل کرا دیا۔ ان کے سر بادشاہ کے پاس بھجوا دیے۔ ہمایوں کو اس کے یہ عہد توڑنے پر غصہ آیا اور اس نے میر شہاب الدین نیشاپوری کو جس کا خطاب شہاب الدین احمد خان تھا غازی خان کے مال واسباب کی تحقیقات کے لیے بیانہ کی طرف روانہ کیا۔ حیدر محمد خان نے نفیس اسباب جواہرت وغیرہ کو چھپا لیا اور کم قیمت والا سامان معائنے میں پیش کر دیا۔

قنبر دیوانہ

قنبر دیوانہ نے سنبھل پہنچنے کے بعد کافی بڑی جمعیت فراہم کر لی تھی۔ بعد میں جب سنبھل علی قلی خان کے حوالہ ہوا تو وہ کہا کرتا تھا: ''یہ تو وہی کہاوت ہوئی کہ پیڑ کسی کے اور گاؤں کسی کا''، علی قلی خان کے سنبھل آنے سے پہلے ہی قنبر بدایوں چلا گیا۔ وہاں اس نے

کانٹ اور کولہ کی طرف حملہ کر کے برکن خان پٹھان سردار سے مقابلہ کیا، اسے شکست دے کر ملانوہ تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کرلیا لیکن کچھ ہی عرصے بعد پٹھانوں کے مقابلے میں شکست کھا کر اور وہاں کے قلعہ میں خون مچا کر کے بدایوں لوٹ آیا۔ بدایوں میں بھی اس نے ظلم وستم پر کمر باندھ لی۔علی قلی خان نے اسے اپنے پاس بلانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ گیا اور کہلوایا: ''میں بادشاہ کے پاس تجھ سے زیادہ مقرب ہوں اور مرا سر شاہی تاج سے وابستہ ہے''۔ اس کی ان باتوں سے بگڑ کر علی قلی خان نے اس پر فوج کشی کی اور بدایوں کا محاصرہ کر لیا۔قنبر دیوانہ اس محاصرے کے دوران بھی شہر والوں پر ظلم ڈھانے سے باز نہیں رہتا تھا۔ آج کسی کی بیوی کو اڑا لیا تو کل کسی کی بیٹی کا اغوا کیا، کسی کا مال واسباب زبردستی چھین لیا۔ اس کو اپنے کسی آدمی پر بھروسہ نہ تھا اس لیے راتوں میں بذات خود مورچوں کی گشت کیا کرتا تھا۔ اپنی دیوانگی کے باوجود لڑائی کی چالوں میں بڑا ہوشیار تھا۔

ایک دن قلعے کے ایک خالی مقام پر آدھی رات کے وقت پہنچ گیا، ایک جگہ چلتے چلتے رک گیا پھر دو چار قدم آگے بڑھ کر سوچنے لگا پھر اچانک پلٹ کر اسی پہلی جگہ آ گیا اور اسی وقت بیلداروں کو بلا کر زمین کو کھودنے کا حکم دیا اور کہا کہ: ''اس جگہ سے میرے کان میں کچھ آواز آ رہی ہے''۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو معلوم ہوا علی قلی خان نے قلعے کے باہر سے سرنگ لگا رکھی تھی۔ جن لوگوں نے یہ سرنگ دیکھی تھی ان کا بیان ہے کہ جب سرنگ کھودی جانے لگی تو معلوم ہوا کہ قلعہ کی بنیاد پانی کے اندر تک چلی گئی ہے اور اس میں لوہے کے پشتے اور سال کی لکڑی کے شہتیر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ایک جگہ خالی مل گئی تھی اس مقام سے سرنگ کھودی گئی تھی جس کا سراغ اس دیوانہ کی ہوشیاری سے بر وقت لگ گیا۔علی قلی خان بھی قنبر کی اس دانائی پر حیران رہ گیا تھا۔

محاصرہ جاری تھا کہ بدایوں کے تمام شہریوں نے یکجا ہو کر علی قلی خان کے پاس کہلا بھیجا کہ: ''فلاں رات کو فلاں برج پر حملہ کرنا ہم قلعہ کے اوپر سے کمندیں اور سیڑھیاں لٹکا دیں گے''۔ اسی منصوبے کے مطابق علی قلی خان نے حملہ کیا اور اس کے سپاہیوں کو شیخ حبیب بدایونی نے اس برج کی طرف سے جو شیخ سلیم چشتیؒ کے رشتے دار شیخ زادوں کا تھا

اوپر چڑھا لیا اور لشکریوں نے شہر میں داخل ہو کر آگ لگا دی۔ قنبر دیوانہ سے جب کچھ نہ بن پڑا تو وہ ایک کالا کمبل اوڑھ کر شہر سے نکل گیا لیکن لوگ پکڑ کر اسے علی قلی خان کے پاس لے آئے۔

علی قلی خان بڑی نرمی اور ملائمت سے پیش آیا اور کہا کہ: ''اگر تو اطاعت قبول کر لے تو میں تیری جان بخش دونگا۔'' لیکن دیوانہ نہایت تلخ وترش باتیں کرتا رہا اور کسی طرح قابو میں نہیں آیا۔ مجبور ہو کر علی قلی خان نے اسے قتل کرا دیا۔ اس کی قبر بدایوں میں اب تک مشہور ہے (مؤلف منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی کے وقت کی بات تھی) قنبر کی عادت تھی کہ بہت سا کھانا پکوا کر لوگوں کی دعوت کرتا۔ اور کہتا تھا۔ ''کھاؤ مال خدا کا ہے۔ جان خدا کی اور قنبر دیوانہ خدا کا باورچی ہے۔''

جب علی قلی خان کا عریضہ قنبر کے سر کے ساتھ بارگاہ سلطانی میں پہنچا تو علی قلی خان کی یہ حرکت ہمایوں کو سخت ناپسند لگی۔

ہمایوں کی وفات

انہی دنوں 7 ربیع الاول 963ھ/1555ء کو ہمایوں بادشاہ کتب خانہ 11 کی چھت پر گیا جو دہلی کے قلعہ دین پناہ 12 میں بنایا گیا تھا جس وقت وہ وہاں سے اُتر رہا تھا تو اذان کی آواز آنے لگی۔ اذان کے احترام میں وہ اسی جگہ بیٹھ گیا۔ جب وہاں سے اٹھنے لگا تو لاٹھی پھسل گئی اور ہمایوں بادشاہ کا پیر بھی پھسل گیا اور وہ چند سیڑھیوں پر سے پھسلتے ہوئے زمین پر آ گیا کچھ اطمینان ہونے کے بعد شیخ جولی کو پنجاب بھیجا جس نے شاہزادہ اکبر کو اپنے حالات سے مطلع کرا دیا۔

اس صدمے سے ہمایوں جانبر نہ ہوسکا۔ آخر کار اس حادثہ کے اٹھویں دن 15 ربیع الاول 963ھ/1555ء کو اس نے عالم فنا سے آنکھیں پھیر لیں۔

ہمایوں کی ذاتی خوبیاں

وفات کے وقت ہمایوں کی عمر اکیاون سال تھی۔ اس نے 25 سال سے کچھ زائد حکمرانی کے فرائض انجام دیے۔ امور سلطنت میں اس کی بڑی گہری نظر تھی۔ ظاہری اور باطنی بہت سے ہنر و کمال اسے حاصل تھے۔ وہ نجوم وھئیت کے علاوہ مروجہ علوم میں بھی ماہرانہ دستگاہ رکھتا تھا۔ علماء اور فضلاء، بزرگوں اور شاعروں کی دل سے قدر کرتا تھا اور خود بھی بڑے اچھے شعر کہتا تھا۔

ہمایوں ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ خدا اور رسول اکرمؐ کا نام کبھی بغیر وضو کے نہیں لیتا تھا۔ اگر کسی ایسے نام کو دہرانے کی ضرورت پڑتی جو عبد اور اللہ سے مرکب ہو تو وہ صرف عبد کہا کرتا تھا۔ مثلاً عبدالحی کو فقط عبدل کہتا تھا۔ اپنے رقعات کے سرنامہ پر بجائے لفظ ''ھو'' کے اس لفظ کا ھندسہ گیارہ لکھا کرتا تھا۔ غرض اس طرح کے تمام مذہبی آداب کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔

اس کی محفلیں رات رات بھر جمی رہتی تھیں، کبھی اس کی طرف سے تھکاوٹ اور سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ دل کا بڑا سخی تھا۔ اس کی فیاضی کے لیے سارے ہندستان کا خراج بھی کافی نہیں تھا۔ اس لیے محکمہ مالیات کے کارکن اس کے سامنے نقد روپیہ نہیں لاتے تھے۔

اس کی زبان پر کبھی گالی نہ آئی، جب بہت غصہ میں آجاتا تو زبان سے: ''بے نادان'' کے سوا کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا۔ مجلس میں جب آتا تو بھولے سے بھی بایاں پیر پہلے نہ رکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں کسی اور شخص کی بھی مجال نہ تھی کہ کبھی بایاں پاؤں پہلے رکھے۔ اگر کبھی کسی سے یہ چوک ہوجاتی تو وہ اسے دوبارہ پیچھے لوٹ کر جانے کے لیے کہتا تھا۔ اس کی حیا کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی قہقہہ مار کر ہنسا اور نہ کبھی کسی کی طرف گھور کر دیکھا۔

اس کا یہ قصہ کافی مشہور ہے کہ جب اس نے ہندستان پر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو کابل کے مفسر قرآن شیخ حمید سنبھلی تک اس کے استقبال کے لیے گئے۔ ہمایوں ان کا بڑا معتقد تھا۔ ایک دن شیخ نے ہمایوں سے کہا: '' تمہارا پورا لشکر رافضی معلوم ہوتا ہے''۔ ہمایوں

نے پوچھا ''کیسے''؟ انھوں نے کہا: ''اس بار تمہارے تمام سپاہیوں کے نام یارعلیؓ، کفش علیؓ، حیدر علیؓ وغیرہ وغیرہ ہیں دوسرے کسی خلیفہ کے نام پر کسی کا نام نہیں 13۔'' یہ بات سن کر ہمایوں کو بڑا طیش آگیا اور ہاتھ مین جو قلم تھا وہ فرش پر پھینک کر کہا: ''میرے دادا کا نام عمرؒ شیخ تھا''۔ اتنا کہہ کر محل سرا میں چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد ہی باہر آکر نہایت ملائم اور نرم لہجے میں اس نے شیخ کو اپنے صحیح عقائد سے آگاہ کیا۔

ہمایوں کی ذاتی خوبیاں اتنی ہیں کہ اس کو لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ ہمایوں علم دوست اور نہایت قدرداں بادشاہ تھا اس کے عہد میں بہت سے صاحب کلام شاعر گزرے ہیں۔

عہد ہمایونی کے شعراء

جنوبی بدخشی

ہمایوں کے عہد کے شاعروں میں سے بدخشان کے ایک شاعر مولانا جنوبی بدخشی تھے۔ اس نے ہمایوں کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا قصیدے 38 اشعار پر مشتمل کہا تھا۔ اس قصیدے کا کمال یہ ہے کہ وہ مشکل صنائع جو خواجہ رشید قدر کے قصیدے میں ذوالفقار شروانی اور خواجہ غیاث کے قصیدے میں سلمان ساوجی جیسے بڑے شاعروں نے چھوڑ دیے تھے جنوبی نے اس قصیدے میں سارے مشکل صنائع معما، اظہار مضمر اور تاریخ وغیرہ حقیقت میں جنوبی نے یہ قصیدہ لاجواب لکھا ہے:

شہنشاھا رخ تو لالہ ونسرین لب توجان
ھمی بنیم لب تو غنچہ رنگین شدہ خندان

اس قصیدے کی خوبی یہ ہے کہ اگر اس کے ہر مصرے کے شروع کا ایک ایک حرف لیا جائے تو یہ حروف مل کر مطلع بناتے ہیں۔

وفائی

ہمایوں کے عہد کے دوسرے شاعر شیخ زین الدین خان تھے جن کا تخلص وفائی تھا۔ بابر نے اپنے عہد میں ان کو پورے ہندستان کا مستقل صدر الصدور بنا دیا تھا۔ آگرے میں جمنا کے پار ایک مسجد اور ایک مدرسہ ان کی یادگار ہے۔ نظم و نثر کے تمام اصناف میں بڑی مہارت حاصل تھی، خاص طور سے فن معما گوئی، تاریخ اور بدیہہ گوئی میں ان کی مثال نہیں تھی۔ وہ جب پہلی مرتبہ بابر کے پاس آئے تو بادشاہ نے پوچھا، تمہاری عمر کیا ہے؟ بس پانچ برس پہلے ''چہل سالہ تھا اور اب ''چہل سالہ'' ہوں اور دو برس بعد ''چہل'' پورے ہوں گے۔

مشہور ہے کہ شیخ زین الدین ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر گئے اور وہاں شیخ کی یہ حکایت سنی کہ ''الھدایا مشترک وتنہا خوشترک'' اس پر انھوں نے یہ قطعہ لکھا:

شیخا بادا ترا از حق ھدایا بر دوام
آن کدام من کہ گویم الھدایا مشترک
گوئی تنہا مشترک زانسان کہ گفتی پیش ازین
مشترک سازار نمیگوئی کہ تنہا خوشترک

شیخ زین الدین نے ہندستان کی فتوحات اور اس سلسلے کے عجیب وغریب حالات پر مشتمل ایک تاریخ بھی لکھی ہے جس سے ان کی سخنوری کا کمال جھلکتا ہے۔ ان کی وفات چہار کے علاقہ میں 940ھ/1533ء میں ہوئی اور اپنے ہی بنائے ہوئے مدرسہ میں دفن ہوئے۔

نادری

ہمایونی دور کے ایک اور شاعر مولانا نادری سمرقندی گزرے ہیں جو اپنے زمانے کے بڑے فاضل اور جامع کمالات شخص تھے۔ ایک خوب صورت جوان جس کا نام نظام تھا وہ دل وجان سے فریفتہ تھے اسی کے لیے انھوں نے یہ ''اظہار مضمر'' لکھا تھا۔

من دل شکستہ گویم صفت نظام نامی
کہ نداشت بی وصالش دل ناتوان نظامی

مولانا نادری کا انتقال 966ھ/1558ء میں ہوا۔

فارغی

اسی زمانے کے ایک شاعر شیخ ابواحد فارغی تھے۔ بڑے درویش مزاج اور نہایت شیریں کلام شاعر تھے:

ازبس کہ آن جفاجو آزاری نماید
اندک ترحم او بسیار می نماید

ان کی وفات 940ھ/1533ء میں ہوئی۔ آگرہ میں شیخ زین کی خانقاہ میں ان کے مقابل دفن ہیں۔ یہ دونوں بڑے گہرے دوست تھے اور اتفاق دیکھیے کہ ایک ہی سال آگے پیچھے دونوں فوت ہوئے۔

جاہی

ایک اور شاعر جاہی تیانی تھے۔ تیان بخارا کے متعلقات میں سے تھا اس جگہ کی مناسبت سے تیانی کہلاتے تھے۔ جس زمانے میں ہمایوں کابل میں ہندستان پر حملہ کی تیاریاں کررہا تھا وہ دربار شاہی میں پہنچے اور الطاف شاہانہ سے معزز ہوئے۔ جس وقت ہمایوں نے کابل میں شاہ محمد خان شاپور کو بطور نگراں حاکم مقرر کیا تھا اس نے لوگوں کو بڑی ایذائیں دی تھیں اس کے معتوب افراد میں جاہی بھی تھے۔ ملا جاہی نے شاپور کی ہجو میں ایک ترکیب بند لکھا تھا:

شاعر شاہ ھمایونم وخاک درگہ
میزند کو کہہ شاعر یم طعنہ بمہ
خسرو شعرم و ابیات خوشم خیل و سپہ
دیدم از محہ زنی ظلم نہ جرم نہ گنہ

حیدر تونی

اس دور کا ایک شاعر حیدر تو نیائی بھی تھا۔ یہ بڑا صاحب علم وفضل اور فن موسیقی میں ماہر تھا۔ اس کی زیادہ تر زندگی ہندستان میں بسر ہوئی۔ اس کا یہ مطلع جو اس نے امام شہید کی تعزیت میں کہا تھا، عاشورہ کے دنوں میں اکثر مجالس میں پڑھا جاتا ہے:

ماہ محرم آمد وشد گریہ فرض عین
گریم خون بیاد لب تشنہ حسین

حیدر تونی کا ایک لڑکا نہایت بزدل تھا۔

طاہر دکنی

ایک اور شاعر طاہر خواندی دکنی بھی تھا۔ عراق کے علمائے سلف نے خوندایوں کے نسب کے متعلق بڑی جرح وتنقید کی ہے۔ اس کا ایک بڑا اچھا قصیدہ ہے:

ہر آنکس کہ برکام گیتی نہد دل
نزدیک اھل خرد نیست عاقل

شاہ طاہر 952ھ/1545ء میں دکن میں فوت ہوئے۔

خواجہ ایوب

اس دور کا ایک شاعر خواجہ ایوب ابن خواجہ ابوالبرکات ہے۔ یہ ماوراء النہری بزرگوں کی اولاد میں سے تھا وہ اور اس کا باپ دونوں علم و فضل کے لحاظ سے بڑے عالی مرتبہ تھے۔ خواجہ اپنے اشعار میں کبھی ایوب اور کبھی فراقی تخلص کرتا ہے:

ای شاخ گل کہ ھمچو سہی قد کشیدہ ای
برگرد لب خطی ز زمرد کشیدہ ای
قدت بر: آمدہ چو الف مدظلہ
وزابروان فراز الف مد کشیدہ ای

حواشی

1۔ میر سید محمد: سید رفیع الدین محدث کے شاگرد، سید جلال سے بدایوں میں علوم کی تحصیل کی تھی۔ سوری حکمراں کے زمانے سے اکبر کے ابتدائی عہد تک وہ برابر دربار سے منسلک رہے اور ''میر عدل'' ان کا عہدہ اور خطاب تھا۔ انصاف کی کرسی پر نہایت عدل و دیانت سے آخر تک کام کرتے رہے۔ جب تک وہ دربار اکبری میں رہے اس وقت تک ابوالفضل جیسا دانشور بھی دین کے معاملے میں دخل کرنے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔ 984ھ/1576ء میں بھکر کی حکومت پر ان کا تقرر ہوا اور اسی جگہ وہ 986ھ/1578ء میں فوت ہوئے۔
(بحوالہ: تاریخ امروہہ، تالیف محمد احمد عباسی، جلد اول۔)

2۔ تنکہ کے بارے میں فرشتہ لکھتا ہے کہ ایک تولہ سونا اور چاندی کی ملاوٹ سے تیار ہوتا تھا اور ہر سونے کا تنکہ 50 چاندی کے جیتل کے برابر ہوتا تھا۔ فرشتہ آگے لکھتا ہے کہ اس کے وزن کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ فرشتہ جس تنکے کا حال بیان کرتا ہے وہ علاء الدین کے عہد حکومت میں مروج تھا جب مسلمان ہندستان آئے تو یہاں جو سکہ رائج تھا وہ ''دلی والی'' کہلاتا تھا۔ طبقات ناصری کا مصنف قاضی منہاج السراج جو اکثر بعد کی تاریخوں کا ماخذ ہے، جیتل اور

تنکہ دونوں کو استعمال کرتا ہے۔ 418ھ /1027ء کی مہر لگی سلطان محمود غزنوی کے سکوں پر عربی میں درہم کا لفظ ضرب ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ سنسکرت زبان میں تنکہ بھی ثبت ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''تنکہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اہل علم نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ تنکہ ترکی لفظ ہے۔ سلطان محمد تغلق کا ایک نقرئی تنکہ 80 رَتی یعنی 140 گرین کا ملتا ہے۔ ابن بطوطہ اس تنکہ کو ''درہمی دینار'' کہتا ہے۔ نیز عام مروجہ نقرئی تنکہ کو دینار لکھتا ہے۔

مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہے ''طلائی تنکہ تین مثقال کا ہوتا تھا اور نقرئی تنکے کی آٹھ ''ہشتگانیاں'' آتی تھیں۔ ایک ہشتگانی مصر اور شام کے درہم کے برابر تھی ۔ ایک ہشتگانی کی چار ''سلطانیاں'' ہوتی تھیں۔ ایک سلطانی یادوگانی کے دو جیتل ہوتے تھے اور ایک جیتل کے چار فلوس ملتے تھے۔

طبقات اکبری کے مصنف نے تنکہ سفید (نقرئی) تنکہ سرخ (طلائی) کے علاوہ تنکہ سیاہ کا لفظ بھی لکھا ہے۔

بقول ابن بطوطہ: ان کے زمانے میں تین طرح کے تنکے تھے۔ 1 ۔تنکہ سفید۔ خالص چاندی کا جس کا وزن سو رَتی اور اَسی رَتی کا تھا۔ اسی رتی والے تنکہ کو ''عدلی'' کہتے تھے۔2 ۔تنکہ سرخ ۔خالص سونے کا یہ 100 رتی کا بھی ہوتا تھا۔3 ۔تنکہ سیاہ۔ چاندی اور تانبے کا 32 رتی کا ہوتا تھا۔

3 سیر: یہ وزن کا ایک پیانہ تھا جو اس زمانے میں رائج تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں ''دہلی کا رطل'' لکھا ہے۔ رطل سے اس کی مراد من سے ہے وہ اس رطل کو مصر کے 25 رطل کے برابر لکھتا ہے۔ اس کو فرانسیسی مترجموں نے اس حساب سے من کا وزن 3/4 29 پونڈ لگایا ہے۔ اکبری سیر 52 تولہ 2 ماشہ 2 رتی کا ہوتا تھا۔ عالمگیری سیر 77 تولے کا تھا۔ محمد شاہ تغلق کے وقت کا من 14½ سیر کا تھا۔

4 قحط: ہندستان کی تاریخ کے قدیم ادوار میں بنگال کو چھوڑ کر پورا ہندستان قحط

سالی اور اس کے نتائج سے متاثر ہوتا رہا۔ ان قحطوں کے نتیجے میں کثرت سے اموات، بچوں کی خرید وفروخت، غلامی اور مردم خوری کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ بار بوسا جو ایک سولہویں صدی کا سیاح تھا اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے: ''اگر چہ ملک میں ضروریات افراط کے ساتھ تھیں تاہم اگر بارش نہ ہوتو قحط کی بدولت سخت ہلاکت واقع ہوتی تھی اور بچے ایک ایک روپیہ سے کم دام پر بھی بکتے تھے۔ قحط سالی کے زمانے میں ملابار کے جہاز بھوکوں کے لیے خوراک لاتے تھے اور بدلے میں غلاموں کو بھر بھر کر لے جاتے تھے۔''

بدایونی، صاحب منتخب التواریخ سے لگ بھگ دس سال پہلے ایک سیاح جو کوریا سے ہندستان آیا تھا۔ اس نے بھی اسی عہد کے ہندستان کی ترجمانی کی ہے۔ اس نے اپنے سفر نامے میں اس تباہی کا نقشہ کھینچا ہے وہ بھی مردم خوری کا ذکر کرتا ہے۔

باز بہادر: یہ مانڈو کا بادشاہ تھا۔ مانڈو کی تاریخ دلاور خان کے عہد حکومت سے شروع ہوتی ہے۔ اس نے تیمور کے حملے کے بعد 804 ھ/1401 ء میں خود مختار حکومت قائم کر لی تھی ۔ اس کا تعلق غور سے آئے سرداروں سے تھا۔ اس نے دوبار کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ اس کے لڑکے الپ خان ہوشنگ نے مانڈو کو دارالخلافہ بنا کر ایک شاندار شہر بنا دیا اس کے بعد محمد غوری تخت نشین ہوا۔ پھر محمود خلجی اس کا جانشین بنا، اس کے بعد 1534ء میں ہمایوں نے قلعہ مانڈو کو فتح کرلیا، ہمایوں کی شیر شاہ سے شکست پر ملو خان ایک خلجی سردار نے قادر شاہ کے لقب سے 943 ھ/1554 ء میں حکومت کی اس کو شیر شاہ نے شکست دے کر اپنے ایک عزیز شجاع خان کو مالوہ اور مانڈو کی حکومت دے دی۔ 962 ھ/1536 ء تک وہ حکمراں رہا۔ باز بہادر اسی شجاع خان کا لڑکا تھا۔ اس کا اصلی نام بایزید تھا، اس نے اپنے بھائی دولت خان کو قتل کر کے سلطان باز بہادر اپنا خطاب رکھا اور 1555ء میں خود مختار حکومت قائم کر لی۔ یہ ایک ہمت ور اور شجاع بادشاہ تھا۔ پہلے پہل اس نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں آخر میں رانی

درگاوتی کے ہاتھوں اسے ایسی شکست ہوئی کہ اس نے جنگ سے توبہ کرلی۔ اس زمانے میں مالوہ موسیقی کا مرکز تھا۔ باز بہادر خود بھی اعلیٰ درجے کا موسیقار تھا۔ اس کی اور روپ متی کے عشق کی داستانیں بڑی مشہور رہی ہیں۔ 1556ء میں اکبر نے ادھم خان کو مالوہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ باز بہادر اس سے شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ روپ متی گرفتار ہوکر ادھم خان کے پاس لائی گئی۔ مگر اس نے زہر کھا کر خودکشی کرلی۔ 1561ء میں جب محمد خان حاکم تھا، باز بہادر نے خاندیش کے میران مبارک خان کی مدد سے پیر محمد کو شکست دی۔ 1562ء میں عبداللہ خان نے حملہ کرکے باز بہادر کو گونڈوانہ کی پہاڑیوں میں بھگادیا۔ اس نے میواڑ کے راجہ اودے سنگھ کے یہاں پناہ لی، وہاں سے گجرات چلاگیا، بعد میں اکبر نے اسے معاف کرکے دوہزاری منصب پر بحال کردیا۔

6. منتخب التواریخ کے ایک دوسرے نسخے میں یہ تاریخ 946ھ/1539ء درج ہے۔

7. قلعہ بھکر۔ ابن بطوطہ بھی اس جگہ گیا تھا وہ کہتا ہے ''یہ شہر بہت خوبصورت تھا، یہاں دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے اس شاخ کے وسط میں ایک خانقاہ ہے۔ وہاں مسافروں کو کھانا ملتا ہے۔ اس خانقاہ کو کشلو خان بن محمد تغلق کے عہد میں تیار کرایا تھا۔

8. اس وقت جیسلمیر کا راجہ راول مون کرن تھا۔ 1543ء میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ راجہ نے کنوؤں میں ریت بھروادی تھی تاکہ شاہی لشکر پریشان ہو۔ جب ہمایوں جیسلمیر کے تالاب کے نزدیک پہنچا تو راجپوتوں نے پانی لینے سے روکا۔ لشکر والوں نے حملہ کرکے انھیں بھگادیا۔

9. قاسم کاھی: قاسم کاھی کا عرف کالے میاں تھا، ہمایوں کے عہد میں کابل سے ہندستان آئے تھے۔ تفسیر، کلام، تصوف، ھیئت، موسیقی اور شاعری میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کی شاعری میں سادگی اور موسیقیت تھی۔ ہمایوں کی وفات پر ان کا ایک قطعہ بڑا مشہور ہوا تھا:

پی تاریخ او کاھی رقم زد
ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

کاھی نے بوستان کے جواب میں ایک مثنوی ''گل افشان'' بھی لکھی تھی۔

10 یہ ہمایوں کا درباری امیر اور سخن سنج شاعر تھا۔ اس کے گھر پر شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں، جہاں نامور شعرا جمع ہوا کرتے تھے۔

11 اکبرنامہ اور طبقاتِ اکبری میں ہمایوں کے متعلق یوں لکھا ہے: ہمایوں علم دوست بادشاہ تھا چنانچہ اس نے دہلی کے شیر شاہی قلعے میں شیر منڈل کی سہ منزلہ عمارت کی آخری منزل میں اپنا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اسے چونکہ نجوم میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اس لیے یہ اس کی رصد گاہ بھی تھی۔ اس شاہی کتب خانہ کے مہتمم کا نام نظام المعروف بہ باز بہادر ملتا ہے۔ ہمایوں کا شوق کتب بینی اس درجے پر تھا کہ میدان جنگ میں بھی چھوٹا سا سفری کتب خانہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے کھمبایت کا محاصرہ کیا تھا تو اس کی اور کتابوں کے ساتھ تاریخ تیموریہ کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے مصوّر کیا تھا۔ ایک جنگلی قبیلے نے شاہی کیمپ پر چھاپہ مارا تو یہ نسخہ جاتا رہا لیکن جلدی ہی پھر یہ نسخہ اس کے ہاتھ لگ گیا۔ (اکبرنامہ، ص، 363) (طبقات اکبری، ص، 184 جلد دوم)

12 قلعہ دین پناہ: آج کل کا پرانا قلعہ ہے۔

13 شیخ نے دراصل یہ اشارہ اس بات کی طرف کیا تھا کہ ہمایوں نے شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لیتے وقت شیعہ عقائد قبول کرنے سے صاف صاف انکار نہیں کیا تھا اور صفویوں کی مدد اور ان کی فوج لے کر بدخشان پر حملہ کیا تھا اس شبہ میں کہ وہ شیعہ ہوگیا ہے۔ شیخ موصوف نے یہ طنز کیا اور ہمایوں نے اپنے دادا ''عمر شیخ'' کے نام کا حوالہ دے کر شیعت سے برأت ظاہر کی۔